

تاریخ دعوت و مزینت

مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ

مجلس تحقیقات و نشریات اسلامیہ لکھنؤ

نایح دعوتِ عزیمت

— حصہ سوم —

✦ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

✦ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

✦ حضرت شیخ شرف الدین نجفی امیریؒ

سوانح حیات — صفات و کمالات — تجدیدی و اصلاحی کارنامے

تلامذہ و متبیین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۵	دہلی میں طالب علمی	۹	حرف آغاز
۵۶	استاذ کے محبوب		باب اول
۵۶	علمی امتیاز و تفوق	۱۹	۵۱
۵۷	حفظ مقامات اور اس کا کفارہ	۱۱	ہندوستان میں چشتی سلسلہ اور اسکے اکابر شیوخ
۵۷	حدیث کی اجازت	۱۹	عالم اسلام کا نیار و معانی و فکری مرکز
۵۸	قلبی پیچیدگی اور انہماک الی اللہ	۲۱	اسلامی ہند کے معمار
۵۸	والدہ صاحبہ کا انتقال	۲۲	ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق
۵۸	والدہ کی یاد	۲۳	حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ
۵۸	والدہ کا یقین و توکل	۳۱	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
۵۹	ایک تنہائے خام	۳۶	حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ
۶۰	اجودہ من کی پہلی حاضری		باب دوم
۶۰	طالب یا مطلوب	۵۲	۱۰۱
۶۰	مرید کی خاطر		سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ
۶۱	بیعت		کے حالات و کمالات
۶۱	سلسلہ تعلیم کا اجراء یا انقطاع؟	۵۲	نام و نسب
۶۲	شیخ کبیرؒ کے درس	۵۳	ابتدائی تعلیم و تربیت
۶۲	درس کی لذت	۵۴	فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت
۶۳	خود کشی کی تربیت	۵۴	شیخ کبیرؒ سے مناسبت اور علمی شش
۶۳	فیصلہ کن موقع	۵۵	دہلی کا سفر

جملہ حقوق محفوظ

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ — جولائی ۲۰۰۶ء

نام کتاب — تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ سوم)

نام مصنف — مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

صفحہ — ۳۳۶

تعداد — ایک ہزار

قیمت — RS. 100/-

طابع — کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ

ناشر — مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

Post Box No. 119

Nadwatul Ulama

Lucknow.

Tel : 0522-2740539

Fax : 0522-2740806

e-mail : info@airpindia.com

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۳	گھر کے ڈور دروازے	۶۵	ایک رفیق کی ملامت
۸۳	غیم اسلام	۶۶	کتنے بار عاصری ہوئی
۸۶	سلطان قطب الدین کی مخالفت اور	۶۶	شیخ کی نوازشیں
	اُس کا قتل	۶۷	رحمت اور وصیت
۸۸	غیبی لشکر	۶۷	ایک دعا کی درخواست
	غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری	۶۸	اجودھن سے دہلی کو
۸۹	مجلس مناظرہ	۶۹	تصفیہ حقوق
	مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی	۷۰	دہلی کی قیام گاہیں
۹۲	زبان سے	۷۲	فقر و فاقہ
۹۳	دہلی کی تباہی	۷۳	غیر کے واسطے کے بغیر
۹۳	نظام الاوقات	۷۳	غیاث پور کا قیام
۹۳	امیر خسرو کی خصوصیت	۷۶	رجوع عام
۹۵	شب کی تیاری	۷۷	فقر منعم
۹۶	سحری	۷۸	بیداری پر پہلا سوال
۹۶	صبح کے وقت	۷۸	دنیا سے تنفر اور بادل و عطا
۹۷	دن میں	۷۸	زمین و جانماد سے پرہیز
۹۷	دلداداری و تربیت	۷۹	فقیر کا شاہی دسترخوان
۹۷	قرب معشر	۸۱	شیخ کی غذا
	خلفائے کبار کو اجازت نامے اور	۸۱	ترتیب
۹۷	ان کی محبت و مواخات	۸۱	سلاطین عہد سے بے تعلقی
۹۸	وفات کا حال	۸۳	سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت
		۹۲	بادشاہ کے آنے سے معذرت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب پنجم		باب سوم
۱۲۳ — ۱۲۶	(افادات و تحقیقات)	۱۱۲ — ۱۱۷	(اخلاق و صفات)
۱۲۶	علمی پایہ	۱۰۲	جامع اوصاف
۱۲۶	علمی و ادبی مناسبت	۱۰۳	احسان
۱۲۷	حدیث و فقہ پر نظر	۱۰۵	دشمن نوازی
۱۲۹	بلند علوم مضامین	۱۰۷	پردہ پوشی و مکتہ نوازی
۱۳۰	علوم صحیحہ شرعیہ	۱۰۸	شفقت و تعلق
۱۳۰	حلال مانع راہ خدا نہیں	۱۰۹	غمواری عام
۱۳۱	قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز نہیں	۱۱۱	چھوٹوں پر شفقت
۱۳۱	ترک دنیا کی حقیقت		باب چہارم
۱۳۲	طااعت لازم و متعدی	۱۱۳ — ۱۲۵	(اذواق و کیفیات)
۱۳۲	کشف و کرامات حجاب راہ		محبت و ذوق
۱۳۲	علوم انبیاء و اولیاء	۱۱۳	سماع
۱۳۳	دنیا کی محبت اور عداوت	۱۱۵	مرا میر سے نفرت و کائنات
۱۳۳	مراتب تلامذہ و تلامذہ	۱۱۷	سماع میں آپ کی کیفیت
	باب ششم	۱۲۰	ذوق قرآن
۱۳۳ — ۱۳۵	(رفیوض و برکات)	۱۲۲	شیخ سے تعلق
	تجدید ایمان و توبہ عام	۱۲۳	جماعت کا اہتمام اور بلند تہمتی
۱۳۷	بیعت ایک عہد و معاہدہ		شریعت کی پابندی اور اتباع سنت کا
۱۳۹	عموم بیعت کی حکمت		اہتمام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۹	ولادت	۱۳۱	عمومی زندگی پر اثر
۱۴۹	تعلیم	۱۳۷	عشق کار و بازار
۱۸۰	مولانا شرف الدین ابونوار سے تلمذ	۱۳۷	خلفاء کی تربیت
۱۸۲	اور سنار گاؤں کا سفر	۱۳۹	چشتی خانقاہیں
۱۸۲	ازدواج	۱۵۰	مریدین با اختصاص
۱۸۲	مراجعت وطن		باب ہفتم
۱۸۳	سفر دہلی اور انتخاب شیخ	۱۵۵ — ۱۴۲	
	باب دوم		(حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات)
۱۸۶ — ۱۹۳		۱۵۵	آپ کے خلفاء کی ذہنی و اصلاحی خدمات
	(ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ اور	۱۵۶	سلاطین وقت سے بے رنجی اور حق گوئی
	اس کے شاخ بکار)		کے نمونے
۱۸۶	خواجہ نجم الدین کبریٰ	۱۶۰	اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی
۱۸۹	ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد	۱۶۶	اشاعت اسلام
۱۹۰	سلسلہ فردوسیہ ہندوستان میں	۱۷۰	خدمت و اشاعت علم
۱۹۰	خواجہ بدر الدین سمرقندی	۱۷۲	خاترہ کلام
۱۹۳	خواجہ رکن الدین فردوسی		
۱۹۳	خواجہ نجیب الدین فردوسی		مقدم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ سنہ ۶۶۱ھ — ۶۸۶ھ
	باب سوم		باب اول
۱۹۶ — ۲۰۲		۱۷۵ — ۱۸۵	
	(مجاہدہ و خلوت، قیام و سکونت		(ولادت سے بیعت تک)
	اور ارشاد و تربیت)		خانہ دان
۱۹۶	دہلی سے واپسی	۱۷۷	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب ششم	۱۹۷	شورش عشق
۲۳۷ — ۲۴۷		۱۹۷	راجگیر کے جنگل میں
	(مکتوبات)	۱۹۹	بہار کی حکومت اور خانقاہ کی تعمیر
۲۴۲	مکتوبات اور ان کا علمی و ادبی پایہ	۲۰۲	افادہ و ارشاد
۲۴۵	مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوبات		باب چہارم
۲۴۷	مضامین کا مائتد	۲۰۵ — ۲۲۲	
	باب ہفتم		(صفات و خصوصیات)
۲۴۹ — ۲۶۶		۲۰۵	فنا یت
	(مقام کبریا)	۲۱۰	علاوہ اسلاق
۲۴۹	بے نیازی سلطان عالم	۲۱۲	رحمت و شفقت
۲۶۱	دریائے رحمت کا جوش	۲۱۵	دنیا سے بے لوثی و بے تعلقی
۲۶۳	صلائے عام	۲۱۶	علو ہمت
۲۶۳	کریم نکتہ نواز	۲۱۸	تجرید و تفرید
۲۶۶	توبہ کی تاثیر	۲۲۱	امر بالمعروف اور مسلمانوں کے معاملات کی فکر
	باب ششم	۲۲۲	اتباع سنت
۲۸۱ — ۲۹۷			باب پنجم
	(مرتبہ انسانیت)	۲۳۹ — ۲۴۶	
۲۹۷	ایک انقلاب انگیز دت		(وفات)
۲۹۸	خالق کی نظر خاص	۲۳۹	نماز جنازہ اور تدفین
۲۷۰	امانت بخت	۲۴۷	اولاد و اعتقاد
۲۷۲	حاصل وجود	۲۳۸	ممتاز مریدین و خلفاء
۲۷۳	بار امانت	۲۳۹	تصفیات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	باب دہم	۲۷۲	ذرا خاک کا قبسال
۲۹۸ — ۳۱۲		۲۷۶	سزاگاہی کا حال
	(حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت)	۲۷۸	مسجود و محمود
۲۹۸	ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ	۲۷۹	دل آگاہ
۲۹۹	نبوت و ولایت سے افضل ہے	۲۸۱	شکستہ تر، عزیز تر
	انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی	۲۸۱	محبت کی فرمانروائی
۳۰۲	پوری زندگی سے افضل ہے		باب نہدہم
۳۰۲	انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب	۲۸۵ — ۲۹۵	
۳۰۳	شریعت کا لزوم و دوام		(تحقیقاتِ علومِ عالیہ)
۳۰۴	شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے	۲۸۳	بلند و لطیف علوم و مضامین
۳۰۵	بقا و شریعت کا راز	۲۸۳	وعدۃ الشہود
۳۰۵	ایک مبلغِ مثال	۲۸۶	غیر صفات میں ہے، نہ کہ ذات میں
۳۰۷	علماء اور مشائخ کا ملین کا اسوہ	۲۸۷	تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی
۳۰۹	شریعت کی شرط		خواہشاتِ نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں
۳۱۰	اتباعِ محمدی سے چارہ نہیں	۲۸۹	شکستگی مقصود ہے
	سلسلہٴ فردوسیہ کی اشاعت اور اس کے	۲۹۱	کرامت بھی ایک بُت ہے
۳۱۱	بعض مرکز	۲۹۲	کشوف و کرامات اور استدراج
	حضرت محمدؐ صاحبِ کعبہ کے بعض مددگار	۲۹۴	نفیلتِ خدمت
۳۱۲	ہندی فقرے	۲۹۵	نفس کی اصلاح کا معیار

پاۂ تازہ برا نگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرمِ خطرے از بغاوتِ خرد است
(اقبال)



حرفِ آغاز

الحمد لله وسلامه علی عبادہ الذین اصطفیٰ

الحمد لله کہ تاریخ دعوت و عزیمت کا قیصر احسنہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے
دوسرے اور تیسرے حصے کے درمیان اتنا طویل وقفہ پیش آیا کہ مصنف کی طبیعت افسردہ
اور شائقین مایوس سے ہو گئے، اس عرصہ میں مصنف کے کوتاہ قلم سے متعدد کتابیں نکلیں
اور شائع ہوئیں، جتنی تاخیر ہوتی جا رہی تھی اتنا ہی یہ اندیشہ بڑھ رہا تھا کہ خدا نخواستہ
یہ مفید سلسلہ بہت سے قدیم مصنفین کی اہم کتابوں اور خود اپنے بعض سلسلہ تصانیف
کی طرح ناتمام نہ رہ جائے، شاید ایسا ہی ہوتا اور کم سے کم یہ کہ یہ وقفہ طویل سے
طویل تر ہوتا، اگر اس میں ایک قابلِ صدا احترام اور واجب التعمیل اشارہ اور تقاضا
شامل نہ ہوتا۔

میرے مرتبی روحانی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہ نے تاریخ
دعوت و عزیمت کو بار بار سن کر اور بار بار اپنی مجالس میں پڑھوا کر تصنیف اور مصنف کی عزت و

بڑھائی، ان دو جلدوں کے بعد حضرت موصوف نے تیسری جلد کا تقاضا فرمایا اور اپنے خادم کو اس کی تکمیل کی بار بار ہدایت فرمائی، بارہا ایسا ہوا کہ میں باہر سے حاضر خدمت ہوا، تو پہلا سوال یہ ہی فرمایا گیا کہ تیسرا حصہ مکمل کر لیا؟ بعض مرتبہ میں نے اپنی ابھینیں عرض کیں، سننے ہی ارشاد ہوا کہ تیسرا حصہ تو مکمل ہی کر لیجئے! پھر جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حصہ سلطان الشائع حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی قدس اللہ سرہ کے تذکرہ پر مشتمل ہو گا تو اپنے تعلق ربوئی اور نسبت خاص کی بناء پر حضرت کی طرف سے اس کا اور بھی تقاضا ہوا، ادھر اس عاجز کا یہ حال ہو گیا تھا گویا اس نے قلم رکھ دیا ہے اور اس موضوع سے مناسبت جاتی رہی ہے، یہاں تک کہ جون لائے میں ایک بار جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت کی مجلس مبارک میں حضرت خواجہ کے ملفوظات کا وہ مجموعہ پڑھا جا رہا تھا، جو **فصل الفوائد** کے نام سے امیر خسروؒ کی طرف منسوب ہو کر لاہور سے شائع ہوا ہے، اور ایک عزیز دوست تحفہ لائے تھے، یہ مجموعہ ایسے غیر مستند مضامین اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے کہ اس کا سننا بھی تحقیقی اور تاریخی ذوق رکھنے والوں پر بلکہ مذاق سلیم پر سخت بار ہے، اسکی نسبت امیر خسروؒ کی طرف قطعاً مشکوک ہے۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز جنکے اور سلطان الشائع کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ اور وہ بھی حضرت چراغ دہلی کا ہے، اور جو اسی خانوادہ عالی کے چشم و چراغ اور محرم اسرار ہیں۔ صاف فرماتے ہیں کہ **فوائد الفوائد** کے علاوہ ملفوظات کے جتنے مجموعے مشہور ہیں باہر ہوائی ہیں۔ مجلس میں یہ کتاب پڑھی جا رہی تھی

لے "ملفوظات شیخ نظام الدین" کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آن عبارت ملفوظات دیگر کہ از ان شیخ مندرج است
جمہ باد جو ۱۱ است (جوانی اکلم ۱۳۵۵)

حضرت کبھی کبھی اس کے مضامین پر استعجاب کا اظہار فرماتے، نیمباز مگر دلنواز نگاہیں جو کبھی کبھی مصنف پر بھی پڑ جاتیں اشارہ اشارہ میں کہتیں کہ اگر کوئی مستند کتاب موجود ہوتی تو ایسی غیر مستند کتابوں کی کیا ضرورت تھی؟ یہ نگاہ دل میں تیر کی طرح پار ہو گئی اور وہیں دل نے فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں اس کام کو انجام دینا ہے، اور یہ ارمان پیش کرنا ہے۔

اس کام میں توقف ہونے کا ایک سبب راہ کی دشواریاں بھی تھیں، ہندوستان کے اولیائے کرام، داعیان اسلام اور مشائخ عظام کے تذکرہ میں بیشمار کتابیں لکھی گئیں، ان میں بڑی بڑی ضخیم تصنیفات بھی ہیں، لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کے لئے بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی ذہنی و فنی ساعی، ان کی تعلیم و تربیت کے نتائج، ان کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ حالات سبق آموز شوق انگیز اور ہمت آفریں ہوں، اور بحیثیت ایک علیل اللہ اور کامل انسان کے ان کے حالات منظر عام پر آئیں اور ان کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات صد ہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر بھی مواد حاصل نہیں ہوتا، عظیم ترین شخصیتوں کے تذکروں اور سوانح حیات میں اتنے بڑے بڑے خلا نظر آتے ہیں جن کو کسی قیاس اور عبارت آرائی سے بھرا نہیں جاسکتا۔ پوری پوری کتاب خوارق و کرامات بحیر العقول و واقعات اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے اور ضروری معلومات کا افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے مؤرخ کو (جس نے اپنی علمی اور تصنیفی ضرورت سے ہندوستان کی تاریخ کا ایسا وسیع مطالعہ کیا ہے جس کی نظیر دورِ حاضر میں ملنی مشکل ہے، اور اعیان و مشاہیر ہند کا تذکرہ آٹھ

شیخ شرف الدین عینی میری جو آٹھویں صدی کی دو نامور شخصیتیں اور عظیم الشان روحانی پیشوا اور مصلح ہیں، خاص امتیاز و انفرادیت رکھتے ہیں، کئی صدیوں تک کسی شیخ طریقت اور کسی دینی شخصیت کے حالات اتنی روشنی میں نہیں ہیں جتنے ان دونوں بزرگوں کے۔ یہ مواد اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتا ہے کہ وہ ان حضرات کے ملفوظات اور مکتوبات سے ماخوذ ہے یا معاصرین اور ان کے خدام و مریدین کی کتابوں سے، اس لحاظ سے مورخ کو یہاں کم سے کم دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انتخاب و تحقیق کا کام یہاں بھی ضروری ہے کہ واقعات و سنین میں سخت انتشار و تضاد نظر آتا ہے۔

لیکن ان دونوں شخصیتوں کے انتخاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان سے متعلق تاریخی مواد آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے، یہ بات اور بھی بہت سی شخصیتوں کو حاصل ہے، اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ہندوستان میں (جو ساتویں صدی کے بعد سے عالم اسلام کا مرکز اعصاب اور ایجاد تجدید کی تحریکوں کا منبع ہے) ان دونوں حضرات نے روحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی، اور اپنے زمانہ اور بعد کی نسلوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

حالات و تعلیمات کے انتخاب میں مصنف نے ہمیشہ ان اجزاء و مضامین کو اہمیت دی ہے جو اس نسل کے لئے مفید سبق آموز، قابل تقلید عام فہم اور دلنشین ہوں، اور جن سے غلط فہمی اور غلط روی کا کم سے کم اندیشہ ہو، وہ خود بھی فلسفہ الہیات اور فلسفہ اخلاق سے کم مناسب رکھتا ہے اور اپنے قارئین کو بھی اس امتحان میں ڈالنا نہیں چاہتا، اس نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبت، درد و سوز، جذبہ اتباع سنت، عزیمت طہوہمت، ذوق دعوت و تبلیغ، اصلاح اعمال و اخلاق، اور صحیح علوم و دینی حکم و معارف ان بزرگوں کا

اہل جوہر اور ان کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ راقم سطور نے سیرت سید احمد شہید کے مقدمہ میں اپنے مسلک کی معذرت اور وضاحت کرتے ہوئے ایک شعر لکھا تھا جو صورت حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، اسی کا اعادہ یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے

جو نیچے دل میں وہی تنکے لئے

شاید مصنف کی دوسری ذمہ داریاں اور نہ ختم ہونے والے مشاغل اتنی جلدی کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دیتے اور اس میں مزید تاخیر ہوتی، مگر اپنے وطن (رائے بریلی) کی سبکی کے سیلاب نے ایک گاؤں (میدان پور) میں ٹھوکر کے اس سامان فراہم کر دیا کہ جو کام ہمینوں میں ہوتا وہ خدا کی مدد سے چند ہفتوں میں ہو گیا۔ واللہ جنہ التعمات والادمن۔

مصنف کا اخلاقی فرض اور احسان شناسی ہے کہ وہ اپنے محبین و معاونین کا شکریہ ادا کرے۔ قدیم مآخذ میں مصنف سب سے زیادہ سید اکمل و لیاء کے مصنف اور خود اور فوائد الفواد کے مصنف امیر حسن علاء بخاری کا ممنون احسان ہے کہ انھوں نے حضرت خواجہ نظام الدین کی سوانح حیات و تعلیمات کا سب سے زیادہ مفصل اور مستند مواد فراہم کیا۔ حضرت مخدوم الملک بہاری کے حالات میں سیرۃ الشرف سے بڑی مدد اور رہنمائی حاصل ہوئی اور اس سے قدیم تر مآخذ کا پتہ چلا۔ مولانا سید مناظر حسن گیلانی کی تصنیف اور مضامین ہمیشہ کی طرح بڑے مفید اور مددگار ثابت ہوئے، کاش انکو دونوں حضرات کی مکمل سوانح حیات مرتب کرنے کا موقع ملتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مجموعہ سے فطری مناسبت اور ذوق اور تاریخ ہندوستان کا وسیع علم عطا فرمایا تھا، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی کی بیش قیمت تصنیف نزہتہ النواطر نے حسب معمول تاریخ و تذکرہ

کے ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کا کام دیا، اور مصنف نے اس سے اس طرح مدد لی اور بار بار رجوع کیا جیسے کوئی طالب علم لغت اور دکنی سے بار بار مدد لیتا ہے، اس موضوع پر وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ان کی نظر کتنی وسیع و عمیق تھی اور ان کا انتخاب مذاق کتنا پاکیزہ اور شائستہ ہے۔

اپنے معاذین میں ناچیز مصنف جناب مولوی سید نجم الہدیٰ صاحب ندوی دکنی و سنوی اور عزیز گرامی مولوی مراد اللہ صاحب میری ندوی کا ممنون ہے جنہوں نے حضرت مخدوم الملک کی سوانح حیات اور تصنیفات میں سے بعض نادر چیزیں فراہم کیں۔ عزیز مولوی شاہ شبیر عطاء ندوی سلمہ (جن کو تاریخی و علمی ذوق اپنے نامور والد سے ورثہ میں ملا ہے) سے بھی بعض ضروری معلومات کے حصول میں مدد ملی۔ عزیز سعید مولوی سید مشتعل علی ندوی بھی مصنف کے شکریہ کے بڑے مستحق ہیں مصنف نے کتاب کا بڑا حصہ املا کیا اور ان عزیز نے بڑی ہمت اور محنت سے لکھا۔ مولوی اقبال احمد صاحب غفلی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بھی وقتاً فوقتاً مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں اور عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرماوے اور ان کے عمل کو قبول کرے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ اَوَّلًا وَآخِرًا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ

وَسَلَامٌ

ابوالحسن علی

مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ

لکھنؤ

{ تصنیف ۱۳۸۲ھ
۱۳۸۳ھ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اول

ہندوستان میں حشّی سلسلہ اور اسکے اکابر شیوخ

عالم اسلام کا نیار و حانی و فکری مرکز | پچھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے اس صدی کے

آخر میں وسیع اسلامی دنیا میں ایک ایسے نئے وسیع ملک کا اضافہ ہوا تھا جو قدرتی خزانوں اور انسانی صلاحیتوں سے مالا مال تھا اور جس کے لئے مستقبل قریب میں اسلامی دعوت کا نا لکیر مرکز اور اسلامی علوم کا محافظ و امین بننا مقدر ہو چکا تھا۔

اس صدی کے اوائل میں نیم حشّی تاتاریوں نے عالم اسلام پر یوروپائی طرح پورش کی ملک کے ملک اُن کی بربریت اور وحشیانہ مظالم سے تاراج اور بڑے بڑے نامی گرامی شہر جو کبھی علم و تہذیب کے علمبردار اور مدارس و خانقاہوں سے یکسر گلزار ہو رہے تھے بے چراغ ہو گئے، شہروں کا امن و سکون، زندگی کا نعم و نسق اور شرفاء کی عزت و ناموس خاک میں مل گئے، بخارا، سمرقند، تہران، ہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم اور بالآخر مرکز خلافت دارالاسلام بغداد اس فتنہ جہاں سوز

کی لپیٹ میں آگیا اور قدیم تہذیب کا مدفن بن کر نہ گیا، اس بلائے ناگہانی سے عالم اسلام کی چولیس
ہل گئیں، اور پوری قدیم اسلامی دنیا پر سیاسی زوال اور فکری و علمی اضمحلال کے سیاہ بادل چھا گئے،
اس وقت اس پورے عالم اسلام میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جو اس فتنہ عالم آشوب
سے محفوظ رہ گیا تھا۔ یہاں تازہ دم قوی اور پرجوش ترکی نسل خاندانوں کی حکومت تھی جو اُن
تاتاریوں اور مغلوں سے بخوبی پنجہ آزمائی کر سکتے تھے اور اپنی ایمانی قوت اور نئے اسلامی
جوش کی بناء پر جنگی قوت اور شجاعت میں نہ صرف اُن کے حریف بلکہ اُن سے فائق تھے، تاتاری
اور مغل ہندوستان پر بار بار حملے کرتے رہے اور سپاہ ہوتے رہے، صرف سلطان علاء الدین خلجی کے
عہد میں چنگیزی مغلوں نے پانچ بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ پہلا حملہ ۶۹۶ھ میں ہوا، چوتھے دور
پانچویں حملے میں سلطان کی طرف سے ملک تغلق (ملک غازی) نے جو ہر مردانگی دکھائے اور
مغلوں کو اس طرح شکست فاش دی کہ۔

”دراں روز باز مغول را موس ہندوستان بردل سر دشمن و
دندان طبع کند گشت“ (اُس دن سے مغلوں کی ہندوستان کی ہوس
سرد ہو گئی، اور اُن کے دندان جرمیں آرز ہمیشہ کے لئے کھٹے ہو گئے)۔

ان خصوصیات کی بناء پر عالم اسلام کے بہترین خاندان جن کو اپنا ناموس اور ایمان
عزیز تھا اور بہترین دل و دماغ جو اپنے بد قسمت وطن میں سکون و اطمینان سے محروم ہو گئے
تھے۔ ہندوستان کے جدید دارالامن اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئے۔ لائق ترین
انساں اور شریعت ترین خاندانوں کا یہ سیلاب ایران، ترکستان و عراق کی طرف سے بار بار

اُمّت تار ما اور اُن کی وجہ سے دہلی ایک بین الاقوامی شہر اور رشک بغداد و قرطبہ بن گئی، نہ صرف دہلی بلکہ
ہندوستان کے دو سکر شہر اور قصبے شیراز و مین کی ہمسری کرنے لگے۔ مورخین ہندوستان منیا، الدین
برنی وغیرہ جب ان شریف و نجیب خاندانوں، اساتذہ وقت، علماء و نامدار اور مشائخ کبار کی فہرست
سناتے ہیں جو فتنہ تاتاریں ہندوستان ہجرت کر کے آ گئے تھے اور ہنگامہ درس و تدریس اور
ارشاد و تلقین گرم کئے ہوئے تھے، نیز جنہوں نے سلطنت کی نازک ترین ذمہ داریاں نبھال رکھی
تھیں، اور ملک کی زریب و زینت کا باعث تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالم اسلام کا
جو ہر شرافت و فضیلت یہیں آگیا تھا۔

اس انقلاب سے ہندوستان نہ صرف عالم اسلام کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا، بلکہ
تاریخ کا صاف اشارہ تھا کہ وہ اسلام کی فکری و روحانی قوت، علمی تحریکات اور احیاء و
تجدید کا نیا مرکز بن رہا ہے، اور فکر اسلامی اور دعوت و مسیحیت کے مورخین کو اب مسلسل کئی صدیوں
تک اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور یافت نئی دنیا،
اسلامی ہند کے معمار کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگرچہ

پہلی صدی ہجری میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے نے شروع ہو گئے تھے اور ۱۲۰۰ھ میں
محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا، اور
اس برصغیر (ہند) میں جا بجا داعیان اسلام کے مرکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح
قائم ہو چکی تھیں جیسے۔ ع
بیساباں کی شہ تار یک میں قندیل بہانی

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندر اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر اور شکم و سبیل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے جتنے میں تھی اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی دایمانی فتح حضرت خواجہ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتی (م ۶۲۷ھ) کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے، اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہونچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصہ ہے۔ شکلاً اللہ مساعیہم۔ لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پورا نصب کرنے کیلئے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمت الہی نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔ وَذَٰلِكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ۔

ان اسرار الہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پاسکتی، چشتیوں پر اس ملک کا حق ہمسائیگی بھی تھا، ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پاتا تھا۔ اپنے درد مند مزاج اور نسبت عشقیہ کی بناء پر بھی جو سلسلہ چشتیہ کا سرامیہ ہے اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل حیرت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشق الہی کا پتھر بنا لینا آسان تھا کہ زمانہ قدیم سے محبت و درد اس سرزمین کے خیر میں ہے۔

غرض یہاں معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بناء پر ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق قدرت الہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کے لئے اس سلسلہ کا انتخاب فرمایا، اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رخ کرنے کا اشارہ دے بھی ہوا، سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزمیت ڈالی

وہ خواجہ ابو محمد چشتی تھے، جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی۔ مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں: —

وقت کہ سلطان محمود بغزو سومات
جس وقت سلطان محمود سومات کی طرف
رفتہ بود خواجہ رادر واقعہ نمودند کہ
گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد کو اشارہ غیبی ہوا
بمدگاری دے باید رفت، دین ہفتاد
کہ اس کی مدد کیلئے جائیں، وہ شتر برس
سالگی باور دینے چند متوجہ شد چوں
کی عمر میں چند درویشوں کیساتھ روانہ ہوئے
آں جا رسید، نفس مبارک خود با مشرکان
اور وہاں پہونچ کر بنفس نفیس جہاد میں
و عبودہ، اہنام جہاد کرد۔
شرکت فرمائی۔

۱۷ خواجہ ابو محمد چشتی (م ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ) خواجہ ابو احمد چشتی کے فرزند و خلیفہ تھے، جو خواجہ ابو الہی غنی کے خلیفہ اعظم اور خواجہ ناصر الدین ابو یوسف کے شیخ و مرشد تھے، خواجہ ناصر الدین ابو یوسف خواجہ قطب الدین مودود کے شیخ ہیں، اور وہ حاجی شریف زندی کے۔ حاجی شریف زندی کے خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ان کے خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔

۱۸ سلطان محمود نے سومات پر حملہ ۱۱۷۷ھ میں کیا، اگر خواجہ ابو محمد کا سنہ وفات مذکورہ بالا صحیح ہے تو اس سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ غالباً مولانا جامی کی مراد علاء ہندوستان سے ہے انھوں نے اس کو علاء سومات سے تعبیر کیا ہے کہ ہندوستان سے باہر سب سے زیادہ اسی کا نامہ کی شہرت ہوئی۔ سومات پر حملہ کرنے سے پہلے ہندوستان پر محمود کے ۸ حملے ہو چکے تھے ان میں سے کسی حملے میں (غالباً کہ پہلے حملے میں) شیخ ابو محمد ساتھ رہے ہوں گے۔

لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ
استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کیلئے
مقرر تھی، خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکز رشد
ہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ شیوخ خواجہ معین الدین بھری کیلئے مقدر ہو چکا تھا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اصل وطنی نسبت بھری ہے، جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے
منجھری بن گیا۔ قدیم مسودات و اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں بھری ہی لکھا اور بولاجاتا تھا۔ بھری نسبت
بھتان کی طرف ہے۔ قدیم جغرافیہ نویس عام طور پر اس کو خراسان کا ایک حصہ مانتے ہیں، موجودہ زمانے میں
اس کا اکثر حصہ ایران میں شامل ہے، اور باقی افغانستان میں۔

اس علاقہ کا پایہ تخت زرنج تھا، جس کے کھنڈراب زاهدان کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں
بھتان کے حدود و غزنین تک تھے۔ (حسن التھاقیم)

بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک بھری، بھتان کے ایک خاص مقام کا نام ہے، جس کی طرف نسبت بھری
آتی ہے کبھی کبھی پورے بھتان کی طرف بھی بھری کہہ کر نسبت کرتے ہیں۔

جغرافیہ خلافت شرقی کے مصنف حمی بن ابی اسریخ نے ۲۲ صفحوں میں بھتان کا جغرافیہ بیان کیا ہے،
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیستان فارسی لفظ سنگستان سے ماخوذ ہے، عرب اسے بھتان کہتے ہیں۔ اس ملک
کی زمین نشیب میں ہے اور پھیل کر صحرے کے گرد اور اس کے مشرق میں واقع ہے۔ دریائے ہند اور جس قدر دریا
اس پھیل میں گرتے ہیں ان سب کے ڈیلٹا اسی زمین میں پڑتے ہیں۔

فارسی میں سیستان کو نیمروز یا جنوبی ملک بھی کہتے ہیں، اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یوں بیان ہوئی ہے
کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے۔

قدیم تر مورخین (جن میں بلقات نامری کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمان جو زبانی بھی شامل ہیں)
جو حضرت خواجہ کے کسین معاصر ہیں) کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ سلطان شہاب الدین غوری کے اُس لشکر
کے ساتھ تھے جس نے والی اجمیر کے تھور اور پرتھوی راج کو شکست دی، اور ہندوستان کی فتح کی تکمیل کی،

لے قاضی صاحب کی ولادت ۵۸۹ھ میں ہوئی۔

لے پرتھوی راج یار نے تھور (۱۱۷۵-۱۱۹۲) سویشور کا بنایا تھا، جو اجمیر کے چوہان حکمران خاندان کے بانی اور بانی
کافر زناد اس خاندان کے نامور فرمانروا اگرچہ راجہ کتھوکیل دیو کا بھائی تھا۔ سویشور کا دہلی کے تومرا چوتھے
خاندان اور اجمیر کی چوہان شاخ پر کیاں اقتدار تھا۔ سویشور دہلی کے آخری تومرا فرمانروا اندپال (اننگ پال) کا بیٹا تھا
اور اس رشتہ سے پرتھوی راج دہلی کے آخری فرمانروا کانواسہ پوتا تھا۔ اندپال کی کہلی اولاد زینہ تھی اُس نے پرتھوی راج
متبھی کیا تھا، اس کے انتقال پر دہلی کی سلطنت پرتھوی راج کے حصے میں آئی اور اجمیر کی سلطنت اس نے اپنے باپ سویشور
سے وراثت میں پائی، اس طرح وہ راجپوتوں کی دو طاقتور مرکزی سلطنتوں دہلی و اجمیر کا مالک ہوا، چونکہ اجمیر سے
اس کا آبائی اور وطنی تعلق تھا اور وہ اُس کی دادھیالی گدی تھی اس لئے اغلب ہے کہ اس کا زیادہ تر قیام اجمیر میں
رہتا تھا اس وجہ سے اجمیر اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔ پرتھوی راج اپنی ذات
بڑا حوصلہ مند، پھلا، فنون سپہ گری میں طاق اور بہادر راجپوت تھا اس نے بہت سی جنگوں میں نمایاں فتوحات
حاصل کیں، جنہوں نے ایک صدی تک اس کے نام کو زندہ اور روشن رکھا۔ قنوج کے راجہ چند کی بیٹی کو
سویشور سے بے آنے کی وجہ سے وہ مہن داستانوں اور نظموں کا ہیرو بن گیا جو اب تک شمالی ہند میں گائی
اور پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی سپہ گری، حوصلہ مندی اور فتوحات کی بنا پر ہندوستان کے دور آخر کے بہادر
راجپوتوں اور طاقتور فرمانرواؤں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، لیکن اس کی آخری شکست اس کی عظمت پر
پردہ ڈال دیا، اور تاریخ ہند نے اس کا قصور معاف نہیں کیا۔ ۵۸۷ھ میں (تقریباً ۱۱۹۱ء)

اس فتح میں ان کی دغاؤں، توجہات اور دھانیت کا بہت بڑا حصہ تھا۔

بعد کے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان راجپوتوں سے لڑتے رہے۔ یہ ابتدائی سینیں ہی میں اجیمیر میں جو اہم وقت راجپوت طاقت و حکومت اور ہندو مذہب و دھانیت کا بہت بڑا مرکز تھا، قیام اختیار کیا۔

(۱) کا بغیر جاگیر جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا، پرتھوی راج نے ترائن (حال ستونڈی) کے مقام پر جو تھانہ سر سے پھیل کے فاصلہ پر واقع ہے، ایک منظم فوج کے ساتھ بڑی بھاری سے مقابلہ کیا اور سلطان کی شکست فاش دی۔ اگلے سال ۱۱۹۲ء میں سلطان نے بڑی تیاری اور نئے عزم کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا، پرتھوی راج تیس لاکھ سوار اور تیس ہزار باہمی میدان میں لایا۔ ۱۵۰ راجپوت راجگان اپنی فوجوں کیساتھ تھے۔ پرتھوی راج نے شکست کھائی، مگر فساد ہوا اور قتل کیا گیا اور اس طرح راجپوتوں کی آزاد سلطنت اور ہندوستان کی قدیم فرما روائی کا خاتمہ ہوا۔ (پروفیسر ایسٹوڈی پرشاد اور دوسرے مورخین باختصار)

۱۰ لہ بھارت نامہ ص ۱۰۰ - ذرہ مشہ - منتخب مشہ

۱۱ لہ راجپوتوں کے بھیل شمال ہندوستان کے ایک مشہور مذہبی تہذیب کا تھی جس کی باتا کے لئے دودھوڑ سے لوگ آتے تھے، اسکی بھیل کو جو مذہبی تقدس حاصل تھا اس میں صرف اہل سرود کی بھیل اس کی ہمسری کر سکتی ہے۔
ہندوؤں کے بھیل کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ برہمن نے یہاں بگ کیا، اور یہاں پر سرسوتی اپنے پانچ دھاراؤں سے برکت ہوتی ہیں۔ (راجپوتوں کی گزیر مشہ)

فرمایا تھا۔ ابھی غوری کے حملوں نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا تھا، اور اس کی ترک تازیانہ شمال مغربی ہندوستان تک محدود تھیں کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ رائے پھولانے کسی مسلمان کو (جو غالباً اس کے دربار سے متعلق تھا) اذیت پہنچائی، حضرت خواجہ نے اس کی سفارش کی، پھولانے نے شکریہ ادا کر دیا تو بہن امینہ جواب دیا اور کہا کہ یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور ایسی اونچی اونچی باتیں کہتا ہے جو کسی نے نہ دیکھیں نہ سنیں۔ حضرت خواجہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: "ہم نے پھولانے کو زندہ گرفتار کر کے (محمد غوری کو) دے دیا۔ اس کے بعد ہی محمد غوری نے حملہ کیا، پھولانے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔"

بہر حال واقعہ کی جو ترتیب ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عموماً دھانیت و استحکام سے بیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و دھانی مرکز اجیمیر کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، یہ فیصلہ ان کی بھولوبھائی مالی تہمتی اور جرات ایانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایان مذہب و فاتحین عالم کی تاریخ میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اعلا میں ان کے توکل و اعتماد ان کے زہد و قربانی اور ان کے مدد و سوز سے ہندوستان کے لئے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو سرزمین ہزاروں برس سے صحیح عقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید کی صدا سے نا آشنا تھی وہ علماء و اولیاء کی سرزمین اور علوم اسلامیہ اور کمالات دینیہ کی گھاٹا و امین بن گئی، اور اس کی فضا میں اذانوں سے اور دشت و جبل اللہ اکبر کی صداؤں اور اس کے شہر و دیار قال اللہ و قال الرسول کے نغموں سے ایسے گونے کہ صدیوں سے عالم اسلام گوش برآوردست۔ (جہانے را در گون کر دیک مرد خود آگاہ ہے۔)

سیلا دلیا کے صنعت نے بڑی صداقت و بلاغت سے لکھا ہے :-

ملکت ہندوستان تاحد برآمدن آفتاب ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی
ہمدیا کفر و کافری دبت و بت پرستی بود کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی اہل ترد
و متردان جند ہر کے دعوائے انارتکہ اعلیٰ انارتکہ اعلیٰ کی صدا لکھا ہے تھے
می گردند و خدائے راجل و علا شرک یک میگفتند اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو
شک و کلون و دار و درخت دستور و گاؤں شرک کرتے تھے اور اینٹ پتھر
سرگس آں را سجدہ فی گردند و ظلمت کفر درخت جانور گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے
فصل دل ایشان منظم و محکم بود۔ کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک او
ہمد غافل از حکم دین و شریعت متغفل تھے بسبب دین و شریعت کے حکم سے
ہمد بے خبر از خدا و پیغمبر غافل و خدا و پیغمبر سے بے خبر تھے نہ کسی نے
نہ ہرگز کے دیدہ ہنجا رقبہ کبھی قبلہ کی سمت پہچانی نہ کسی نے
نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا سنی آفتاب اہل یقین
وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدین کے قدم مبارک کا
بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار اس ملک میں پہونچنا تھا کہ اس ملک کی
بنور اسلام روشن و منور گشت۔ ظلمت نور اسلام سے مبتدل ہو گئی
از تیغ ادب کاسے صلیب و کلیا ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر
دردار کفر مسجد و محراب و منبر است شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر
آہنجا کہ بود نعرہ و فریاد شرکاں نظر آنے لگے بوفضا شرک کی صداؤں
اکنوں خروش نعرہ اللہ اکبر است سے معمور تھی وہ نعرہ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

و ہر کہ ازین دیار مسلمان شد و تار و زیارت اس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی
مسلمان خواہ شد و فرزند ان ایشان اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے
توالد وادتنا سلوا است مسلمان خواہند مشرت ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی
بود و آں طائفہ را کہ بتیغ اسلام از اولاد و اولاد اولاد نسل بد نسل سب ان کے
دار حرب در دار اسلام خواہند آورد نامہ اعمال میں ہوں گے اور اس میں قیامت
الی یوم القیمہ ثوابات آں بسا رگاہ تک جو بھی اعانہ ہوتا رہے گا اور دارالوفا کا
باجاہ شیخ الاسلام معین الدین جن جوہا وسیع ہوتا رہے گا قیامت تک اس کا
قدس اللہ سرہ العزیز رہتا بعثت حضرت ثواب شیخ الاسلام معین الدین جن جوہی
اور اہل و متو اہل خواہند بود کی روح کو پہونچتا رہے گا۔
انشاء اللہ العزیز

اس طرح ہندوستان اور ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ ب
چشتیوں اور ان کے مخلص و عالی ہمت بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حسنت او
کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا
حق قدیم ہے، مولانا غلام علی آزاد نے صحیح لکھا ہے :-
لا شک بزرگان چشت عنبر شریعتی اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگان سلسلہ
است قدیم بر ولایت ہند چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے
اور صاحب سیر الانظار کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے :-

بادشاہوں کی قدر دانی و جوہر شناسی کی وجہ سے دوسری طرف تاتاری حملوں کی بناء پر علماء و مشرفاء و اہل کمال کا ہجوم وادی بن گیا تھا، اور عالم اسلام کا جوہر وہاں منتقل ہو رہا تھا۔

سلطان شمس الدین التمش نے شایان شان پذیرائی کی، آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا، اور سلطان کی کسی پیشکش ردیدہ و جاگیر کو قبول نہ فرمایا، اور پہلے کیلو کھری میں پھر ملک عز الدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ و درویشانہ زندگی اختیار کی۔ سلطان برابر عقیدت کیساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اس کی عقیدت برابر ترقی کرتی رہی، اہل شہر کا ایسا رجوع عام ہوا کہ شیخ الاسلام وقت شیخ نجم الدین صغریٰ کو کبیدگی اور شکایت پیدا ہو گئی۔ حضرت خواجہ معین الدین اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدین نے جو ان کے قدیم دوست تھے شکایت کی، حضرت خواجہ نے اپنے مرید رشید سے فرمایا:۔

بابا بختیار ہم کیا رنجیں مشور شدی کہ بابا بختیار اتنی جلدی ایسے مشور ہو گئے کہ
خلق از دست تو شکایت کردن گرفت بندگان خدا کو تم سے شکایت پیدا ہونے لگی
ازیں جابر خیزہ دراجیر بیا و فشیں من یہاں سے چلو اور اجیر آؤ وہاں قیام اختیار
پیش تو بایستم۔ کر دین تمھارے سامنے (خادمانہ کھڑا ہوں)۔

شیخ نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالی مرتبت شیخ کو فرمانا چاہئے جو کمال اخلاص و ربانیت کو پہونچ چکا تھا، مردانِ راہ و دواصلین بارگاہِ ادنیٰ مخلوق کی شکایت و آزر دگی کو گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیدگی کو، پھر آپ مرکز اسلام میں انتشار و پراگندگی کو پسند نہیں کرتے تھے جس کا اس رنجش سے خطرہ تھا، آپ نے لطیف طریقہ پر تنبیہ بھی فرمادی کہ اگر یہاں کے اہل فضل

تمھاری قدر و منزلت اور مقام سے واقف نہیں تو میں تو واقف ہوں اور یہ کہ یہاں خادموں و مخدوم و شیخ و مرید کا کوئی امتیاز نہیں وہاں تم خدو مانہ رہو گے میں خادمانہ۔۔۔ خواجہ قطب الدین نے وہی جواب دیا جو ایک مرید رشید کو دینا چاہئے تھا، عرض کیا:۔

مخدوم مرا چہ محل آں باشد کہ پیش خدو ما میں تو آپ کے سامنے کھڑے ہونے کا
مخدوم تو انم ایستاد فلیکف بنشینم۔۔۔ بھی اہل نہیں بیٹھنے کی کیا مجال؟۔

شیخ نے، جیسے چلنے کا حکم دیا اور مرید صادق بے چون چا و بلا تامل تیار ہو گیا، لیکن جب شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ مقبولیت و ہر دلعزیزی من جانب اللہ ہے اس میں نفسانیت و انانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ ان کے مرید رشید نے ساری دلی کو اپنا عاشق و پروانہ بنا لیا ہے:۔

شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجیر گردید خواجہ قطب الدین اپنے شیخ کیساتھ بیٹھوا
ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی سوراقتاد ہوئے اس اطلاع سے سہر دہلی میں ایک شو
ہمراہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین برابر ہو گیا، اہل شہر مع سلطان شمس الدین
و بنال برآمدند ہر جا شیخ قطب الدین شہر سے نکلی کر آپ کے پیچھے ہوئے یہاں
قدم می گذاشت ملائق خاک آں زمین خواجہ قطب الدین کا پاؤں پڑتا تھا لوگ خاک پاؤں
بر تبرک برمی داشت و نہایت اضطراب تبرک بنا کر اٹھا لیتے تھے لوگ بڑے بے قرار
و زادی می نمودند۔۔۔ آواز زادی میں مصروف تھے۔

ایک دل کو خوش کرنے کے لئے اور ایک جزیی صحت کی خاطر لاکھوں بندوں کے دل کو بخور و زخمی کرنا جائز نہ تھا، مرید رشید کو اجیر بھاننے کا ارادہ فسخ کیا، اور فرمایا:۔

باب اختیار ہمیں رہا اسلئے کہ خدا کی اتنی
بیرون آمدن تو در خطر اب خراب است
رواندم کہ چندی دہا خراب و کباب
باشند برواں شہر را در پناہ تو
گنہ اشتیم لہ
تھاری پناہ میں چھوڑا۔

سلطان شمس الدین نے جس کا دار الحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جارا تھا شیخ کا شکر یہ ادا کیا اور
خواجہ قطب الدین شہر دہلی واپس آئے اور خواجہ معین الدین اجمیر واپس ہوئے۔

خواجہ قطب الدین نے دہلی واپس آکر اور اپنے بوریائے فقر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت کا کام انجام
دینا شروع کیا۔ انھوں نے "سرکار دربار" سے مضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا اور نہ صرف اس کو اپنی زندگی کا
مہول بنایا بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنادیا کہ فقر و استغنا کے ساتھ اور "دربار" سے دور رہ کر اپنا کام
کرنا ہے، لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب اُن کے عقیدت مند
ملقہ گوشش تھے

جنگل عالم از سد و دامہ دغا گوفا
ساری دنیا ایمان و اکابر دغا گوئی اور
رہے خدا بندہ
نیاز مندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدین ہفتہ میں دو بار حاضر ہوتا اور اخلاص و محبت کا اظہار کرتا۔ دہلی میں
جو نہ صرف ہندوستان کا بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت و تجدید اسلام کا
پیام کو تھا اور جہاں عالم اسلام کے ممتاز ترین علماء و اساتذہ سادات و شرفاء اور مشائخ و

۱۰۰۰ سالہ یادگار ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء

اہل سلسلہ اور دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے۔ اشاعت طریق و تربیت قلوب و زہنی ابھرتی
ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامن فقر و استغنا کو ذرہ برابر آلودہ اور ترکے بغیر
انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا اور اس کے لئے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی ٹھیک روی
اور ٹھیک گامی کی ضرورت تھی جس کے کسی شے کو ٹھیس نہ لگے۔ خواجہ صاحب نے بڑی کامیابی
اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دشوار کام کو انجام دیا۔ اُن کو اس خدمت کے لئے طویل زمانہ
نہیں ملا، اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے ۵۰ سال وہ زندہ رہے لیکن ان کی ذات سے ہندوستان
میں نہ صرف سلسلہ اچشتیہ کی بنیاد پڑ گئی، بلکہ جن مقاصد عالیہ کے لئے حضرت خواجہ معین الدین نے
ہندوستان کو اپنے قیام اور کام کے لئے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کیلئے نمودار ہو گئے۔

ابھی اُن کی عمر ۵۰ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشق و محبت آگہی کی وہ آگ جس کو
انھوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید اور ہدایت و تربیت خلق کی مصلحت سے غلوب کر رکھا تھا
بھڑکی، اور جذب آگہی کا غلبہ ہوا۔

صدائے تیغ تو آمد بزم زندہ دلاں

کدام سر کہ در و ذوق این سرود نہاند

ایک مرتبہ شیخ علی سکرچی کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی، قوال نے شعر پڑھا۔

گشتگان خیر تسلیم را

ہر زمان از غیب جانے دیگر است

۱۰۰۰ اگر حضرت خواجہ معین الدین کا نہ وفات ۱۰۰۰ء ہی تسلیم کر لیا جائے تو خواجہ قطب الدین کو ان کے بعد صرف ۶ سال ملے ہیں۔

۱۰۰۰ بسن تذکرہ میں سکرچی ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء ۱۰۰۰ء

خواجہ قطب الدین پروردگاری ہو گیا، غافلہ سے قیام گاہ پر تشریف لائے وہی مدہوشی اور تیر کا عالم تھا، اسی شرکی فرمائش تھی، فرمائش کی تعمیل کی جاتی تھی، چار بار روز عالم تیر میں رہے، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہوش آجاتا، نماز ادا کرنے، پھر اسی شرکی فرمائش کرتے، شعر پڑھا جاتا اور عالم تیر میں چلے جاتے پانچویں رات کو انتقال کیا۔ یہ واقعہ ۶۳۲ھ کا ہے۔

انتقال سے پہلے عید کے روز عید گاہ سے قیام گاہ کی طرف واپس آ رہے تھے کہ ایک ایسے میدان سے گزر رہا تھا جہاں کوئی قبر یا آبادی نہ تھی، خواجہ وہاں ٹھہر گئے، اور دیر تک کھڑے رہے کسی خادم نے عرض کیا کہ یہ عید گاہ ہے اور خلعت منظر آجے یہاں کیوں توقف فرمایا؟ ارشاد ہوا: "مرا زین میں بوئے دلہامی آید" (مجھے یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے)۔ دوسرے وقت زمیں کے مالک کو بلا کر اپنے صرب خاص سے اس کو خرید فرمایا، اور اس کو اپنے دفن کیلئے تجویز کیا، وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ کے خلفاء کی تعداد (جن کے نام تذکرہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں) ۱۰۹ سے کم نہ تھی، لیکن آپ کی جانشینی اور حضرت خواجہ عین الدین کے کاموں اور مقاصد کی تکمیل و توسیع کی سعادت حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے حصے میں آئی۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر جس طرح حضرت خواجہ عین الدین ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے موئسس بانی ہیں خواجہ فرید الدین اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدم ثانی ہیں۔ آپ ہی کے خلفاء، سلطان المشائخ حضرت خواجہ

۱۰ سیر الاولیاء بر دایت حضرت خواجہ نظام الدین۔

۱۱ بعض تذکروں میں ۶۳۲ھ بجائے ۶۳۳ھ کے۔

۱۲ سیر الاولیاء بر دایت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (رحمۃ)۔ اب یہ جگہ قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے۔

نظام الدین دہلوی اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابر پیران کلیرنی کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا، اور ان کے خلفاء و اہل سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ و قائم ہے۔

نم و نھانہ باہر و نشان است

حضرت خواجہ کا نام سعود لقب نسریہ الدین تھا عام طور پر گنج شکر کے لقب سے مشہور عالم ہیں۔ آپ نسباً فاروقی ہیں جد بزرگوار قاضی شعیب تاتاریوں کے جنگاں میں کابل سے لاہور تشریف لائے۔ کچھ عرصہ قصور میں قیام فرمایا، قصبہ کھینوال کی قضاۃ و جاگیر عطا ہوئی۔ یہیں ۶۵۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ صغریٰ میں ملتان کا سفر کیا (جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا عسلی و دینی مرکز تھا) شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب "الشافع" پڑھی وہیں ۶۵۵ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی زیارت ہوئی اور ان سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ فرید الدین آپ کے ایسے گردیدہ ہوئے کہ تسلیم کے سلسلہ کو خیر باد کہہ کر ہر گاہ کہہ جانے کا عزم کیا، شیخ کامل نے منع کیا اور تکمیل کی ہدایت کی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جا کر علوم کی تکمیل کی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے شیخ نے ان کے قیام کیلئے غریب دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی جہاں وہ بیاہنت و بجاہ سے میں مشغول ہو گئے، سلوک کی تکمیل کے بعد

۱۰ اس لقب کی حقیقت و تاریخ میں مختلف اقوال ہیں یقین کیساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

۱۱ راحت المثلوب میں جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اس سفر اور دوسری سیاحتوں کی بڑی تفصیل موجود ہے۔

۱۲ لیکن چونکہ اس کتاب کی نسبت صحیح نہیں ہے اس پر اعتقاد نہیں کیا گیا، بعض دوسری کتابوں میں بھی بعض دوسری

تفصیلات ہیں۔

خوف سے مراد ہوئے اسٹاک کی اہلالت سے ان کی تمام اختیار کیا جو ان کے ایک شخص (جو بعد میں
خلیفے کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خطیب ہانسی کا وطن تھا شیخ کا انتقال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے
انتقال کے تیسرے روز دہلی پہنچے، مزار شیخ پر فاتر پڑھی۔ قاضی حمید الدین ناگورکی نے شیخ کی
وصیت کے مطابق ان کا حرقہ اور دوسری امانتیں سپرد کیں یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخ نے
مدگان پڑھ کر اس کو زب تن کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد شیخ کی جانشینی اور شہرہ و ذہن کا ایک آٹھٹے قدیم و معتد
نہرنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا بخاویوں نے اندبجانے نہیں دیا، معتقد ہیں و خدام
کے ہجوم سے اس کو ملاقات میں نہ آئی، منتظر تھا کہ ایک روز حضرت شیخ باہر تشریف لائے، سر درگاہ
قد میں پر گر گیا، ارد گرد کر کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے لیا کرتا تھا، اب
یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں! شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور مجھے کہ تنبیہ غیبی ہے، دہلی میں سکون
عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں، اپنی مزید کیسل و ترقی مطلوب تھی، آپ نے اسی وقت اپنے
دوستوں نے کہا کہ میں ہانسی ماؤں گا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدین نے تو آپ کو اس جگہ پر
بٹھایا ہے آپ کہاں جاتے ہیں؟ فرمایا کہ: میرے اپنی امانت سپرد کر دی ہے، شہر میں رہوں یا
بیابان میں وہ ساتھ ہے۔

انسی کا قیام اسلئے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گناہی ہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدین کے
ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنہوں نے اہل ہانسی کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دیا) آپ کی
شہرت چھو گئی اور حشاق نے جوم کیا۔ آپ نے کینوال کا رخ کیا جو وطن قدیم تھا۔ کینوال طعان سے

قریب تھا اور ان کی شہرت اور عظمت کا آواز وہ آب و ہوا و مہم دور رہا تھا۔ آپ نے اجماع میں کو اپنے قیام
کے لئے انتخاب فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ: وہاں کے لوگ دیر اعتقاد اور نا آشنا ہیں اور جبکہ بھی غیر مرد ہے
لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوع شروع ہو گیا، اور علاقہ نے ہر طرف سے جوم کیا آخر شہرت و عظمت
نصف النہار پر تھا اور اس کی شعلیں دور دور پہنچ رہی تھیں، اور طالبین حد کے قلوب کا گرم کر دے
کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں میں مرجعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو
نہ آتا، آدمی رات تک دروازے کھلے رہتے۔

ابتداء قیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عسرت و فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گذاری۔ بیوہ کے چل
اُبال لئے جاتے اور ان میں کہ نہک ڈال کر فقر کو تقسیم کر دیے جاتے اور خود بدلت اپنے نمائوں اور خادموں
کے ساتھ تناول فرماتے۔ تو کئی تجربہ کار یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ افطار کیلئے فقیر اُٹھایا فرمایا:۔ اس میں کچھ
بے اہل معلوم ہوتی ہے؟ خادم نے عرض کیا کہ: نہک رہتا، ایک دانگ کا نہک قرمن بسک ڈال دیا فرمایا:۔
تم نے بے اصولی کی۔ میرے لئے اس کا کھانا رو انہیں کچھ سروسہ کے بعد یہ حال ہو کہ دن رات طبع شاہی
گرم رہتا اور آدمی رات گئے تک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا، جو آتا اس خوانِ نعمت سے حصہ پاتا۔
جو شخص بھی آتا کہے باشد اپنا حصہ پاتا۔

شفقت و ولاری سب کے ساتھ یکساں تھی، حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ:۔ محبوب قوت
اور عجب طرز زندگی تھا جس کا تختی کسی سے ہونا آسان نہیں۔ نئے کئے دے جو کبھی نہیں آئے،
اور بر سوئی کے ساتھ بہنے دے سب کھان لطف و ہر بانی اور توجہ و التفات کے ساتھ پیش آئے،

مولانا بدر الدین اسحق فرماتے ہیں کہ: میں خادم خاص تھا جو بات کہنی ہوتی مجھ سے فرماتے تھے، خلوت و خلوت میں یکساں حال تھا، ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا۔

ایک بار سلطان ناصر الدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اودھ اور ملتان کے سفر میں ہمراہ تھا، خواجہ کی زیارت کیلئے اجماعاً حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ:-
”ہجوم کا بوسے باہر تھا، آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہ کے پیراہن کی آستین بالاخانہ سے لٹکادی، اہل لشکر آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہو گئی۔
موجودہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ:- میرے گرد حلقہ بنا لو، کوئی اس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے۔ لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔
ایک ایک ہو کر حاضر اش حلقہ توڑ کر اندر آ گیا اور شیخ کے پاؤں پر گر گیا، پاؤں پکڑ کر بوسہ لیا اور کہا:-
”شیخ فرید! تنگ آ گئے، اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا اس سے زیادہ مشکریہ ادا کرو، شیخ نے یہ سن کر
نعرہ مارا، اودھ اس فریاد کو بہت نوازا، اور اس سے معذرت کی۔“

سلطان ناصر الدین نے خود معاضری کا قصد کیا۔ نائب السلطنت غیاث الدین بلبن نے جو ہمراہ تھا، عرض کیا کہ:- لشکر بہت ہے اور اجماعاً ایک لے آئے گی، اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور جہاں پہلہ کی طرف سے معذرت اور ہدیہ و فتوح پیش کروں۔ چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لے کر حاضر ہوا، اودھ نقد اور فرمان پیش کیا، شیخ نے فرمایا، ”یہ کیا ہے؟“
غیاث الدین نے کہا کہ:- ”یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمان سلطانی، شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ:-

نقد تو ہم کوئی دوا اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں، یہ کہہ کر ساری رشتہ
اُسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی۔

سلطان غیاث الدین حضرت سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا، دہلی کی سلطنت کا حصول بھی
حضرت کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا،
حضرت خواجہ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے ہمراہ سے ایک سفارشی رقم لکھا، جو سفارش و بے نیازی کا
عجب مجموعہ ہے، فرماتے ہیں:-

”میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے
پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دینگے تو حقیقی عطا کرنا والا اللہ تعالیٰ
ہی ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے، اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع
اللہ تعالیٰ ہوگا آپ معذور ہوں گے۔“

حضرت شیخ فرید الدین کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے
دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور وہ ان کے پورے مرتبہ شناس اور قدر دان تھے، شیخ الاسلام
شیخ بہار الدین زکریا ملتانی جو سلسلہ سہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین علما
پیشواؤں اور داعیوں میں گذرے ہیں، ان کے ہم عصر تقریباً ہم عمر تھے، دونوں کے بڑے
مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے، اور آپس میں بہت دھچپ اور بے تکلفی کی خط و کتابت
ہوتی تھی۔ شیخ فرید الدین شیخ بہار الدین کو شیخ الاسلام کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔

دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگداشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلام کے پوتے شیخ زکین الدین ابو الفتح اور شیخ کبیر کے خلیفہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔

حضرت خواجہ فرید الدین کی زندگی کا اہل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وہ ذوق و شوقِ درد و عشق اور جذبِ آسمانی و خداستی ہے جس نے حضرت خواجہ نظام الدین و حضرت علاء الدین علی رضا بیسے عاشقوں اور درویشوں کی تربیت کی اور جو اوجدھن کی اس دکانِ عشق کا خاص سودا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیر (حضرت خواجہ فرید الدین) حجرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ متغیر، حجرے میں والہانہ کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے۔ ۱۰

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم خاک کے شوم و زیرِ پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی از بہر تو میرم از برائے تو زیم
(میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جوں خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گزرے، بخجہ مسکین و بیچارے کا دونوں جہان میں مقصود آپ ہی ہیں آپ ہی کے لئے بیتاب ہوں، آپ ہی کے لئے مرنے والوں)۔

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے، پھر یہی شعر پڑھتے تھے اور حجرے کا چکر لگاتے تھے پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے، دیر تک یہی کیفیت رہی۔ ۱۱

خشیت و رقت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز وقت خیر بات سننے یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا یا کسی بزرگ کا کوئی مؤثر واقعہ سننے تو بے اختیار روتے، بعض اوقات دھاڑیں مار مار کر روتے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا اور دونوں چیزوں (روزہ اور حفظ قرآن) کی اپنے خلفائے خاص و مریدان بااختصاص کو وصیت تاکید فرماتے تھے۔ سماع کا بڑا ذوق تھا، کسی نے کہا کہ علماء کو اس میں اختلاف ہے، فرمایا:۔

سبحان اللہ کے سوخت و خاکستر شد سبحان اللہ ایک جلا بھی اور راکھ بھی ہو گیا
دیگرے ہنوز در اختلاف است دوسرا بھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔

ساری زندگی کا اصول اہلِ دول و اربابِ حکومت سے بے تعلقی، کنارہ کشی، اختلافِ حال اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخِ کرام کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت اور طریقہ کی اشاعت کا راز سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے۔ ان کے ایک برادرِ طریقت شیخ بدر الدین غزنوی نے (جو حضرت خواجہ قطب الدین کے خلفائے کبار میں سے تھے) بعض اعیان سے خصوصی تعلق رکھا تھا، اور اُس نے ان کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور ان کی مخصوص طریقے پر خدمت کرتا تھا۔ انقلابِ روزگار سے جب وہ امیرِ عتاب شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت و کلفت پیش آئی، آپ نے شیخ کبیر سے دعا کی درخواست کی، شیخ نے جواب میں لکھا کہ:۔

”جو اپنی روش پر چلے گا وہ عمر در ایسی حالت میں گزارے گا جس سے ہمیشہ

بے چین رہے گا، آپ تو پیرانِ پاک کے معتقدین میں ہیں پھر ان کی روش کے غلام خانقاہ کیوں بنو، اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدین

حضرت خواجہ عین الدین کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دوکان جائیں، ان کا شیوہ تو گناہی و بے نشانی تھا۔

ابن کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوع عالم اور امر و نواہی کی سختی کے انتقال سے پہلے پھر حضرت اور تنگی کا دور شروع ہو گیا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین فرمایا کہ۔

”حضرت شیخ شیوخ العالم کو آخر عمر میں کہ انتقال کا زمانہ قریب تھا تنگی پیش آئی، میں ماہ رمضان میں موجود تھا اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا کہ موجود لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا، کسی رات بھی میں نے انہوں میں ہلکا کھانا نہ کھایا، سامان بھی جو دیکھنے میں آتا تھا جہت معمولی اور ہلکے نام تھا، میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرت نے خرچ کے لئے مجھے ایک سلطانی عطا فرمایا۔ اُس روز مولانا بدر الدین اسحقی کے ذریعہ پیغمبر ہنپا کہ آج توقف کریں کل جائیں، جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، مجھے معلوم ہوا تو میں حضرت شیخ کی خدمت میں گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا، اجازت ہو تو اُس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے، حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دُعا میں دی۔“

صاحب سیر الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین کی روایت سے وفات کا سال اس طرح بیان کرتے ہیں :-

۱۰۰۰ھ (غالباً ۱۰۰۰ھ کا دوسرا)

۱۰۰۰ھ سیر العارفین ۱۰۰۰ھ

۱۰۰۰ھ سیر الاولیاء ۱۰۰۰ھ

”محرم کی پانچ تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی، عشا کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہو گئی، ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا تو دریافت کیا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے۔ فرمایا دوبارہ پڑھ لوں کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بے ہوش ہو گئے، اس مرتبہ بیہوشی زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دوبارہ پڑھ چکے ہیں، فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں، کون جانے کیا ہو؟ تیسری مرتبہ پھر پڑھی، اس کے بعد واصل بحق ہوئے۔“

تاریخ وفات ۵ محرم روز شنبہ ۱۰۰۰ھ ہے۔ (جو دھن دھن) میں مدفون ہوئے، بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔

حضرت خواجہ کے پانچ فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں، فرزندوں کے نام یہ ہیں: شیخ نصر الدین، شیخ شہاب الدین، شیخ بدر الدین، شیخ سلیمان، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب۔ صاحبزادیوں کے نام: بی بی مستور، بی بی قاطرہ، بی بی شریفہ۔

۱۰۰۰ھ سیر الاولیاء ۱۰۰۰ھ صاحب سیر الاولیاء نے متعدد مقامات پر ۱۰۰۰ھ کے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو حضرت خواجہ کی زندگی سے متعلق ہیں، بعض مقامات پر حضرت خواجہ نظام الدین کی تحریر کا حوالہ ہے کہ حضرت خواجہ نے مجھ سے یہ فرمایا، ظان ہدایت کی، اگر ان میں کو صبح تسلیم کر لیا جائے تو سنہ وفات ۱۰۰۰ھ جو عام طور پر مشہور اور زیادہ تر کتابوں میں مذکور ہے شکوک ہو جاتا ہے، اور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت خواجہ کی وفات اس کے بعد ہوئی، بعض دوسری کتابوں میں بعد کے سنیں درج ہیں ان میں قرین قیاس ۱۰۰۰ھ ہے، جو خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ بمز الواسعین و تذکرۃ العاشقین درج ہے۔ ۱۰۰۰ھ

حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ان کے تیسرے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمان باب کے سجادہ پر بیٹھے، ان کے فرزند و سجادہ نشین شیخ علاء الدین وجود دہنی تقدس ذاتہ میں مشہور تھے۔
مختلف بھی ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے روحانی سلسلہ کی طرح حضرت خواجہ کی اولاد اور خاندان کو بھی بڑی برکت عطا فرمائی، ہندوستان کے مختلف حصوں میں یہ خاندان آباد ہے اور بالعموم فریدی کہلاتا ہے۔

حضرت خواجہ کے خلفاء میں پانچ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں: شیخ جمال الدین ہانسی، شیخ بدر الدین آغی، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ علی احمد صابر، اور شیخ عارف۔

شیخ جمال الدین (احمد بن محمد) خطیب ہانسی حضرت خواجہ کے بڑے عزیز خلیفہ و معتمد خاص تھے انھیں کی خاطر حضرت خواجہ نے ۱۲ سال ہانسی میں قیام فرمایا تھا، آپ جب کسی کو خلافت نامہ لکھ کر دیتے تھے تو فرماتے تھے کہ ہانسی جا کر شیخ جمال الدین کو دکھا دینا، اگر شیخ جمال الدین صادر فرماتے تو آپ بھی اس کو قبول کرتے اگر وہ منظور فرماتے تو آپ بھی منظور فرماتے، اور فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا سیا نہیں جاسکتا فرماتے تھے کہ جمال میرا جمال ہے۔

شیخ جمال الدین نے اپنے شیخ کی زندگی میں ۶۸۹ھ میں انتقال کیا شیخ قطب الدین نور (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے عزیز خلیفہ) ان کے پوتے ہیں۔

شیخ بدر الدین آغی بن علی سادات بخارا میں سے تھے حضرت خواجہ فرید الدین کے خلیفہ خادم اور داماد تھے حضرت خواجہ نظام الدین ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنے شیخ کی صحبت و تعلیم کا نمونہ تھے۔

۱۵ سیر الاولیاء ۱۹۳

۱۶ نزهت الخواطر ماخوذ از سیر الاولیاء و اخبار الاخیار وغیرہ۔

آنکھیں ہمیشہ پر آب رہتی تھیں، رقت کا بڑا غلبہ تھا جس سے ضعف بصارت ہو گیا تھا کسی نے کہا کہ آپ ذرا آنسو روکیں تو میں آپ کے استعمال کے لئے سرمہ بنادوں؛ فرمایا کہ آنکھوں پر میرا قابو نہیں ان کی عبادت و ریاضت کو دیکھ کر شیخ کبیر کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ نہایت جید الاستعداد اور فاضل اجل تھے۔ مدت تک دہلی کی مشہور درگاہ مدرسہ معزیہ میں درس دیا، تکمیل علم کیلئے بخارا تک کا سفر کیا، فارسی و عربی میں بے کلف و آبدار شعر کہتے تھے، مضامین علیہ کو نظم کرنے کی خاص قدرت تھی، صرفت کے مسائل میں ایک مظلوم رسالہ ہے۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے امام نماز تھے انھیں کے صاحبزادے تھے، ۶۹۰ھ جہادی خراسانی ۶۹۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ عارف کو حضرت خواجہ نے خلافت دے کر سیستان روانہ کیا تھا، انھوں نے حضرت خواجہ کو خلافت نامہ واپس کیا اور عرض کیا کہ یہ کام بہت نازک ہے، یہ سبکین اس کا عظیم کابل نہیں، مجھے آپ کی دعا و عنایت کافی ہے، پھر آپ کی اجازت سے حج بیت اللہ کو گئے اور واپس نہ آئے۔
شیخ کبیر علاء الدین علی بن احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے، ترک و تجرید اور زہد و مجاہدہ میں انکی نظیر نہ تھی پیران کلیر میں عرصہ تک عبادت و افادہ میں مشغول رہ کر ۱۳ ربیع الاول ۶۸۹ھ یا ۶۹۰ھ میں وفات پائی، حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے۔

۱۷ نزهت الخواطر ج ۱۔

۱۸ سیر الاولیاء ۱۸۳ و ۱۸۵

۱۹ نزهت الخواطر ج ۱۔ عجیب بات ہے کہ شیخ علی احمد صابر کے حالات سے معاصر تذکرے اور تاریخیں خاموش ہیں سیر الاولیاء میں امیر خور نے ان کا تذکرہ نمنا اس طرح کیا ہے کہ (بقیہ ۳۵ پر)۔

سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین پہلے چشتی شیخ ہیں جن کے اثرات انکی زندگی میں سارے ہندوستان میں پھیلے اور جنہوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ اور ہر طبقہ کو متاثر کیا، اور حکومت سے لیکر عوام و غربا تک کو اپنے حلقہ عقیدت و اثر میں لیا، اسی کے ساتھ وہ

(۱) کا بقیہ حاشیہ اشعبد الحق تھوٹ دہلوی کو شہید ہے کہ یہ حضرت شیخ علی احمد صابر پیران کیری کا تذکرہ ہے یا اسی نام کے کسی اور بزرگ کا امیر خود کہتے ہیں :-

بندہ از خدمت والہ خود رکتہ اللہ علیہ سلام دارد	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ
کہ دیشے بود بزرگ صاحب نعمت کہ اورا شیخ	ایک عالی مرتبہ درویش تھے جن کو شیخ علی صابر
علی صابر تھوٹ دے حد دوشی تھے ثابت و نفی	کہتے تھے حد دوشی میں راج اور صاحب نسبت بنائے
گیرا دشت و ساکن قہر دگری بود و پیوند بخدمت شیخ	قہر دگری کے رہتے والے تھے۔ حضرت شیخ
شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز داشت	فرید الدین سے نسبت ارادت رکھتے تھے، اور
اور از حضرت شیخ شیوخ العالم اجازت بیعت بود (۱)	آپنے ان کو اجازت بیعت دے رکھی تھی۔

معاصر یا زمانہ قریب کے تذکروں میں خواہ ان کا تذکرہ بالکل نہ ہو یا سرسری و مختصر ہو ان کے سلسلہ کے مشائخ کہا کہ حالات ان کا علوشان ان کے علوم و مقامات، اہل بصیرت کا اس سلسلہ کی مقبولیت پر اتفاق اور عالم میں اس کے فیوض برکت و آثار شاہد ہیں کہ بانی سلسلہ نہایت عالی مقام، عالی نسبت اور عند اللہ مقبول تھے، اس سے بڑھ کر خود تاریخ کی شہادت بھی نہیں چھوکتی اور نہ تاریخ کی یہ پہلی غفلت اور چوک ہے، زمانہ سابق میں بھی بہت سی باکمال شخصیتیں تاریخ کی تیز نگاہوں سے بچ گئیں اور زاویہ حمول میں رہیں۔

اس سلسلہ (صابر چشتیہ) میں بڑے نامور مشائخ، عارف و محقق و مصلح پیدا ہوئے مثلاً حضرت مخدوم احمد عبد الحق رودلوئی جن کی ذات بابرکات کو بعض اہل نظر نے نویں صدی کا مجدد بھی شمار کیا ہے (بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

ہندوستان کے پہلے شیخ طریقت اور مرشد روحانی ہیں جن کے حالات سب سے زیادہ تفصیل و وضاحت اور سچائی کے ساتھ ملتے ہیں، ان کے مشائخ نے نہ کوئی تصنیف کی نہ ان کے خلفائے اپنے شیوخ کے ملفوظات و معالات جمع کئے نہ انہوں نے اپنے شیخ کے ملفوظات و معالات کوئی مجموعہ تیار کیا، لیکن ان کے ملفوظات و معالات جمع کرنے کا

(۲) کا بقیہ حاشیہ) حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی، حضرت شیخ محمد شاد آبادی، شیخ العرب الدائم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی، آفتاب لاشار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، قاسم معلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی دار العلوم دیوبند) سکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت شیخ احمد مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری، حضرت شاد عبد الرحیم رائے پوری، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی، شیخ امجدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، ہمارے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ سے حفاظت و تجدید دین کا عالمگیر کام لیا، اور اس وقت سب سے زیادہ وسیع متحرک و فعال یہی سلسلہ دار العلوم دیوبند و مظاہر العلوم کی تعلیمی خدمت اور مولانا تھانوی کی تصنیفات و مواظبات اور پھر آخر میں مولانا محمد الیاس کی تحریک دعوت و تبلیغ سے اس سلسلہ کے فیوض عالمگیر ہوئے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں صبح لکھا ہے کہ :-

”گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اسلامی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاس نے کیا تھا“ (۲۳)۔

آج بھی رائے پور میں حضرت مولانا عبد القادر صاحب کی خانقاہ سلسلہ چشتیہ کی قدیم خانقاہوں کی کیسوتی، سرگرمی، یاد حق کی مشغولی اور در دو محبت کی گرم بازاری کی یاد تازہ کرتی ہے۔ (خاص ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد یہ خانقاہ بھی گزشتہ خانقاہوں کی فہرست میں شامل ہو گئی، کھل شئی حالک الاوجہ - عالم نشو ویراں تا مسکند آباد است

۱۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات خیر النجاس میں ہے :- فرمایا میرے حضرت (بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

خاص اہتمام کیا گیا اس سلسلہ میں دو بڑے قیمتی دستند ماخذ ہیں، ایک نوالہ الفواد جو امیر حسن علا
سجری (دم ۱۳۴۷ھ) کی تالیف ہے۔ حضرت خواجہ نے اس کو لفظاً لفظاً اور تحسین فرمائی اور حضرت خواجہ کے
اصحاب و خدام نے اس کی صحت کو عام طور پر تسلیم کیا اور حرجاں بنایا۔ دوسرا سیرالاولیا جو امیر خور دین محمد
بارک علی کرمانی (دم ۱۳۵۶ھ) کی تصنیف ہے۔ امیر خور دین خور دین ساگی میں حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور
ان کی صحبت کی سعادت حاصل کی، پھر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے رجوع کیا، ان کے والد
نور الدین مبارک بن سید محمد کرمانی (دم ۱۳۴۹ھ) حضرت خواجہ نظام الدین کے رفیق قدیم اور مخلص بے تکلف
دوستوں میں تھے اس کتاب میں زیادہ تر ان سے روایت ہے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی
سے بھی سنی ہوئی بہت سی باتیں درج ہیں، اپنے چشم دید حالات اور سنے ہوئے ملفوظات بھی ہیں،
حضرت خواجہ کے حالات و سوانح اور ان کے خلفائے کبار کے حالات و کمالات کا یہ مفصل دستند
ذخیرہ ہے۔ ان دو کتابوں کی وجہ سے خاص طور پر حضرت خواجہ کے حالات، ذوق، رجحان، طبع،
تعلیم و تربیت کے طریقے، اصلاحی و تبلیغی کوششیں، ان کے فیوض و برکات اور اثرات محفوظ ہو گئے
اور تاریخ کی روشنی اور گرفت میں آ گئے۔

(۴۹ کا بقیہ حاشیہ)

پیر و مرشد جناب سلطان الاولیا و قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی اس واسطے کہ
خدمت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور باقی خواجگانِ حشت
وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرے میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔ (سراج المجلدات ترجمہ خیر المجاہدین ص ۳۵)
۱۔ اس میں ۲ شعبان ۸۵۷ھ سے ۹ شعبان ۸۵۸ھ تک کی مختلف مجالس کے ملفوظات ہیں۔ ۱۲۔

اسی شخصیت کی عظمت و تاثیر اور کمالات و آخذ کی سہولت کی وجہ سے دعوت و عزیمت کی ایک مرکزی و
عہد آفریں شخصیت کی حیثیت سے ان کی ذات کو انتخاب کیا گیا کتاب کے آئندہ ابواب اسی اجمال
کی تفصیل کیے ہیں۔

— — — — —

باب دوم

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ

حالات و کمالات

نام و نسب محمد نام نظام الدین لقب دکنشیر عام والد ماجد کا نام احمد بن علی، سادات حسینی میں سے تھے، نام مال بھی سادات میں تھا، دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ بزرگ دہلوی ہم جد تھے اور دونوں بخارا سے تھے، کچھ قریب لاہور ہے وہاں سے بڑیوں آئے۔

۱۲۳۰ھ میں بڑیوں میں آپ کی ولادت ہوئی، بڑیوں (قدیم بڑوں) شرفاء و سادات کا قدیم مسکن تھا، بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کر لی تھی۔

۱۲۳۰ھ میں بخارا سے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سن کی تعیین کی ہے۔

سید بڑوں و وہیل کھنڈ میں دریائے سوٹھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے اس زمانہ میں بہت آباد (بقیہ صفحہ پر)

ابتدائی تعلیم و تربیت

حضرت نظام الدین پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے حجابے وقت کی ایک بڑی عمامہ اور بانہا خاتون

تھیں اس وقت تعلیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ محنت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک ان سے تعلیم حاصل کی، قدوری ختم کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستار فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ استاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا: بابا خاطر جمع رکھو میں اس کی تدبیر کروں گی۔ چنانچہ روٹی خرید کر

(۵۳۰ھ کا بقیہ عاشریہ) اور پُر رونق مقام تھا، اور دینی نمیلے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا۔ چنانچہ پرائی دہلی کے ایک دروازے کا نام دروازہ بڑوں تھا (نہجۃ الخواطر)۔

قدیم بڑوں کے موجودہ کھنڈ اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے رہے ہیں۔ ۱۱۹۶ھ میں سلطان محمد غوری کے جنرل قطب الدین ایبک نے اسے فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین انیش کو امیر بڑوں مقرر کیا۔

انیش نے یہاں ۱۲۲۲ھ میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی، جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اس سے ملتا ہے کہ دہلی کے دو بادشاہ انیش اور اس کا بیٹا کن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے بڑوں کے گورنر رہ چکے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بڑیل بڑوں)۔

منقول از مقالات دینی و علمی مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے۔ (جلد اول ص ۱۲)۔

۱۲۳۰ھ مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جمال الدین تبریزی کے مریدین میں تھے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر انشاء حال کا بڑا اہتمام تھا، صبر و رضا کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور اوقات عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول و مشغور رکھتے تھے۔ (نہجۃ الخواطر، بحوالہ فوائد الفوائد)۔

اُس کو کتوا یا اور بہت جلد گڑی تیار کر کے دی۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء و صلحاء وقت کی دعوت کی۔ خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزی نے ایک بیچ باندھا اور حاضرین مجلس نے علم نافع تکمیل کی دعا کی۔

فقروفاقہ اور والدہ کی تربیت | اس پھوٹے سے شریف گھرانے میں جو سالیہ پر رسی محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی حضرت خجستہ

فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے ہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سنکر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنگہ غلہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اُس سے روٹی ملتی رہی میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے ہمان ہیں، آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے ہمان ہیں یہ سنکر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔

شیخ کبیر سے مناسبت اور شبلی کشیش | حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا باڈہ سال کا رہا ہوں گا، یا کچھ کم زیادہ

اُس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابو بکر خیر اللہ کے نام سے مشہور تھا، ابو بکر قوال بھی کہتے تھے، میرے استاد کے پاس آیا، وہ ملتان جو کر رہا تھا، اُس نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہاء الدین کریمانی کے پاس سے آ رہا ہوں اُس نے ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے، کہ وہاں کے لوگ ایسے

۱۔ سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ۱۴۵۔ ۲۔ ایضاً ۹۷۔

۳۔ سیر الاولیاء (۱۳۱)۔

۴۔ شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی ذات ہے۔ ۱۲۔

ذکر شامل ہیں اور ارادہ و نوافل کا ایسا انہماک ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مائیں اور لونڈیاں بھی پچی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں، اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا، مگر کوئی چیز میرے دل میں نہ جچی، اسکے بعد اُس نے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا، وہاں میں نے ایسا بادشاہ دین دیکھا اُس نے شیخ الاسلام شیخ فرید الدین کا تذکرہ کیا، یہ سننے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی، اور ان کی محبت و ارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے اُن کا نام لینے میں مزا آنے لگا، اور میں ہر نماز کے بعد مزے لیکر اُن کے نام کی رٹ لگاتا۔

دہلی کا سفر | سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے۔

دہلی میں طالب علمی | آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا، یہ مدت تین چار سال کی تھی، دہلی میں اس وقت بڑے نامور استاد جمع تھے۔

یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہد حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہد وزارت تھا، اور دولاٹا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک تھا، جو کہ شمس الممالک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے، استاد الماساندہ کی حیثیت رکھتے تھے سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری و مشغولیت کے ساتھ اُس زمانے کے

۱۔ سیر الاولیاء (۱۳۱)۔ ۲۔ نوالہ الفوائد (۱۳۱)۔

۳۔ یہ سیر الاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے، اور حضرت خواجہ فرید الدین سے بیعت کی، بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر پچاس بیان کی ہے (سیر الاولیاء ۱۳۱) اسلئے سیر العارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ چھپیس سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لے گئے۔ ۴۔ ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی (۱۳۱)۔ ۵۔

۶۔ یہ صدر نمائندہ یا اکاؤنٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو دیا جاتا تھا۔ ۱۲۔

علماء کی طرح درس و تدریس کا شغل بھی جاری تھا، حضرت خواجہ اُن کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے۔

اُستاد کے محبوب

مولانا شمس الدین کو حضرت سے تعلق خاص تھا، اور وہ اُن کے محبوب ترین شاگرد تھے، آپ جس حجرہٴ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اُس میں کسی شاگرد کو

آنے کی اجازت نہیں تھی، مگر حضرت خواجہ اور اُن کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا تصویر اُتھا کہ آپ نہیں آئے؟ حضرت خواجہ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے مہتمم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی مزارع فرماتے تو کتنے کڑے سے کیا تصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی تصور کروں، لیکن مجھ سے ناغہ ہو جانا یا دیر میں جانا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرامیٹیں گے، لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے۔

آخر کم از آ کہ گاہ گاہ ہے آئی و بہا کنی نگاہ ہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحبِ ابدیدہ ہو گئے اور سب سُننے والوں پر رقت طاری ہو گئی، اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے، میں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے۔

علمی امتیاز و تفوق

حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت، مناجاتِ خدا داد اور محنت سے اپنے رکھار کے دریاں علمی امتیاز و تفوق پیدا کر لیا، علمی مباحثوں اور سوال جواب

میں (جو قدیم نظامِ تعلیم کا ایک اہم جز اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت بھی جاتی تھی) آپ کی ملاقبِ لسانی اور قوتِ استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لا جواب ہو جاتے اور محفل پر

آپ کے علم و ذہانت کا سکہ ٹیٹھ جانا چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام الدین بخت اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے۔

اُس زمانہ کے نصاب میں مقاماتِ حریری و قلمی، عام طور پر طلبہ حفظ مقامات اور اس کا کفارہ

اُس کے سمجھ لینے اور اس کے مشکل الفاظ و مفردات کے یاد کرنے پر اکتفا کرتے تھے، لیکن حضرت خواجہ نے اپنے علمی ذوق اور بلند ہمتی سے اُس کے چالیس مقامات حفظ کئے، بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب مشرق الانوار حفظ کی۔

آپ نے حدیثِ پیسے زمانہ کے مشہور محدث شیخ محمد بن احمد المارکلی مشہور کمال الدین (۱۰۸۳ھ) سے پڑھی، جو مصنفِ مشارق الانوار علامہ حسن ابن محمد القفانی کے

براہِ راست شاگرد تھے۔ فقہ میں اُن کو بیک واسطہ صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدین المہینانی سے تلمذ تھا، آپ نے اُن سے مشارق الانوار کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔

لے ایضاً (مشا)۔

لے سیر الاولیاء (مشا)۔

لے سیر الاولیاء (مشا)۔ اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں لفظ منقول ہے ۲۳ ربیع الاول ۱۰۸۹ھ

تاریخِ دوح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر (سنہ ولادت ۱۰۳۰ھ)

کے حساب سے ۴۳ سال تھی، اور یہ واقعہ شیخ کبیر کی وفات (۱۰۸۳ھ) کے تیرہ سال کے بعد اور اس وقت کا ہے جب آپ

سند ارشاد تربیت پر تھیں اور آپ کی شہرت دُور دُور پہنچ چکی تھی اجازت نامہ میں آپ کے لئے الشیخ الامام

العالم الناسا الشالک اور مقبول المشائخ الکبار منظور العلماء الاختیار البرار کے

الفاظ ہیں اس عمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصولِ اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور علم و محنت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قلب کی پچینی اور انجذاب الی اللہ حضرت خواجہ اگرچہ پوسے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے اور ان کی بلند ہمتی اور عزیمت اس سلسلہ میں کسی

کسلندی اور تساہل کی روداد نہ تھی لیکن دل کسی اور چیز کو ڈھونڈتا تھا اس بحث و مباحثہ اور علوم ظاہری کی فضائیں ان کی طبیعت متوحش ہو جاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کیساتھ نشست و برخاست کرتا تھا ہمیشہ دل پر گزنی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے چلا جاؤں گا، اگرچہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اکثر میری طبیعت متوحش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کتا کر میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا میں کچھ دن تمہارے یہاں ملاؤں میرا حسن علاوہ بھری فراتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا مقصد ہے۔ فرمایا: ہاں :-

والد صاحبہ کا انتقال دہلی کے قیام میں حضرت خواجہ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔

والدہ کی یاد ایک روز صبح کے بعد حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا۔ اسی حالت میں یہ شعر پڑھا :-

افسوس دہم کہ بیچ ہمہ نکر دہ : شہائے وصال را بہ زنجیر نکر دہ

والدہ کا یقین و توکل حضرت خواجہ فرماتے ہیں :- ایک دن نیابا نہ دیکھ کر حاضر ہوا اور قدیم بوسی کی آواز سننے پانہ کی مبارکباد و تعول کے مطابق پیش کی فرمایا کہ :- آئندہ ہمیں نہ کے جانے کے موقع پر کس کی قدیم بوسی کر دے :- میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے، میرا دل بھرا آیا اور میں رونے لگا

میں نے کہا کہ :- مخدومہ! مجھ غریب بچہ کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں :- فرمایا :- اس کا کل جواب نہ دے گی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا کہ :- جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو۔ ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا، آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ نبی بی تم کو بلا رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے :- کہا ہاں، جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ :- کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا اب میں اس کا جواب دیتی ہوں غور سے سنو، فرمایا تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے :- میں نے ہاتھ سامنے کر دیا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں آیا اور فرمایا :- خدا یا! اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جہاں بھی تسلیم ہوئیں :- میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جاتیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی بلکہ

ایک تمنا کے خاتم اس وقت دارالحکومت دہلی کی پوری فضا خاص طور پر طلبہ اور علماء کے تعلقے فضا واقعات کے تذکروں ان منصبیوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں اور مفتیوں کے

جہاد و جلال اور دولت و ثروت کے قصوں سے معمور و گرم تھے۔ حضرت خواجہ اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ روحانی استعداد کے باوجود اس وقت کم سن اور نوجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی تنگ مالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جہاد و منصب کا ولولہ اور اُمنگ پیدا ہوتی تو فطرت انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے اپنے ان شیخ نجیب الدین متوکل سے عرض کیا کہ دُعا کیجئے کہ میں قاضی ہو جاؤں شیخ نجیب الدین خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت خواجہ سمجھے کہ انہوں نے سن نہیں۔ دہلاؤ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ :- دُعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا :- قاضی مت ہو کچھ اور چیز ہو :-

اجودھن کی پہلی حضری

حضرت خواجہ اجودھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ کبیر کے
برادر حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے تھے اور

کچھ عرصہ اُن کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا، اُن کی صحبت اور گفتگو نے شیخ کبیر کے ساتھ محنت کی اس
چٹکاری میں جو کہنی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبیعت میں ودیعت تھی، اشتعال و حرکت پیدا کر دی
آپ نے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عزم کر لیا، اور بالآخر آپ انکی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ
طالب یا مطلوب؟ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی

یہ شعر پڑھا۔

لے آتش فراقت دلما کباب کردہ + سیلاب اشتیاق جانہا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ پابوسی کے اشتیاق کو جو عرصہ دراز سے بچپن کے ہوئے تھا ذرا تفصیل سے بیان کروں
لیکن شیخ کے رعب و بلال سے زبان اور قوت گویائی نے ساتھ نہ دیا، اتنا ہی کہ رکا کہ قد بوسی کا سخت
اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا: "نکل داخل دہشتہ" ہرنے
آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے۔

مرید کی خاطر

شیخ کبیر نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پر دینی طالب علم
کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ

جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گا۔ کتنے مضر فرمایا
کتنے حافظ کلام اللہ کتنے عاشقانِ خدا زمین پر سو رہے ہیں، میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منظم خانقاہ

لے فوائد الغواد (مٹا)۔

مولانا بدر الدین الحق کو پہنچی، انھوں نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تمہیں اپنے دل کی کرنابے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل
میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ فرمایا کہ جاؤ چارپائی پر سو۔

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ سے آئے تھے اُس کی تکمیل کی، اور
بیعت شیخ کبیر سے بیعت ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر بیش سال کی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی کچھ کتابیں بھی
سلسلہ تعلیم کا اجرا یا انقطاع؟ باقی تھیں جذب و خوں کا اتھنا تھا کہ اب اس سلسلہ کو

ختم کیا جائے، اور علم حقیقی اور معرفت حقیقی کی تحصیل میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد
اور یہاں کی حاضری کی غرض و غایت ہے، گویا سعدی کا یہ شعر حسب حال تھا۔

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست

علمی کہ رہ بحق نماید جہالت است

تعلیم و تعلم کا طویل طویل سلسلہ پہلے بھی قلب حساس اور رُوح بیدار پر بار تھا، لیکن اس کو ایک ضرورت
بسمہ کراہد اسلئے بھی کہ کوئی دوسرا راستہ سامنے نہ تھا اختیار کیا تھا، اب جبکہ یقین کا سرشتہ اور علم حقیقی کا
سر خمپر مل گیا اس سلسلہ دراز کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بار تھا، اور زبان حال کہہ رہی تھی۔

میری نظریں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب

مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم، نخیل بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ خود بھی کامل اعلم تھا، اور طریقت کی
بقدر ضرورت علم ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا، خود اس کے شیخ نے یہی ہدایت اُس کو کی تھی، پھر لانا تھا

لے ایضا (مٹا)۔

لے میرا اولیاء (مٹا)۔

سے ارشاد و تربیت کا جو مالگیر کام لینا تھا اس کی نازک ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے علم و اسع کی ضرورت تھی۔ یوں بھی صاحب نظر شیوخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ تم تسلیم ختم کروں، اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤ؟ شیخ کبیر نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں چھڑاتا، وہ بھی کرو یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی ہے؟ یہ بھی فرمایا کہ۔۔۔ درویش کو نھوڑا علم بھی چاہئے یہ

شیخ کبیر سے درس شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو بغیر نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ: نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین مہروردی کی تصنیف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اس کے پڑھائے، اس کے علاوہ تہذیب و شکور سامی بھی اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی۔ مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی اور چھ برس کا دل تجوید کے ساتھ پڑھائے یہ

درس کی لذت حضرت خواجہ زمانہ گزربانے کے بعد بھی اس درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے، فرماتے تھے کہ عوارف کے اس میں جو حقائق اور نکات حضرت کی زبان سے سُننے وہ ہم کبھی سُننے میں نہ آتے، بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجانی تو بڑا اچھا ہوتا۔

نہوڑا شیخ کی تربیت عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خطا بھی بائیں تھا، چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر

تامل ہوا، خواجہ نے (سادگی اور نو عمری میں) کہا کہ میں نے شیخ بحسب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا، نسخہ سقیم تھا، شیخ نے فرمایا: درویش راقوت قصیح نسخہ سقیم نیست، (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) ایسا شیخ نے یہ فقرہ دہرایا، خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے تو میں نے دوسرے ساتھی مولانا بدر الدین افغانی نے بتایا کہ خطاب تمہاری طرف ہے۔ حضرت خواجہ کے موثر اثر کے اندر میں نے "سرور ہند کرم" درپالے شیخ افنادم کہتے جاتے تھے۔ چنانچہ میرا اس سے حضرت پر تعظیم کرنا ہرگز مقصود نہ تھا، خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت کا لال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اُٹھ گیا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن میرا لمحہ پر گزرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو نہ ہو۔ پریشان باہر آیا، ایک مرتبہ تو میری چاہا کہ گنہ گاروں میں گر کر بان سے دوں لیکن کچھ سوچ کر باز با اسی پریشانی اور سرسنگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت روایا۔

شیخ کبیر کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا، انھوں نے شیخ کبیر سے خواجہ کا یہ حال کہا جو قصود تھا پورا ہو چکا تھا، عارضی کی عبارت محنت ہوئی، باکم مہر برقم مبارک آکر و در۔ معافی ہوئی۔ دوسرے روز طلبہ فرمایا اور ارشاد ہوا: یہ سب میں نے تمہاری تکمیل حال کیلئے کیا، ہر مشاطہ مرید ہوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا یہ

لے قواعد الفوائد (مشاء)۔ یہاں پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شیخ کمال نے تلید و رشید کی ایک معمولی سی اطلاع اور مدح و من پر اپنی رافز و خشکی ادا کر دی، بلکہ انہوں نے فرمایا اسلئے کہ میرا کہ خود شیخ کے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب آرزو کی تکلف اور طالب رشید کی ترقی باطنی اور خود شناسی کے لئے ہے، شیخ مجتہد و مخلص اس لئے اپنے اجتہاد سے مختلف ذرائع اختیار کر سکتا ہے اور اس کے لئے کسی تقریب و موقع کا بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ حضرت کعب بن لکھ کے اہلکے "وہ سہ" وہ "وہ سہ" کو تاہی پر جو ان سے بلا ارادہ سرزد ہوئی تھی جو سرزد ہونے لگی اور ان کے ساتھ جو روئے اختیار کیا، بفرقہ ہوتا ہے۔

فیصلہ کن موقع

حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ کبیر نے ان کے سر نہ تانا دینے پر کہہ میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بستر نسخہ دیکھا ہے: اپنی کبیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ایک بڑا نازک وقت تھا، بظاہر اس محسوس جملہ اور اطلاع پر کہ میں نے آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بستر نسخہ دیکھا ہے: اتنی نازنگی اور احتجاج کی ضرورت نہ تھی، لیکن شیخ کامل کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی تھی، اتنی خود بینی بھی گواہ نہ تھی، پھر اس بستر شد کو کمال حال کے جس مقام تک پہنچانا تھا اس کے لئے منظر ۱ و منظر ۲ شکستہ دلی و شکنجگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی، لیکن ایک ذہین اور صاحب استعداد توجہ ان کے لئے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا یہ وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن تھا اور اسی پر اس کے مستقبل کا انحصار تھا۔

مولا سید مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے:۔۔۔

”مصدق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا دنیا دیکھ رہی تھی۔ اب مولانا نظام الدین کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا بکات اور مغل شکن ہی کے لقب کو بیکر دیا ہے وہ پس پلے جائیں گے، بیسے لاکھوں ہی بکات و مغل شکن آئے اور چلے گئے، مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے، ورنہ سچ ہی ہے۔۔۔“

تو ہی ناواں چست کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

چند کلیاں جو اب تک ان کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک دی گئیں اور اپنی

(۲۵) کاغذہ (مشیر) اور کرا گیا اس سے بھی بدشگونی اور چٹائی حاصل کیا جاسکتی ہے۔۔۔

تنگ دامانی کے علاج کے آخری فیصلہ پر وہ ڈٹ گئے، ظنون کے چھوٹے ہونے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور میں نے غلطی ہی کیا کی ہے، ایک اچھے نسخہ کا علم تھا اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی؟ یہی شوشہ اگر سامنے آجاتا تو ہم ایسی لکیر بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطانی کی آنت بھی اس سے چھوٹی نہ ہو۔ رہا بے میں داعی تو اذن صحیح نہیں رہا ہے مزاج میں تندی اور غصہ سے آگے نہ کر اسی کو نفسانیت کا ثبوت بھی قرار دیا جاسکتا تھا بلکہ دین کی آڑ لیکر سلطان ہی چاہتا تو ”سود حسنہ بنویر“ کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کھوٹا بتا کر لوگوں کو دکھا سکتے لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے کے لئے آئے تھے شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج جو دین ان کے لئے مقصود نہ تھا، اس کوٹ کر چکے تھے کہ یہ علاج بطیب ہے، اس کے بعد تفسیر کا حق ان کے لئے باقی ہی کب رہا تھا۔

ایک رفیق کی ملا

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں جو دھن حاضر تھا، ایک عالم بھی جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ ذکر کرتے تھے جو دھن آئے انھوں نے جب مجھے پیچھے پڑنے پر زور میں دیکھا تو بڑی حیرت و ماسحت سے مجھ سے کہا: ”مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنایا ہے، اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان شوکت رکھتے، میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور ان سے معذرت کر دی، اسکے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے خود بخود فرمایا کہ: ”نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تمھیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے، اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا، اور یہاں اس حال

۱۵ ”ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت“ ۲۵ (۹۵-۹۶)۔

میں کیوں ہو تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا
اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا۔ ۵

نہ ہر ہی تو مرا راہ خویش گیر و برد : ترا سلامتی باد امرانگو نساوی

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ ہے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس بھاؤ
میں نے تعمیل ارشاد کی۔ میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا ڈرا اور میرے سر سے خوان اُتارا
اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصہ سنایا، اس نے یہ سن کر کہا کہ تمھارے شیخ ایسے ہیں کہ انھوں نے تم کو
بے نفسی کے اس مقام پر پہنچا دیا ہے، مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو، جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے
تو اپنے خادم سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں
ویسے ہی سر پر رکھ کر لے جاؤں گا، غرض ہم دونوں خدمت بابرکت میں پہنچے اور ہمارے دوست نے حضرت
کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کی، اور آپ کے علاوہ خادم میں داخل ہوئے۔

کتنے بار حضری ہوئی؟ حضرت خواجہ شیخ کبیر کی زندگی میں تین بار اجماع حاضر ہوئے، پہلی یا کسی اور
نامہری میں خلافت شریف ہوئے، تذکروں میں اسکی صراحت نہیں ہے۔

شیخ کی نوازشیں ایک ماضی میں ایک دن ۲۵ جمادی الاولیٰ کو نسا زجمعہ کے بعد طلبی ہوئی،
شیخ کبیر نے اپنا لعاب دہن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا، قرآن مجید کے حفظ کی دست

۵ سیر الاولیاء ۱۲۹ و ۱۳۰ ۵ خواجہ الفوار (۱۳۱۰م)

۵ یہاں سیر الاولیاء میں شریعت و متین و سمانۃ ۱۳۱۹ھ یا تو غلط درج ہو گیا تھا، ارتع و خمین ۹۹۰ھ ہے اسے کہ
شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں ۱۳۱۹ھ ہے، یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کا سنہ وفات ۱۳۱۹ھ ہے، جیسا کہ خزینۃ الاسماء
بحوالہ بحر المصلین و نہ رقا العاشقین درج ہے، بہر حال سیر الاولیاء کے ضمن میں تضاد ہے۔

فرمایا: فرمایا کہ خدا نے دین دُنیا تم کو دی، یہاں سب کچھ یہی ہے، دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا:۔
”برو ملک ہند گیر“ نظرتہ منک تکفینی ۵

رخصت اور وصیت فرمایا کہ دہلی جانا تو مجاہد میں مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (نفلی) اور ذکر کھنا نصف
راہ ہے، دوسرے اعمال نماز و حج (نفلی) نصف راہ۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور
قاضی منتجب کو دہلی میں دکھا دینا۔ ارشاد ہوا کہ تم ایک سایہ دار درخت ہو گے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام
پائے گی، استعداد کی ترقی کے لئے مجاہد کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ دہلی میں نے ہانسی میں شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھایا بڑا اظہارِ عزت کیا
اور یہ شعر پڑھا۔ ۵

خدا نے جہاں را ہزاراں پاس : کہ گو ہر سپردہ گو ہر شناس

ایک دُعا کی درخواست اسی ماضی میں یکم شعبان کو حضرت خواجہ کی طرف سے شیخ کبیر کی خدمت میں اس دعا
کی درخواست پیش کی گئی کہ: خلیق کے در بدر نہ پھرنا پڑے۔ درخواست قبول ہوئی

اور دُعا فرمائی گئی ۵

ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمھارے لئے تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے، خواجہ فرماتے ہیں کہ
میں پسند کرتا ہوں، کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب فتنہ میں پڑ گئے، میرا کیا حال ہو گا۔ شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ
تم فتنہ میں نہیں پڑو گے خاطر جمع رکھو۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔ ۵

۵ سیر الاولیاء (۱۳۱۰)۔ ۵ ایضاً ۱۳۱۰ و ۱۳۱۱ اس موقع پر سیر الاولیاء میں جو ۱۳۱۹ھ پھر دیا گیا ہے اسے متعلق اوپر
تفصیل دینی ہے۔ ۵ سیر الاولیاء (۱۳۱۰)۔ ۵ ایضاً (۱۳۱۰)۔

اجودھن سے دہلی کو خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مربی سے رخصت ہو کر ہندوستان کی تسخیر و معاشی اور دینی خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم و مقدس

مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک فقیر پرے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلام کی سب سے مکمل اسلامی سلطنت کے دار السلطنت کو بجا رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغناء عن الخلق کے کوئی زائدہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ مولانا سید مناظر حسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے: —

”ہند گیری کی عمر پر اجودھن سے ہند کے دار السلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوئے ہیں

جہاں نیچے سے اوپر تک بشمار جھوٹے آئینہ پر جمائے بیٹھے ہیں ان میں وہ بھی ہے

جس کی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے تن سے سرخدا کر دیتی ہے وہ بھی ہیں

جن کی نیاز مندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو امارت و دولت کے افلاک تک

پہنچا رہی ہے، گلی گلی میں عزت نسیم ہو رہی ہے، مناصب بٹ بسے ہیں

روپے لٹائے جا رہے ہیں گودیوں بھر رہی ہیں اور جن جن ذرائع سے یہ

مادی چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان انشاؤں سے لیس ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں

کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی مصلوں کی محض شکانی میں انکی عام شہرت

بڑھ چکی ہے۔ کچھ نہیں تو خدا کے عہد سے لیکر شیخ الاسلامی و صدر جہانی کی

خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پار ہے ہیں، لیکن اب خالق کی

سورت میں جو الا ان کو مل چکا تھا، سینہ اُسی کے وزن سے آٹنا مہو تھا کہ

کبھی مخلوق کی کوئی انجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی، قلب کی اسی کیفیت

کی تعبیر تھی جس کا اظہار وہی کبھی کبھی ان مشہور تیز اعصاب میں منسرایا

کرتے تھے: —

”ایمان کس تمام نہ شود تا ہمہ خلق

در نزدیکی او ہم چو اشک شتر نہ نماید“

مہلب مبارک میں دشت کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلامی کی خدمت

کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا، اپنی انھیں نمازوں کو چھوڑ کر

حصول عزت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات راوی ہیں کہ: —

دریں میان خواجہ ذکر اللہ بانیر

چشم پر آب کرد و لب مبارک را نہ

بسوز اول شیخ الاسلامی را، پس

خانقاہ را، بعد ازاں خود را۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجودھن سے روانہ

ہوئے۔۔۔۔۔ اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد

ہوئی تھی اُسی کے پایہ تخت میں آپ پہنچ گئے۔

تصفیہ حقوق شیخ کبیر نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی باریہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا، اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کرنا۔

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا کہ مجھے ۲ جیل ایک شخص کے دینے ہیں، اور ایک کتاب

میں نے کسی سے مستعار لی تھی وہ کھو گئی ہے، میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کر لیا تھا کہ میں جب دہلی

۱۔ سیرالاولیاء (۵۵)۔ ۲۔ ذوالنواذ (۵۴)۔ ۳۔ تنک کے (روبیہ) جو سٹھ جیل اور ایک ۴۔ جیل کے چار رفلوس یعنی دھیلے ۵۔ تاراج ہندوئی

پونچھ گاتوان اہل معاملہ کو رہنی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں ابودھمن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے
میں مبتل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا کسی وقت میں مبتل میسر پاس جمع نہیں ہوئے کہ
میں اس کو پونچھا دیتا، معاش کی بڑی تنگی تھی کبھی پانچ مبتل ہاتھ آئے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس مبتل ملے میں اس بزاز
کے دروازہ پر پونچھا اس کو آواز دی وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمہارے میں مبتل میسر ذمہ ہیں ایک مرتبہ تو
مجھے دینے کی قدرت نہیں یہ دس مبتل لایا ہوں اس کو ملے دس انشاء اللہ اسکے بعد پونچھا دوں گا۔ اس شخص نے
چنگا کہہ کر ان علوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آ رہے ہو اس نے وہ دس مبتل تو لے لئے اور کہا کہ میں نے
دس مبتل معاف کئے۔

اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی اس نے مجھے پچانا نہیں میں نے کہا کہ
صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی وہ کھو گئی اب میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا
میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پونچھا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے آ رہے ہو وہاں کا یہی
نتیجہ ہونا چاہیے اسکے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی ہے۔

خواجہ صاحب اہل دہلی بلکہ اہل ہند کی خدمت کے لئے جب دہلی پہنچے
دہلی کی قیام گاہیں تو باوجود اسکے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ محلوں اور یوانوں سے آباد تھا اور رو

نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں، خواجہ صاحب کے قیام کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جب تک کہ غیاث پور کا قیام
اختیار نہیں فرمایا، اپنے اتنی قیام گاہیں اختیار کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ
شہر میں اس فقیر کے لئے اپنا دویشا نہ مان رکھنے اور اپنا بوریہ کھانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔
میرالاولیاء کے مصنف میر خورداپنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہ کے دوست

اور رفیق تھے اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔
سید مبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں:-

تھنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں
نہ تھا اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔
جب آپ بڑا ہوں سے آئے تو سکر میاں بازار میں جس کو نمک کی سکر بھی
کہتے ہیں اترے والدہ اور ہمشیرہ کو وہیں رکھا اور خود ایک تو اس (دکان) گم
کی بارگاہ میں جو سکر نمک کے سامنے تھی مقیم ہوئے۔ ایتر خسرو کا بھی اسی محلہ میں
مکان تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد رات عرض کا مکان غالی ہوا اس کے روکے ملاؤں میں ملے
ایتر خسرو کی معرفت جو رات عرض کے نواسے تھے سلطان المشائخ کو یہ مکان قیام کیلئے
لی گیا، آپ دو سال اس مکان میں رہے یہ مکان شہر نہاؤ کے متصل مندر دروازہ
و مندر چل کے نزدیک تھا اس طرح سے کہ شہر نہاؤ کا برج اس عمارت کے اندر
آگیا تھا مکان کے ایوان و رواق بڑے بلند و شامدار تھے۔ اس عرصہ میں
مادت عرض کے روکے آگئے سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا۔
آپ کی کتابیں جن کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا اہم سرود پر رکھ کر چتھر والی
مسجد میں (جو سراج بقال کے سامنے تھی) لے آئے۔ دو سکر روز سعد کا خدائی
جو شیخ صدر الدین کے مریدین میں تھے یہ قصہ سنا اور سلطان المشائخ کے پاس آکر
بڑی عزت و توقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے گیا، بالاخانہ پر ایک بہت
اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی وہاں آپ کو ٹھہرایا سلطان المشائخ ایک ہینہ
وہاں ٹھہرنے اسکے بعد وہاں سے بھی اٹھے۔ رکابدار کی سکر میں جو قیصر مل کے

تصل تھی بسکے کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہوئے ایک شہر کے بعد
وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محمد سیوہ فروش کی دوکانوں کے
درمیان واقع تھا قیام اختیار کیا اس میان میں شمس الدین شراب ار کے لئے
اور اعتراف جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت تہ اور احترام کیجھا شمس الدین
شراب ار کے مکان میں لے آئے کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے
اس مکان میں بڑی راحت اور سکون خاطر میسر آیا

فہرہ وفا خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتداء تربیت کا وہ دور شروع ہوا جو اس اہ کے
سالکوں کو جو آگے چل کر مرج غلائق و سرچشمہ فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے
یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی اُمنڈ کر آ رہے تھے اور ازانی کا یہ
عالم تھا کہ ایک جیل میں دو سیر میہ کی پکی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں اور دو جیل میں ایک من خربوزہ
آجاتا تھا لیکن خواجہ صاحب کے فہرہ وفا کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں کہ بیسے پاس ایک دانگ بھی
نہ ہوتا کہ اُس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ و ہمیشہ اور گھر کے اُن لوگوں کو کھلاؤں جو
میری کفالت میں تھے۔ خربوزہ کی اس ارزانی و فراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گذر جاتی اور خربوزہ چکنا
نہ نصیب ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گذر جائے
اور میں اسی حال میں رہوں

۱۰ بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ۔

۱۱ سیر الادلایا (۱۱)۔

۱۲ سیر الادلایا (۱۲)۔

غیر کے واسطہ کے بغیر | اسی زمانہ میں جبکہ آپ خسر نہا کے اس برج میں مقیم تھے جو مندر دروازہ کے
متصل ہے کئی روز گذر گئے اور کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آئی۔ ایک طلب علم کو

اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے اس طالب علم نے بعض ہمایوں کو جو نوربان تھے اس کی اطلاع کی
وہ کھانا تیار کر کے آئے۔ کھانے کے لئے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا خدعہ طالب علم کا
بھلا کرے کہ اُسے ہمیں خبر کر دی۔ خواجہ نے ہاتھ دھو کر لے اور فرمایا۔ کیا خبر کی؟ اُسے کہا کہ۔۔۔ فلاں طالب علم نے
ہمیں بتلایا کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کر کے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ معاف رکھو۔ کتنے ہی
ان لوگوں نے کوشش کی آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔

شیخ کبیر کی وفات آخری بار آپ شیخ کبیر کی خدمت میں تین چار مہینے قبل گئے تھے فرماتے ہیں کہ یہ محرم ۸۰۰
شیخ کبیر نے وفات پائی اور سوال کے مہینے میں مجھے حضرت نے دہلی بھیج دیا۔ بیماری کی
ابتدا ہو چکی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے ایک روز کہیں سے
خربوزہ آیا تھا خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش بھر عنایت
فرمائی اُس سے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرمائیے ہیں
میں کھالوں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر (فرمن روزہ توڑ دینے) کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ فرمایا کہ نہیں
یہ بے تو شرعیت کی اجازت ہے تمہارے لئے جائز نہیں۔

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ۔۔۔ نظام الدین تودہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ۔۔۔
میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا۔ ہانسی میں تھا۔ فوائد الفواد میں ہے کہ

۱۳ جوامع الکلم (المفولات حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز) ۱۳۹

۱۴ فوائد الفواد (۱۴)۔

یہ تذکرہ کرتے وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہو گئے۔

وفات کے بعد آپ اجمود حسن حاضر ہوئے۔ مولانا بدر الدین اسحق نے شیخ کبیر کی وصیت کے مطابق جامعہ مصطفیٰ اور عصا سپرد کیا جو حضرت خواجہ کو دینے کیلئے شیخ کبیر نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔

نواۃ الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ نے شہر کے شور و شر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا

غیث پور کا قیام

کہ ابتدائی زمانہ میں بھی میرا شہر میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایک روز قلعہ خاں کے حوض پر تھا ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا وہاں ایک درویش یا جنورا میں مشغول تھا میں اس کے پاس گیا اور اُس سے پوچھا کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ انھوں نے کہا۔ ہاں۔ میں نے کہا۔ اپنی مرضی سے اس شہر میں رہتے ہیں؟ اُس نے کہا۔ یہ بات تو نہیں ہے۔ اس کے بعد اُس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے درویش کو دیکھا بیرون کمال دروازہ اس اعظمیہ میں جو لب خندق ہے اس دروازے کے قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہر کی چار دیواری بنی ہوئی ہے وہ درویش بیٹھا ہوا ہے اُس درویش نے مجھے کہا کہ اگر یہاں کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ میں نے اسی وقت سے اس شہر سے چلے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن سوانح پیدہ ہوتے رہے آج کچھ سال بعد گئے کہ میرا ارادہ باقی ہے لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ بات سنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہیں جاؤں گا کئی جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی چلا جاؤں وہاں ان دنوں ایک ترک تھا

نواۃ الفواد ۱۳۵

۱۳۵ شیعہ ان میں ایک قصبہ ہے جو خسر دکانا مال میں تھا اور اسی تقریب سے وہ وہاں رہتے تھے ۱۳۵

کبھی دل کرتا تھا کہ پٹیالی چلا جاؤں ۱۳۵ ایک پاک صاف جگہ ہے چنانچہ پٹیالی چلا گیا تین روز وہاں ہوا کوئی مکان نہیں ملا نہ کرایہ کا نہ بقیہ ان تین دنوں روزانہ کسی ملک کا ہمان رہتا تھا جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا کہ ایک روز حوض پٹیالی کی طرف گیا ہوا تھا وہاں ایک باغ میں جس کو "باغ حیرت" کہتے ہیں اللہ سے مناجات کی طبیعت متوجہ تھی میں نے عرض کیا کہ خداوند! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کروں گا جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں اس درمیان میں ایک غیبی آواز "غیث پور" کے نام کی آئی میں نے کبھی غیث پور دیکھا نہیں تھا اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیث پور کہاں ہے میں نے جب آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیا وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا جب میں اُس کے گھر گیا اور اُس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیث پور گیا ہوا ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہی غیث پور ہے الغرض غیث پور آیا اُس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا ایک غیر معروف جگہ تھی آدمی بھی کم تھے میں آیا اور میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی جب کیتباد نے کیلو گھری کو اپنی خرد گاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلافت ہوا اور اسی سلطنت اور ان کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی جب میں نے یہ ارادہ عام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہیے اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے استاد بھی تھے شہر میں انتقال ہوا میں نے اپنے دل میں کہا کہ کل جب میں اُن کے فاتحہ میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا اپنے دل میں اس کو طے کر لیا اسی روز نماز عصر کے وقت ایک جوان آیا جس نے لیکن نعمت خدا جانے

۱۳۵ سلطان عز الدین کیتباد (۱۳۵۵ء) بغرا خان کا لڑکا اور غیث الدین طہر کا لڑکا تھا ۳ سال حکومت کی یہ ۱۳۵ سر سید احمد خان آغا راجا دین میں لکھتے ہیں۔ معز الدین لکھتا ہے کہ میں ایک قلعہ بنوا یا اور کیلو گھری اس کا نام رکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں لیکن اسی جگہ ٹاپوں کے قصبے کے پاس موضع کیلو گھری موجود ہے اور اس پانچ جھونپڑے

(آغا راجا دین لکھتا ہے)

موجود ہیں۔ ۱۳۵

موج غیب میں سے تھا یا کون تھا، اُسے آتے ہی مجھے خطاب کر کے یہ شعر پڑھا۔ ۷۵
 آں روز کہ مرشدی فی دانتی ۛ کہ انگشت نمائے جہاں خواہی شد
 (جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا، اُسی روز بھنا چاہئے تھا کہ ساری دنیا کی انگلیاں
 تمہاری نظر اٹھیں گی)

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اُسے کچھ اور باتیں بھی کہیں جس کو میں نے لکھ لیا ہے، اُسکے بعد اُس نے یہ کہا کہ
 پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہئے، اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا بننا چاہئے کہ
 کل روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اسکے بعد اُس نے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے
 اور یا د خدا میں مشغول ہو جائے۔ اُس کا مقصود یہ تھا کہ قوت و حوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے
 باوجود یا د خدا میں مشغول ہو۔ جب اُس نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لاکر اُسکے سامنے رکھا، اس نے
 ہاتھ نہیں بڑھایا، اُسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا، جب میں نے یہ نیت
 کر لی، تو اُس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔

رجوع عام غیاث پور کے دوران قیام میں خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا، اور فتوحات
 کا دروازہ کھل گیا۔

تذکرہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی عزت گذرنے کے بعد آپ کی ذات بابرکات کو
 مرجعیت اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرت عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا قیام
 اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عسرت اور بے اسبابی کا دور گزرا، یہاں تک کہ ایک عرصہ تک

آپ سخت گریہوں اور لودھوپ کے زمانہ میں جامع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پا تشریف لے جاتے تھے،
 یہاں تک کہ اس عرصہ کے بعد پیر کا دور آگیا، اور وہ رجوع عام شروع ہوا کہ اُسکے سامنے سلاطین و ملکی
 درباروں کی غفلت ماند پڑ گئی، اور خسرو کے ان اشعار کی تصویر سامنے آگئی۔ ۷۶

در تجسرو فقر بادشاہی ۛ در عالم دل جہاں پناہی

شاہنشے بے سر و بیہ تلج ۛ شاہنش خفاک پائے محتاج

فقیر منعم صاحب سیر الاولیاء کہتے ہیں کہ:- وارد و صادر میں سے پرہیزی ہو یا شہری جو آقا اور سجادہ نشین کا
 مال کرتا، کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک نقد تھا، کف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان کے
 جانے والوں پر سرت ہوتا، جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا:-

”فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی دن

فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشا تک گریبنے دے

لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے، اور جو کچھ کوئی لاتا اُس سے زیادہ حضرت

کی عنایت سے پاتا۔“

۱۷ ان مع العسیر۔ ان مع العسیر۔ ایک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بیشک دشواری
 کے ساتھ آسانی ہے۔ ۱۸

۱۹ سیر الاولیاء۔

۲۰ سراج المجلد (ترجمہ المجلد) ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (۱۳۹)۔

بیداری پر پہلا سوال

عادت مبارک تھی کہ جب قبلہ سے اٹھتے تو دو باتیں سب سے پہلے پوچھتے، ایک یہ کہ زوال ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ اُس کو انتظار

دکھنا پڑے۔

دنیائے تنفر و بدل عطا

دنیا کا جس قدر جوع بڑھتا گیا اتنی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی، اکثر گریہ فرماتے جتنی بڑی فتوحات تھیں اتنی ہی زیادہ گریہ کرتے، اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ تقسیم کر دیا جائے، جب تقسیم ہو جاتا اور ضرورت مندوں کو پہنچ جاتا تو سکون خاطر ہوتا، ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے جیسے بھاڑ دے دی گئی ہو اس کے بعد مسجد جاتے، اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد آمد کی خبر پہنچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ:۔ کہاں آئے ہیں فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔

زمین و جائداد پر ہینر

امیر حسن عطاء سنہری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا ان دنوں میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اُسکے ساز و سامان کی دستاویز حضرت کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا تھا حضرت نے قبول نہ فرمایا بے بسی ہو کر فرمایا کہ اگر میں اس کو قبول کروں تو پھر لوگ کہا کریں گے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں میرے کام سے اس کو کیا مناسبت؟۔ ہمارے بزرگوں اور شائخوں میں سے کسی نے زمین و جائداد قبول نہیں کی تھی۔

سیر الاولیاء (۱۲۶)۔ ۵۷ ایضاً ۱۳۹

سے ذوالحجہ (۱۳) ۹۹

فقیر کا شاہی دسترخوان

ان خود ائمہ العہد تھے، لیکن بدولت شاہی دسترخوان لگتا اور انواع و اقسام کے کھانے و ازہ قداریں چنے جاتے، امیر و غریب، شہاء و گدا،

شہری و دیہی، مصالح و گناہگار کسی کی تفریق نہ تھی، سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے، بے جانے کی بھی اجازت تھی بعض لوگ کھاتے اور باغ و کریم بھی لے جاتے، یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکساں تھا، اسی دسترخوان پر میرے کرسیکروں کی آمد و غبار کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انھوں نے نام ہی نام سُننے تھے، بڑے بڑے امراء و بابر و احماد علیہا سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آزد ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے، ہدایت و ہدایت و ہدایت کے فیض عام کے علاوہ (جس کا وہ قازد ہر وقت کھاتا رہتا تھا) حضرت خواجہ کا یہ بھی فیض تھا جو دل میں اپنی پوری دہائی کی کشتا جاری تھا اور جو ہزاروں بند بھائی غلگی پر دہش کا ذریعہ تھا۔ مولانا مناظر حسن لکھتے ہیں کہ اس خواجہ سلطان کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

آج جن چیزوں پر ایوانِ نعمت کے قصوں کے ساتھ غریبوں کا ذکر اور دیا جاتا ہے گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ (ذیل ٹماک) اور منہم کرنے کا چورن ہے ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان جو فیہ اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کردی کا کام دیتی تھیں، ان بزرگوں کا وہ بار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج و غل کرتے تھے، خود سلطان الشارح کا کیا حال تھا، گزر چکا کہ ولی عہد سلطنت خضر خاں تک، اہلی و بار کا حلقہ بگوش تھا علامہ الدین جو سائے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا، لیکن ایک نوازندہ بھی تھا جس میں اُسے بھی مالگزاری داخل کرنی پڑتی تھی۔

سے نظام تعلیم (۲۱۱)۔

یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعے ملک کے عام غرباء و فقراء تک ان کا صحت
پونچ جاتا تھا اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ :-
”بال صوفی سبیل است“

غربت و ملامت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء و غرباء دونوں
ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اس سے غریب اور حاجت مند مسلمانوں کی
کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ
اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں
توخذن من اغنیاء ہم و تورد | ان کے دو نمندوں کیلئے اور ان کے
علی فقراء ہم۔ | منور تندوں کو پہنچا دیا جائے۔

کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔
خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ امراء اور ارباب ثروت پر اثر
قائم ہو جاتا تھا یوں بچے کہ غربا کی قسمت جاگ اٹھتی تھی۔

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھے اور اس پر غور کیجئے آپ کو نظر آئے گا کہ
امراء اور غرباء کے درمیان ان بزرگوں کا وجود باوجود سلسلہ و اتصال نہ ہوا تھا
اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں
اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ
ملک کے غریبوں، مسلمانوں بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں

بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی
اس زمانہ کے غریبوں نے شاید نہ سنا ہو۔

شیخ کی غذا | شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے لیکن اُس شاہی دسترخوان پر جس پر انواع و اقسام کے کھانے
اور اوان نعمت ہوتے، ان کی غذا عام طور پر ایک یا دو اسی روٹی اور کچھ کریم و غیرہ کی ہوتی یا تھو

سے چادل ہوتے۔ آپ کے ایک مرید باختصاص مولانا شمس الدین عجمی اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں :-

”میرا ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا انظار کے وقت میری نظر سلطان الشاہ پر پڑی
میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت اپنے لقمہ لینے کیلئے جو ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا تھا
وہ آخر تک نہیں ہاتھ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا۔“

ترتیب | دسترخوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب کے آگے مخدوم زادگان (مرشد سے نسبت قربت
رکھنے والے) ہوتے، پھر علماء و پھر دسار و شرافت۔

سلاطین عہد سے بے تعلقی | سلسلہ چشتیہ کی بنیاد سلطنت ہندوستان کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنت اسلامی
کی تاسیس اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں دعائیت و انابت

کی رُوح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے سلاطین و قوت سے بے تعلقی کے اصول پر پڑی تھی اور اس سلسلہ کا
ایک شمار اور مشائخ چشتیہ کا مقدس ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشت نے اس ”ریشیشہ و آہن“ کو
جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھایا تھا۔ ایک طرف وہ دربار کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے
قانون کے استحصال سے غافل اور غم اسلام سے خالی اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر تھے
دوسری طرف وہ ایک اصول و عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے براہ راست کوئی تعلقی

رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدینؒ تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے، اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کاربند رہے، اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خازن میں ان کا دامن کبھی نہیں اُبھرا اور انقلابات سلطنت کا ان کے مرکزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ان کا اخلاص ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلم رہی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا، اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب کے شیخ کیش کے پاس سے ہندوستان کی تعمیر روحانی اور تبلیغ و ارشاد پر نامور ہو کر آئے تھے دہلی کے تخت پہلے بعد درگاہ پانچ بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے بڑے جہاد و ہلال کیسے سلطنت کی لیکن سوائے ایک ایسے موقع کے جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی صلت و حرمت کی مجلس مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ کبھی بادشاہ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔ غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت میں ان کا آفتاب شہرت و قبولیت نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا اس لئے غیاث الدین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی، بعد از الدین کی قیادت و ولایت اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

جلال الدین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحبِ علم و علم جوہر شناس اور ارباب کمال کا قدردان تھا، اور حضرت خواجہ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی، لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ آخر سلطان نے امیر خسروؒ کے ساتھ (جو سلطان کے مصحف بزرگ تھے) یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جانا ہے۔ امیر خسروؒ نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع نہ دی جائے، اس لئے کہ اگر میں نے اس کی اطلاع نہ دی تو شاید میرے حق میں یہ چھانہ ہو،

اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسروؒ کو اپنا راز دار بنایا تھا لیکن اپنے مرشد سے رازداری امیر خسروؒ کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ امیر نے حضرت خواجہ سے جا کر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گا، حضرت خواجہ نے سُننے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت سے ابودھن کا رخ فرمایا اور روانہ ہو گئے۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو امیر خسروؒ پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا، اور حضرت خواجہ کی قدیم سی کی سعادت سے محروم کر دیا۔ امیر خسروؒ نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا لیکن مرشد کی رنجش سے سلبِ ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ سلیم و فرزانہ تھا اس نے اس جواب کو پسند کیا، اور خاموش ہو گیا۔

سلطان علاء الدین کا امتحان و عقیدہ سلطان علاء الدین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے باجبر و اور اقبال مند بادشاہ اور سکندر ثانی ہے، اپنے چچا

جلال الدین کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ابتدا میں اس کو حضرت خواجہ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی نہ تفرق تھا، بعض لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی، اور انکی مقبولیت اور جمع عام سے سلطنت کیلئے خطرات ثابت کئے، سلطان علاء الدین نے امتحاناً ایک عرصہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا جس میں آپ کا انتظام سلطنت کے بارے میں مشورے اور نصائح کی درخواست کی گئی تھی، جب خضر خاں یہ خط لیکر خواجہ کی خدمت میں آیا، آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا، حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہ ہونے کا کام؟ میں ایک فقیر آدمی ہوں شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہوں، بادشاہ اور مسلمانوں کیلئے دعا گوئی میں مشغول ہوں، اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ تعرض کرنا ہو، میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں، اللہ کی زمین سے ہی سلطان علاء الدین اس سے بڑا سے بہت خوش ہوا، اور کہا، کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہ کو امور سلطنت سے کبھی کوئی سروکار نہیں، لیکن

بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردانِ خدا سے لڑا دیں اور اس طرح ملک تباہ ہو جائے۔

سلطان نے حضرت خواجہ سے بڑی معذرت کی اور کہلوا یا کہ میں
بادشاہ کے آنے سے معذرت اس مذہم کا معتقد ہوں مجھ سے گستاخی ہوئی معاف کیا جائے

اور عاصری کی اجازت دیجائے کہ قدموں کی سعادت حاصل کروں۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ آنے کی حاجت نہیں میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا بڑی مؤثر ہوتی ہے۔

سلطان نے اس کے بعد بھی ملاقات کے لئے بڑا اصرار کیا حضرت نے فرمایا کہ
گھر کے دو دروازے اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا
میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔

غیر اسلام اگرچہ علاء الدین حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا لیکن اس کو آپ کے برابر عقیدت رہی
اور وہ نہایت سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت خواجہ سے رجوع کرتا رہا ایسے موقع پر
وہ آپ کے دعا کی درخواست کرتا اور آپ اہتمام کے ساتھ دعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ جب ملک نائب (کافور) وزنگل کے محاصرے میں مشغول تھا،
تلنگانہ کا راستہ پر خطر ہو گیا تھا راستہ کے تھانے اور چوکیاں بھی اٹھ گئیں تھیں چالیش روز سے زیادہ ہو گئے
تھے کہ لشکر کی سلامتی کی اور خیریت کی اطلاع سلطان تک نہیں پہنچی تھی سلطان کو بڑا تردد تھا اکثر اعیان
وامرا و دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کے نذر ہو گیا کہ سلسلہ رسل و رسائل منقطع ہو گیا ہے۔
اسی فکر و تردد کے ایام میں ایک روز سلطان نے ملک قزلباغ اور قاضی مغیث الدین بیانوی کو حضرت
خواجہ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ لشکر اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے آپ کو

اسلام کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے اگر نور باطن سے آپ کو لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطلع فرمائیے
سلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرت کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اس کو محفوظ رکھیں
اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ وہ دونوں حضرات شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلطان کا پیغام پہنچایا، اپنے
پیغام سننے کے بعد بادشاہ کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ یہ فتح کیا جو ہم روزِ قیامت
کی بھی امید رکھتے ہیں۔ یہ لشکر ملک قزلباغ اور قاضی مغیث الدین شاداں و فرحان واپس آئے اور سلطان کو
جواب سنایا سلطان یہ جواب نہ کر بہت خوش ہوا، اس کو یقین ہو گیا کہ وزنگل فتح ہو چکا۔۔۔ اسی روز
نہاڑ عصر سے فارغ ہوئے تھے کہ ملک نائب کے قاصد پہنچے اور وزنگل کا فتح نامہ لائے، جمعہ کے دن وہ فتح نامہ
منبروں پر پڑھ کر سنایا گیا، محسن میں خوشی کا تقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں سلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔

ایک دوسری مرتبہ جب دہلی پر حملہ آور ہوئے سلطان نفس نفیس جنگ میں شریک تھا، اس نے حضرت
خواجہ کی خدمت میں عرض کر دیا کہ یہ بڑا اہم موقع ہے آپ متوجہ رہیں حضرت خواجہ نے تمام اہل خانہ سے
ارشاد فرمایا کہ متوجہ الی اللہ رہیں اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دعا کریں۔ چنانچہ سب مشغول رہے اور تھوٹے
ہی عرصہ میں فتح کی خبر آئی، مغلوں نے شکست فاش کھائی۔

قاضی ضیاء الدین سلطان علاء الدین کے اہل دربار میں سے تھے کہ بہ اپنے پوتے عبدالمکرم سے
کبھی سلطان کی زبان سے حضرت خواجہ کے بارے میں کوئی غلط شان بات نہیں نکلی۔ اگرچہ دشمن اور ماسدین شیخ کی
شائمانہ داد و دہش رجوع غلات اور شاہی لشکر کو سلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ سلطان بے گمان
ہو جائے، لیکن سلطان نے کبھی اس کی طرف التفات نہیں کیا، اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اس کو حضرت
سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، اس کے باوجود کبھی ملاقات کی نوبت نہ آئی۔

سلطان قطب الدین کی مخالفت اور اس کا قتل

سلطان علاء الدین کے بعد اس کا دو سر لٹا
قطب الدین مبارک شاہ ولی حد سلطنت

خزائن کو محروم و کمول کر کے غاصبانہ تخت سلطنت پر بٹھا۔

”خسرو خاں چونکہ حضرت والا کا رہنما تھا اور وہی علاء الدین کا ولی محمد تھا جس سے
قطب الدین نے حکومت غصب کی تھی اس لئے قطب الدین حضرت سے بھی ناراض
رہتا تھا اس نے اپنی ایک نئی جامع مسجد جامع میدوی کے نام سے بنوائی تھی
اور تمام مشائخ و علماء کو حکم تھا کہ اسی میں اگر نماز جمعہ ادا کریں سلطان الشائخ نے
کہا بھیجا کہ: ”ما مسجد نزدیک داریم و اس حق است میں جاؤ ہم گزار (جہاں)
قرب ایک مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے) اور وہ جلیج میری
نہیں گئے بادشاہ سخت برا فرودختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو ایمان اور
مشاہیر شہر و بار شاہی میں پیش ہو کر نذر گزارتے تھے سلطان الشائخ اس تقریب
میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، ادا لئے رسم کیلئے اپنے خادم اقبال کو بھیج دیجے
اس سے بھی وہ برہم تھا اس نے اپنے تمام امراء و وزراء کو حکم دیا کہ: —

”کے بزیارت شیخ غیاث پور نہ رود“

(کوئی شیخ کی زیارت کیلئے غیاث پور نہ جائے)

ایر خسرو نے یہ لکھا ہے کہ: ”بارہا می گفت کہ ہر کہ سر شیخ بر دہزار شکا اور اہم“
(جو شیخ کا سر لائے گا اس کو ہزار شکہ دیں گا) ایک روز شیخ ضیاء الدین رومی
کی درگاہ میں سلطان جی اور قطب الدین کا آمناسا مناجی ہو گیا، سلطان جی نے
بیمبشت ایک سلمان ہونے کے سلام کیا، قطب الدین نے جواب نہ دیا یوں مسلسل

واقعات قطب الدین کی حکومت کے چار سالہ مدت میں پیش آتے رہے۔
نوچندی کی معاصر ہی پراصرار کا قصہ سبک آخر میں پیش آیا قطب الدین نے
بھرے دربار میں اعلان کیا کہ: ”اگر دوزخہ ماہ آئندہ نیامد بیاریم چنانکہ کہ دہیم
گویا کہ یہ اس کی دھمکی تھی کہ بزور حکومت دربار میں گھسٹو اگر بلواؤں کا شایہ قتل
ہی کا ارادہ ہو سلطان جی کو بادشاہ کے اس عزم مصمم کی خبر پہنچی سلطان الشائخ
چیچ گفت: ”اب عینہ ایک ایک کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا“ ہر چند ماہ نزدیک سید
الغفات مخلصاں رارٹے بیشر می داد“ (عینہ عینا نزدیک آ رہا تھا اولی تعلق کا
فکر و تردد بڑھتا جا رہا تھا) چاند مغرب کے بعد دیکھا گیا اکل پہلی تاریخ ہجری شہر کے
ایمان و امراء دربار میں جائیں گے لیکن سلطان الشائخ نہیں ملے ہوئے ہیں کہ
میں نہیں جاؤں گا قطب الدین یہ فیصلہ کئے ہوئے ہے کہ: ”اگر نیامد بیاریم
چنانکہ دہیم“ صرف شب در میان است۔ ”دلی میں کھلیلی پی ہوئی ہو دنیا اور
دین کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گزرنے بھی نہ پائی کہ: ”ہم دیں
شب ماہ بلائے آرا آسمان بر جان بادشاہ نازل شد“ (اسی شب ماہ میں بادشاہ
کی جان پر آفت آسمانی نازل ہوئی یعنی ”خسرو خاں نے سر سلطان اگرقت
و باہم در آدینند پہلوئے سلطان را بہ خنجر شگافہ بر زمین انداخت سر آن شوم را
از تن جدا کردہ از باہم ہزار ستون بزر را فگندہ (طباطبائی) خسرو خاں نے بادشاہ کے
سر کے بال کپڑے، دونوں باہم دست دگر بیان ہوئے خسرو خاں نے سلطان کے پہلو کو
خنجر سے چیر کر زمین پر ڈال دیا، اور اس شامت زدہ کا سر تن سے جسد اکر کے

ہم ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔

غیبی سنکر

اُنہی زمانہ میں جب سلطان قطب الدین کی طرف اس بات کی خاص دیکھ تھی کہ اُمراء و دربار و اعیان سلطنت کی طرف حضرت خواجہ کی خدمت میں کوئی نذر پیش نہ ہونے پائے تاکہ دیکھا جائے کہ یہ شاہانہ لشکر خانہ کس طرح چلنا ہے، آپ نے خاص طور پر تاکید فرما رکھی تھی کہ اس زمانہ میں کھانا زیادہ پکایا جائے اور ستر خوان وسیع سے وسیع تر کر دیا جائے، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا:۔

”ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے، اور اُمراء و سرداروں کی کوئی بولی فتوحات قبول کرتے ہیں، آخر وہ سہ بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں، سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا کہ:۔ کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے، دیکھو

۱۔ نظام تعلیم و تربیت ص ۲۳۔ میرالدین اس پر واقعہ منقول ہے مگر تاریخ دہاؤں و سنہ درج نہیں۔ ۲۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ فرشتہ جلد اول میں ضمن تذکرہ قطب الدین سلطان کے قتل کی تاریخ شعب شیم ربیع الاول ۶۰۲ھ ذکر ہے جس کے ساتھ نوچندی کے سلام کی روایت اور چاند رات میں بادشاہ کے قتل کا واقعہ منقول نہیں کھانا (۲۱)۔ بھر اسی کتاب کی جلد دوم میں جہاں حضرت سلطان الشاہ کا تذکرہ ہے وہاں سلطان کے قتل کی تاریخ ۲۹ شوال لکھی ہے اور سنہ کا تذکرہ نہیں (۲۲)۔ (۲۳)۔ جلد ۲) لیکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تراوی قابل اعتماد ماخذ امیر خسرو کی فتویٰ ”تغلق نامہ“ ہے، جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد کی تصنیف اور امیر کی مستند اور مشہور فتویٰ ہے۔ اس میں انھوں نے نہایت سراحت سے لکھا ہے کہ:۔ قطب الدین کا قتل جمادی الثانی ۶۰۲ھ کی مبین چاند رات کو واقع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

جون نامی عرب شد مقصد دیت ۴ ۵ ثبات قطب شکہ بجانب زیست
جماد دوئیں رشتہ پدیدار ۶ ۷ بلال تیرہ و تاریک دیدار
مہ بار یک بود از حالت تلخ ۸ ۹ بناخن کردہ خود را پیش ازاں سلخ
شد آن سر ہر گہاں مبارک ۱۰ ۱۱ مگر بر طایع سلطان مبارک

(تغلق نامہ ص ۱۹ طبع سید آباد)

ان اشعار سے تاریخ کا بھی صحیح تعین ہو گیا، اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی بھی تصدیق ہو گئی۔ ۱۲۔

وہ اس قدر دلت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور جاسوس غروہ کے دیکھتے ہیں جو امیر و اہل باغیہ مجھے آکر اطلاع کریں۔ جناب شیخ نے جب یہ سنا فرمایا، کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے، ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خاقان شیخ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر بکتا تھا اب اس سے دو گنا بکتا، بادشاہ یہ سن کر پشیمان ہوا کہا میں غلطی پر تھا، آپ کا معاملہ الم غیب سے ہے۔

غیاث الدین تغلق کا عہد و سرکاری مجلس مشاہدہ

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چہنہ بننے اور غیاث الدین تغلق کا عہد و سرکاری مجلس مشاہدہ
شعار اسلام کو سرنگوں کر کے اسلام کی تذلیل کی سلسلہ میں غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے خسر خاں کو قتل کر کے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی سلطان غیاث الدین اگرچہ صاحبِ علم نہ تھا لیکن شریعت اور علماء کا احترام کیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ سید سنئے تھے ان کی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور دواج ہو گیا تھا، ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرجام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایہ عاطفت میں رہا تھا، وہ باوجود مجاہدوں کے ذوق و شوق اور عشق کی دولت سے فیضیاب نہیں ہو سکا تھا نیز قاضی بلال الہیری مولوی نائب حاکم مملکت کو بھی اہل درد و محنت سے ایک طرح کی کد تھی قاضی صاحب درد و سہل، نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اسے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتدائے زمانہ ہیں اور وہ سماج سُننے میں جو امام اعظم کے مذہب میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے ہزار اہل مخلوق اس فعل منوع کا ارتکاب کرتی ہو سلطان اس سلسلہ سے بے خبر تھا، اس کو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتدائے عالم ہیں ایسا نامشروع کام کیسے کرتے ہیں۔

۱۔ خیر المایں اخوان از ترجمہ ص ۲۰

۲۔ حاکم کی حقیقت، اغراض و مقاصد اور اسکے آداب، احکام کی بحث جو تحفے باب اذواق و کیفیات میں ملاحظہ ہو۔

لوگوں نے سماع کی حلت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں، بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علمائے دین نے سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کو منع کرتے ہیں اسلئے حضرت خواجہ اور تمام علماء شہر اور صدور و اکابر کو طلب کیا جائے اور ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ یہ تحقیق ہو جائے کہ حق کیا ہے۔ میر خور کی زبان سے اس کی تفصیل سنئے :-

تھہر شاہی میں حضرت خواجہ کی طلبی ہوئی، حضرت خواجہ قاضی محمد الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زراہی کی معیت میں کہ دونوں سرآمد علماء اور اساتذہ دینی تھے محل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہ کو خطا نصیحت شروع کی اور نامناسب طریقے پر آپ سے خطاب کیا، یہاں تک کہا کہ اگر اس کے بعد آپ نے سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں، میں آپ کو سزا دوں گا۔ یہ سنکر حضرت خواجہ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ: جس منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ٹھیک بارہ روز بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں تمام علماء و اکابر صدور و امراء اور ارکان سلطنت حاضر تھے بادشاہ اور سب حاضرین مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی، اور سب آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے لوگ رقص کرتے ہیں آہ و نعرہ لگاتے ہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں کیں۔ حضرت خواجہ نے شیخ زادہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: شور مت کرو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں پہلے یہ بلاؤ کہ سماع کی تعریف کیا ہے؟ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء و سماع کو حرام کہتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے

فرمایا کہ: جب تم کو سماع کے معنی ہی نہیں معلوم تو بھلے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے اور نہ کہنا چاہیے۔ شیخ زادہ حسام شرمندہ ہوا، بادشاہ پوری توجہ سے آپ کی تقریر سن رہا تھا، جب کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو، سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ حاضر الوقت علماء میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین عثمانی خاموش تھے۔ مولانا حمید الدین نے اتنا فرمایا کہ یہ معنی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے میں نے خود دیکھا ہے اور بہت سے مشائخ اور درویشوں کو بھی میں نے دیکھا ہے۔

اسی دوران میں شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین آگئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ آپ بھی عالم ہیں اور شیخ بھی اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع سننا حرام ہے یا حلال؟ مولانا علم الدین نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایک سالہ تصنیف کیا ہے اس میں اس کی حرمت و حلت کے دلائل نقل کئے ہیں، تحقیق یہ ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کے لئے حلال ہے اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین سے پوچھا کہ: آپ بغداد شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں وہاں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں اور وہاں کوئی منع کرتا ہے؟ مولانا علم الدین نے فرمایا کہ: ان سب شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں، اور بعض دن و شبانہ کے ساتھ بھی کوئی مانع نہیں ہوتا، اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جلیل و شایع کے وقت سے مروج چلا آ رہا ہے۔ بادشاہ مولانا علم الدین کی زبان سے یہ سنا خاموش ہو گیا

اھاس نے کچھ نہیں کہا۔ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ سماع کی عزت
کفر مان صادر کر دیں اور امام اعظمؒ کے مذہب کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر
حضرت خواجہ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فتویٰ
جاری نہ کریں بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا، اور اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر
نہیں کیا۔ مولانا فرید الدین دہلوی مجلس میں حاضر تھے (کا بیان ہے کہ ابتدائے چاشت
سے زوال تک یہ بحث جاری رہی) اہل مجلس تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے
اور آخر میں اس پر بحث آکر ختم ہو گئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے یا اس کا فعل۔
دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہؒ
سماعؒ سن سکتے ہیں اور کسی کو ان کو منع کرنے کی اجازت نہیں، لیکن یہ فتویٰ
مروج ہے۔۔۔۔۔ انھیں دنوں میں کسی نے حضرت خواجہؒ سے کہا
کہ اب تو سماع کے لئے فرمان سلطانی ہو گیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں
سماعؒ سنیں وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اگر وہ حرام ہے تو کسی
کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتا، اور اگر حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام
نہیں ہو سکتا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے حضرت خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم
کے ساتھ رخصت کیا۔

مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہؒ کی زبان سے [قاضی ضیاء الدین برنی اپنی کتاب حریث نامہ
میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت خواجہؒ اس

مجلس سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لائے تو آپ نے نماز ظہر کے وقت مولانا محی الدین کاشانی او

امیر خسرو کو طلب فرمایا، ارشاد ہوا کہ دہلی کے علماء و عداوت و حسد سے بھرے ہوئے تھے انھوں نے وسیع
میدان پایا، اور دشمنی کی بہت سی باتیں کہیں، عجائب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیث نبویہؐ کا سنا ان کو
گوارا نہیں تھا، ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے، یہ باتیں ہی
کہہ سکتے ہیں جن کا احادیث نبویہؐ پر اعتقاد نہ ہو، میں جب کوئی صحیح حدیث پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور
کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں، ہم نہیں سنیں گے
معلوم نہیں کہ یہ با اعتقاد ہیں یا نہیں، اول الامر کے سامنے اسی زبردستی سے کام لیتے تھے اور احادیث صحیحہ
روکتے تھے، میں نے کوئی عالم ایسا دیکھا نہ سنا کہ اس کے سامنے احادیث صحیحہ پر حمی جلد میں اور وہ کہے کہ میں نہیں مانتا،
میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا قصہ ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرات اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباورہ سکتا ہے،
تعب نہیں کہ اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بچ جائے، اس کے بعد بادشاہ اور امراء اور عوام جب قاضی شہر
اور علماء شہر سے پرسشیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیث نبویہؐ پر اعتقاد کیسے رہے گا
مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بدعت و غی کی نحوست سے آسمان سے بلا و عذاب و قحط و وبا نہ برسے۔

اس واقعہ کے ٹھیک چھ سال حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق
دہلی کی تباہی کے فرزند اور جانشین محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کر دیے اور دیوگیر (دولت آباد)

منتقل ہو جانے کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی نند اور مہلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی اینٹ سے اینٹ
نکل گئی اور دلی سا گلزار و آباد شہر جس میں پہلے رہنے کو جگہ نہیں ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں
اور درندوں کے وہاں کسی منفس کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے،

امور از مردم دہلی را کہ آب و ہوائے آس جا
خوگرفتہ بودند بحال خود نگذاشتہ
طرب و لذت آباد فرستاد و دہلی بنوعے
دیران گشت کہ آواز پیچ منفس بجز شغال
در وہاں و جانوران سمعائی بگوش نمی رسید
کارپردازان حکومت نے کسی ایک شخص کو بھی
جو دہلی کی آب و ہوا کا خوگر تھا اپنی جگہ نہیں
پھوڑا سب کو کلیتہً دولت آباد (دیوگیر) بھیجا
اور دہلی اس طرح دیران ہوئی کہ کسی ایک جانور
کی آواز بھی سولے گیدڑ، لومڑی اور جنگلی
جانوروں کے کان میں نہیں آتی تھی۔

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت دولت آباد جلا وطن ہوئے، دولت آباد
پہنچے تو وہاں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا، ہزاروں راستہ میں لغز اجل بن گئے، اور ہزاروں وہاں پہنچ کر
قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے، اور حضرت خواجہ کی پیشین گوئی حروف بحرف پوری ہوئی۔

امیر خور نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات اس طرح لکھا ہے :-
نظام الاوقات

روزہ انظار کرنے کے بعد (جواب جماعت کے ساتھ ہوتا تھا) اپنے بالاخانہ کے قیام گاہ
پر تشریف لے جاتے تھے، اجاب و خدام جو شہر اور اطراف سے آئے ہوئے ہوتے تھے مغرب و عشاء کے
درمیان اوپر ہی بلائے جاتے تھے ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا، ہر قسم کے
تہنیک و شکریہ اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھیں، حاضرین مجلس تناول کرتے، آپ
ہر ایک کی دلدادگی فرماتے اور خیرین و مالکات دریافت فرماتے۔

امیر خسرو کی خصوصیت
عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے، جماعت کیساتھ
نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لے جاتے، کچھ دیر مشغول رہتے،

پھر آرام کرنے کے لئے چارپائی پر تشریف لے جاتے، اُس وقت خدام تسبیح لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اُس وقت
سولے، امیر خسرو کے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، وہ سلسلے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے، آپ
پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے، وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ ترک کیا خبر ہے؟ امیر خسرو اتنی بات شکر طویل
کنگھو کا موقع نکال لیتے، اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ پوری داستان سناتے، اس موقع پر بعض کم سن اعزاء
اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قد بوسی کرتے۔

نہت خسرو سکیں ازیں ہوس شبہا

کہ دیدہ برکت پایت خمد بخواب شود

شب کی تیاری
جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لیکر رخصت ہوتے تو اقبال خدام
آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے دھوکے لئے رکھ کر

باہر چلے جاتے، اس کے بعد حضرت خواجہ خود اٹھتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے، پھر وہاں کی خبر اندر کے سوا
کسی کو نہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک کے کیا ذوق و شوق کی باتیں

۱۷ امیر خسرو کو حضرت خواجہ سے جو المائد و عاشقانہ تعلق تھا وہ ان کے سوانح اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے، بلبل کوئلے
اور پردانہ کو شمع سے جو تعلق ہوتا ہے اسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا، حضرت خواجہ کو بھی اس عاشق و معشوق
سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ من از ہر تنگ آیم و از تو تنگ نیایم، کچھ بعض اوقات ہر ایک سے رخصت ہونے لگتی ہے

لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں آتی، مزید برآں ایک بار فرمایا: از ہر کس تنگ آیم ہمتہ کہ از خود تنگ آیم، از تو تنگ نیایم،
بعض اوقات اپنے سے بھی اگتائے لگتا ہوں مگر تم سے نہیں لگتا، (سیر الاولیاء، ص ۳۴) ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا
کہ آپ امیر خسرو کو جس نعل سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نعل پر ڈال دیجئے، میں نے اُس کو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا

کہ اُس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ۔ (ص ۳۴)

۱۸ بحر فی تواریخ گفتن قتائے جہانے ۱۰ من از شوق حضور طویل دادم داستانے ۱۱

ہوتیں۔ حضرت خواجہ کے ہاتھ کے کھٹے ہوئے یہ دُشہر دیکھے ہیں جو بالکل سبب حال ہیں۔ ۵

تنہا ستم و شب و چسراغی مونس شدہ تا بگاہ روزم

کاہش ز آہ سر و بکشم گاہ از قف سینہ بفرورزم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبان بُبارک سے سُنا گیا ہے اور حکایت حال ہے۔ ۵

بارے بہ تماشائے من و شمع بیا

کز من و کے نہ اندازے دوئے

سحر کا وقت ہوتا تو غلام آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا۔ حضرت خواجہ دروازہ کھول دیتے۔ سحری

جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کے لئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو۔ خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمہ سحر کالے جانا تھا، بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو صبح بہت بڑھ جائے گا، اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کوفوں اور چوبتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقہ سے رات گزار دیتے ہیں یہ کھانا میرے تعلق سے کیسے اُتر سکتا ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اُٹھا کر لے جاتا۔

صبح کے وقت جب دن ہوتا جس کی جمال بُبارک پر نظر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی، مستی ہے اور

اسے نکھیں بیداری سے سُرخ ہیں، ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر

کوئی ضعف نظر نہ آتا، اور آپ کی کسی مہلت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا، کوئی کہہ نہیں سکتا تھا

کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں، یا اتنی تسبیح کا معمول ہے عمر عزیزان باطنی مشغولیتوں میں

گزرتی، جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دیکھنی اور قلوب کے تغیر و دریافت میں مشغول رہتے،

جس سے فہم کوئی کام نہیں۔ ۵

”دل بدست آؤ کہ حج اکبر است“

دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو باطنی طور پر مشغول، مُتَوَجِّہًا اِلَی اللہ تعالیٰ

کائنات کا بظاہر اسی طرح متوجہ ہو کر گویا وہ روز ہے، بیٹھ کر گزار دیتے۔ آنے والوں میں مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علماء و مشائخ، صدور و اکابر، وضع و شریعت، ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اُسی میں اُس بے گفتگو کرتے اور اُس کی دیکھنی فرماتے، ظاہری طور پر اُن میں مشغول ہوتے اور باطن میں پورے طور پر مشغول ہوتے۔

نماز کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز قدیم ہوسے کیلئے آئے ہوتے

دلداری و تربیت ہوتے اُن کو طلب فرمایا جاتا اور اُن سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گزارتا

عبادات و سلوک و محبت الہی کے بارے میں اُن کی رہنمائی کی جاتی، اکابر علماء و صلحا کی (جو اس مجلس میں حاضر ہوتے) ہمت نہ ہوتی کہ سر اٹھا کر چہرہ بُبارک کو دیکھتے، ایسا رعب اور سن جانب اللہ عظمت تھی کہ

آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

قریب عمر مبارک جب اتنی سے متجاوز ہوئی تو سفر آخرت کے آثار نمایاں ہوئے۔ ایک روز

ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی

ارشاد ہوا: ”نظام ہم کو تمھاوا بڑا اشتیاق ہے۔“

بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد خلفاء کبار کو اجازت نامے اور ان کی محبت و مواخات

حضرات کو خلافت عطا فرمائی اور اجازت نامے

لکھ کر دیئے۔ مولانا غفر الدین زرداری نے ان کا مضمون مرتب کیا اور سید حسین کرمانی نے اُن کی کتابت کی آپ نے اُن پر اپنے دست مبارک ثبت کئے، دستخط کے الفاظ یہ تھے: من الفقیر محمد ابن احمد ابن علی البدائی البغدادی۔ ان اجازت ناموں پر ہر روزی اکبر ۱۰۲۲ھ درج ہو گیا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷ دن پہلے لکھے گئے ہیں۔

جن حضرات کیسے یہ اجازت نامے تھے اُن کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیئے گئے، جو حضرات موجود تھے اُن کو بلا کر خود عطا کئے گئے۔ پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی، سلطان المشائخ نے خلعت خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی، اجازت نامہ اُن کو مرحمت ہوا اور ارشاد ہوا کہ جاؤ دو گانہ ادا کرو، دوستوں مبارکباد دی۔ اسی دوران میں شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا، اُن کو بھی خرقہ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہوئے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی، وہ کئے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مبارکباد دو، پھر شیخ نصیر الدین محمود سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارکباد دو دونوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی، پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بخلگیر ہونے کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو، تقدیم و تاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔

وفات سے ۳۰ روز پیشتر استغراق و تحیر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امیر خور دے نے تفصیل سے وفات کا حال

”جمہور کا دن تھا، سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی، نور تجلی سے ان کا باطن منور معلوم ہو رہا تھا، نماز کے اندر بار بار کہہ رہے فرماتے تھے۔ اسی حالت تحیر میں مکان تشریف لائے، اگر یہ میں ترقی ہو گئی۔ روزانہ کئی کئی بار

۱۰ حضرت خواجہ کی وفات ۱۸ ربیع الآخر ۱۰۲۵ھ کو ہوئی۔

۱۱ سیر الاولیاء ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۶۔

فیہ بیت و استغراق ہو جاتا تھا، پھر توجہ ہو جاتی تھی، یہی فرماتے تھے کہ آج جمہور کا دن ہے، دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہوا؟ میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ اگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں، ہر نماز کو کرنا کرتے، جتنے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں مکرر فرماتے۔ آج جمہور کا دن ہے؟ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اہل کبھی بیٹھ پڑھتے

”می رویم دی رویم دی رویم“

اسی دوران میں ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ: ”تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں غیس میں سے بچالی ہو تو کل روز قیامت اُس کو خدا کے شاخ جواب دینا ہو گا۔“ اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔ اور واقعی اُس جو انفرادی ایسا ہی کیا تھا، سوائے اُس غلہ کے جو چند دن کیسے فقرائے خائفانہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سید حسین نے اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے اُن کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خلعت کو بلاؤ جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے تو ڈالو اور تمام غلہ بے تکلف اٹھالے جاؤ اور وہاں بھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلعت جمع ہو گئی اور سُننے غلہ کو ٹوٹ لیا۔

اسی بیماری میں کچھ اجاب اور خد متکا رہا حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا کہ: اس خادم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہو گا؟ فرمایا کہ: یہاں اتنا مختار ہے گا جس سے تمہارا گذر ہو جائے۔ میں نے بعض معتبر مشائخ سے سنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے دریاں کون نصیب در ہو گا؟ فرمایا: جس کی قسمت یاوری کرے گی۔ بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نام مولانا شمس الدین دامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے اپنے

۱۲ نابینا شیشی و منافات کے متعلق سوال تھا۔

اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنائی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اُس کی عمارت میں آرام فرمائیں، اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی خود دہائی سے کام نہ کرے۔ مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہنچایا تو ارشاد ہوا کہ: میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا، میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا، بعد میں سلطان محمد تغلق نے اُس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۳۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی، کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی، اگر یہ اس شدت کے غالب تھا کہ ایک گھڑی کیسے ابھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ ۳۰

گر نہ مینی گریہ زارم نہ دانی فسرق کرد

کاشچہم است اینکہ پیشیت می رود با آب جو

اسی در میان میں انہی مبارک ایک روز پھلی کا شور بہ لائے، مخلصین نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمائیں۔ سلطان الشارح نے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ: تھوڑا سا پھلی کا شور بہ ہو۔ فرمایا: "بیتے ہوئے پانی میں ڈال دو" آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہو گئے ہیں کہ اس خدم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ فرمایا: "یہ جو حضرت رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشاق ہو اُس سے دنیا میں کھانا کیسے کھایا جائے؟"۔ الغرض ۳۰ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا اُسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چار شبہ کے دن تک جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع الآخر ۶۲۵ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت حقیقت و معرفت اور ہدایت و ارشاد کا

یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

۱۰۰ عیسیٰ مدفون ہوں۔

نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نیر محمد شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی۔ نماز کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ:-

"مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ۳ سال تک دہلی میں اسلئے رکھا گیا کہ مجھے اس جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔"

ساری عمر تہجد میں گزری، اسلئے کوئی اولاد نہیں تھی، روحانی سلسلہ سائے حمد، ستان میں پھیلا، اور ابھی تک جاری ہے۔

۱۰۱ سیر الاولیاء (۱۵۲ تا ۱۵۵)۔

باب سوم

اخلاق و صفات

جامع ادھما حضرت خواجہ نظام الدین کے اوصات و خصوصیات کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطا ہے خلافت کے وقت اُن کے صاحب نظر شیخ و مرشد (شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر) کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا:-

باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دولت عطا
دہر کہ بدیں صفت موصوف باشد از خلقت کی بڑا اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی
مشائخ نیکو آید خلافت کی ذمہ داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

حضرت خواجہ کی بہت سی جامعیت کا مرتبہ ہے یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں بحیثیت معرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت و صحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دو باغویں مصنفین پر لکھا ہے یعنی اخلاص و اخلاق اُس کی بہترین نمود اُن کی زندگی میں نظر آتی ہے۔

اخلاص

ان کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے اُن کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبول عام اور بقائے دوام عطا کیا اور اُن کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا، وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت و رضائے الہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی، محبت و یقین کے شعلے نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا تھا، حب دنیا، حب جاہ اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استحصال گلی ہو چکا تھا۔ ۵

شاد باش لے عشق خوش سو لے ما لے طیب بھلا علت لے ما

لے دولے نخت و ناموس ما لے تو افلاطون و جالینوس ما

عشق آں شعلہ است کو چوں بر خیزد ہر چہ جز مشوق باقی ہلکہ سوخت

اند الا اللہ باقی ہلکہ رفت شلو باش لے عشق شرکت سوخت

ایر حسن ملا سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہوا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا کہ۔ آدمی اپنے گھر میں ایک بارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔ اس پر یہ ذکر آگیا کہ گذشتہ زمانہ میں ایک صاحب جامع سجد و عشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لاپرواہی میں کہ اس کی عام شہرت ہو گئی اور شیخ الاسلامی کے عہدے پر (جو اُس زمانہ میں خالی تھا) اُن کا تقرر ہو جائے گا یہ سن کر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے فرمایا:-

بسونا قل شیخ الاسلامی ما دس خاقانہ آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی کو پھر خاقانہ کو

و بعد ازاں خود را ^۱ پھر اپنے کو خاک کر کے رکھ دو۔

حضرت خواجہ کی ساری زندگی اسی "دل خوشگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے، اور اسی چیز نے اُن کی صحبت میں کیا اور اکیر کی خاصیت پیدا کر دی تھی۔ انہیں کے سلسلہ کے ایک سوختہ دل شیخ ^۲ سے (جو نویں صدی میں نظامی سلسلہ کے مقتدی تھے) یہ دو شعر منقول ہیں جو اس صورت حال اور جذبہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔

مارانہ مرید در دخواں می باید نے زاہد نے حافظ قرآن می باید

صاحب درے سوختہ جاں می باید آتش زدہ بہ خانماں می باید

اپنے ہی بالے میں نہیں، اپنے خلفاء اور بانشینوں کے بالے میں بھی (جن سے تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کا کام لینا تھا) اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اُس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ حبِ جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ مولانا فیض الدین نے سوال کیا کہ: "مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟" ^۳ سرمایا:۔

تکے را کہ در خاطر او توقع خلافت نباشد ^۴ وہ شخص جو خلافت کا متوقع اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز خادم کے متعلق جن کو اجازت دی جا چکی تھی معلوم ہوا کہ وہ کئی کبیل تہہ کر کے بچھا کر اُس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امر و جوہر خواہیں اُن کی حدست میں محتاطاً حاضر ہوتے ہیں، آپ اس سے اتنے آزرده ہوئے کہ جب وہ آئے تو آپ نے

^۱ فوار الفوائد (۲۴)۔

^۲ حضرت شاہ محمد مینا (محمد بن قلیب) کھنوی (م ۷۷۵ھ)۔

^۳ سیر الاولیاء (۲۴)۔

اُن سے ٹھہ پھیر لیا اور اُن کو اجازت سے محروم کر دیا، عمر تک اُن سے ایسی ہی بے رنجی رہی، جب تک کہ اُن کا عُذر ظاہر نہیں ہوا، اور انھوں نے معافی نہیں مانگی، اُن پر نظر عنایت بند دل نہیں ہوئی۔ ^۱

اخلاص و عنایت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت دشمن نوازی ^۲ اختتام کا جذبہ اور ان کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے، وہ نہ صرف آشنا پر دوست نواز

ہوتا ہے، بلکہ دشمن کا احسان مند اور دشمن کے حق میں دُعا گو بن جاتا ہے، گویا دشمنی کوئی احسان ہے، کوئی نادر تحفہ اور زخمِ دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دُعا نکلتی ہے، اور اُنھ سے پھول جھڑتے ہیں۔

امیر علاء بخاری راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ صریح پڑھا۔

"ہر کہ مارا پنج دادہ را آتش بسیار باد"

(جو ہم کو رنج دے خدا اُس کو بہت راحت پہونچائے)

اسکے بعد یہ شعر ارشاد ہوا۔

ہر کہ او خاکے نمد در راہ ما از دشمنی

ہر گل کہ باغ عمرش بشکفد بے خار باد ^۳

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے تھے کہ حصار اندر بہت میں (جو موضع غیاث پور کے قریب ہے) جھوٹو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی، بُرا بھلا بھی کہتا رہتا تھا اور آپ کو تکلیف دینا پہونچانے کی فکر میں رہتا تھا، اُس کا انتقال ہو گیا، حضرت شیخ نے اُسکے خانے میں شرکت کی، دفن کے بعد اُسکے بالیں پر دو رکعت نماز پڑھی اور دُعا فرمائی کہ: "خدا یا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا بُرا سوچا"

^۱ سیر الاولیاء میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ ^۲ فوار الفوائد (۲۵) (ترجمہ) جو پہلے دست میں کانٹے بچھائے اُسکے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار ہے۔

میں نے اس کو بخش دیا تو میری جبر سے اس کو سزا دینا۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو سب پر اوردو سے موقوف پر بڑا بھلا کہتے ہیں اہم سے سنا نہیں جاتا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کرو اور ایسے آدمی سے بھگوانہ کرو۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے، دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔ فرمایا کہ: آخر لوگ بڑا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مشورہ ہے کہ: "مال صوفی سبیل است و خون او برباح" (صوفی کا مال وقف ہو اور اس کا خون روا) جب معاملہ یہ ہو تو کسی بڑا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا کیا جائے؟

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کیساتھ بدی کی جائے، لیکن مردان خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا:۔

ایکے خاندان دو تو ہم خارتھی اس خاندان باشد	اگر کوئی کا شمار کے اور تم بھی کا شمار کہ دو تو
..... میان مردمان	کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائینگے۔ لوگوں کے
ہم چنین است با نغز ان نغزی و با کوزان	در میان عام اصول یہی ہے کہ سیدھوں کیساتھ
کوزی امامیان درویشان چنین است	سیدھا اور ڈیرھوں کیساتھ ٹیڑھا۔ لیکن
کہ با نغز ان نغزی با کوزان ہم نغزی	در دیشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کیساتھ
	سیدھا اور ڈیرھوں کیساتھ بھی سیدھا۔

حضرت خواجہ کا اس بابے میں معیار تامل بند تھا کہ بڑا کمنا تو بڑی چیز ہے، وہ بڑا چاہنے کو بھی روا نہیں رکھتے ایک مرتبہ فرمایا:۔

بد گفتن اندک است اما بد خواہش ازاں | بڑا کمنا بھی بڑا ہی، لیکن بڑا چاہنا اس سے کہیں
بدتر است۔ | بڑا ہے۔

جب یہ معاملہ آپ کا سب کے ساتھ تھا تو اپنے شیخ اور ولی نعمت کے عزیزوں اور قلعی والوں کیساتھ کیوں نہوتا جن کے احسان سے آپ کا رواں رواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطار اللہ ایک لائیا بالی بیباک آدمی تھے، ایک دن قلم دوات اور کاغذ لیکر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک غفارشی خط لکھ دیجئے تاکہ مجھے وہ کوئی اچھی رقم دیدے۔ شیخ نے فرمایا کہ:۔ نہ میری اس سردار سے کبھی ملاقات ہوئی ہو نہ وہ یہاں کبھی آیا ہے، جس شخص سے بالکل جان پہچان نہ ہو اس کو رقم کس طرح لکھا جائے؟ صاحبزادے کو غصہ آگیا اور انھوں نے سخت ٹسٹ کتنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو، اور ہمارے ہی خاندان کا صدقہ پایا ہے، اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقم تم سے نہیں لکھا جاتا، یہ تم نے کیا پیری مریدی کا حال بچھایا ہے اور خلق خدا کو دھوکا دے رہے ہو؟ یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی اور اٹھ کر چلے حضرت نے دامن پر دلیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کر یوں بجا ہے ہو، خوش ہو کر جاؤ، اسکے بعد ایک رقم سامنے رکھی اور رضامند کر کے رخصت کیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شیرینی پر دہ پوشی و نکتہ نوازی یا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے اور پیش کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی

ارادہ سے آ رہے تھے، ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے، انھوں نے سوچا کہ لوگ مختلف تحائف پیش کریں گے اور وہ اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے، خادم سب کو اٹھا کر لے جائے گا، کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا؟ انھوں نے تھوڑی سی سٹی راستہ سے اٹھا کر کاغذ میں باندھ لی، جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے

ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی، مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی، انھام وہ سب چیزیں اٹھا کر لے جانے لگا، پڑیا کو بھی اٹھانا چاہا۔ حضرت نے فرمایا: اس کو ہمیں چھوڑ دو، یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے، یہ اسحاق و عالی ظرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توبہ کی، اور مرید ہوئے۔

شفقت و تعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی، شیوہ کا ملین کی یہ شفقت دراصل نبی کی اس شفقت کی وراثت اور زیارت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:-

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ	لے لوگو تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری نہیں
عَزِيزٌ عَلَيْكُمْ مَّا وَعَدْتُكُمْ خَرِصٌ عَلَيْكُمْ	سے ہو جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ -	گراں گذرتی ہو جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہشمند
(التوبہ ص ۱۶)	دہتا ہو، ایمانداروں کی تمنا بڑی ہی شفیق و مہربان ہو۔

اور اس حکم کی تعمیل ہو جس کا خطاب رسول سے ہو:-

وَأَخِصُّ جَلَدَكَ لِيَمِزَ الْبَحَّكَ	اُن لوگوں کیساتھ فروتنی کیسے پیش آؤ جو مسلمانوں میں
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. (شعراء ص ۱۱)	داجیل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ اتحاد پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سبغی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے، آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں سے فرمایا:-

”بھائی ذرا مل کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے، دھوپ میں بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں۔“

ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا غولہ نقل کیا جو حقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ ”خدا کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہو اور میں اس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں، جیسے دو کھانا میں ہی کھا رہا ہوں۔“

امیر حسن علاء سبغی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا، حاضری کو بھی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شروع حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہئے، میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرت کی زیارت کئے بغیر واپس چلا جاؤں، میں آج قاعدہ کے خلاف ہی کروں گا، حضرت نے فرمایا ”اچھا کیا“ پھر یہ شعر پڑھا۔

در کوئے خرابات و سرایے اوباش

منعے بود بیا و بنشین و بہ باش

پھر فرمایا کہ: ”مشاوخی کا معمول یہی ہو کہ کوئی ان کے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا، لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں جس وقت جس کا جی چاہے آئے۔“

یہ اہل تلوے نسیم دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلق خدا کی فکروں سے **غمخواری عام** اُن حال اور خستہ حال رہتے ہیں، وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں، اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنالیتے ہیں، یہ کہنے کا حق و حقیقت انھیں کوہی کہ:-

سایے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدین چولغ و ملی کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدین

عجب فارغ البال بزرگ ہیں، مجروح ہیں، اہل دیمال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے، ان کو ایسا فرارِ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرہ غم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہو۔ وہ عزیز اس مجلس سے اٹھے تو حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں، حضرت خواجہ نے خود ہی ارشاد فرمایا:۔

”میاں شرف الدین دورِ غم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہو شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اس سے دو چند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے، بڑا سنگدل ہے جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے، اس کے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے:۔
”المخلصون علی خطر عظیم“ مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے (اس سے بھی سمجھ سکتے ہو، کہ۔ ع)

نزدیکانِ دایمیش بود حیرانی

حضرت خواجہ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اس کی دُکھنی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقریبِ اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیرالاولیاء میں ہے کہ فرمایا:۔

”مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اُس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ، کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے۔“ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ س

می کوش کہ راحت بجائے برسد : یادست شکستہ بنانے برسد

(کو شیش کر کے کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے، یا جو دست شکستہ ہو اُس کو تمھارے ذریعے روٹی ملے)

ایک مرتبہ فرمایا کہ:۔

”قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور عین نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا“

چھوٹوں پر شفقت حضرت خواجہ اپنے قیمتی مشاغل اور اعلیٰ کیفیاتِ باطنی کے ساتھ بچوں اور چھوٹوں پر بڑے شفقت تھے، اور وہ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود ان کی دُکھنی و ملاحظت کبسلے وقت نکال لیتے تھے، ان عظیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان کو بچوں کی پوری رعایت فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھانجے کے صاحبزادے تھے، اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے تو اگرچہ بڑے بڑے بزرگ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے، لیکن آپ ان صاحبزادے کا انتظار کرتے آپ اپنے بچے کی طرح خلوت و جلوت میں ان کی تربیت و دلدادگی فرماتے تھے

خواجہ رفیع الدین کو تیرو مکان اور پیرا کی کشتی کا بڑا شوق تھا، حضرت سلطان المشائخ بڑی شفقت کیساتھ ان سے انھیں فنون کی باتیں کرتے تھے، ان کی ہمت افزائی اور تشویق فرماتے، ان فنون کی بارکیوں اور کتوں کی تعلیم دیتے تاکہ یہ خوش ہوں گے۔

جو شریف النسب و زوی استعداد و جوان اپنے زمانہ کے شوقین لوگوں کے جیسا لباس پہنتے اور ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس میں تخیل پیدا ہوتا (جس کو بعض سخت گیر ثقافت و سمانت کے خلاف سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں) حضرت خواجہ ان کی بھی دُکھنی فرماتے، اور اس کو جوانی اور زمانہ کا تقاضا سمجھ کر نظر انداز فرماتے، اور اپنے اخلاق و محبت سے ان کی اصلاح اور تربیت کی کوشش فرماتے۔

سیر الاولیاء کے مصنف ایر خور دیکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا وہ اُس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے لباس اور وضع میں ایک روز تشریف لائے حضرت خواجہ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا :-

سید بیا و بنشیں و سعادت ببر | سید آؤ بیٹھو اور سعادت میں جھٹلو

اشرہ ہی بہتر جانتا ہوں کہ اس شفقت و ملاحظت اور اس دجوتی و دلنوازی سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہوئی ہوگی اور کتنے "آہوئے وحشی" اسیردام محبت ہوئے ہوں گے اور ان کا شمار خدا کے مقبول بندوں اور شیوخ کا ملین میں ہوا ہوگا۔

حضرت خواجہ کے ان اخلاق و صفات اور صوفیہ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالی کی اس رائے اور شہادت کی تصدیق ہوتی رہی جس کا انھوں نے "تلاش حق" کے طویل سفر اور مختلف گردہوں اور انسانی طبقات کے تیسرے مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے :-

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں انکی سیرت بہترین سیرت ان کا طریق سب سے زیادہ ستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں اگر عقلا کی عقل، حکما کی حکمت اور شریعت کے درشاہوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا پاس ہے تو ممکن نہیں انکے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت کے ڈھکے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے"۔

سیر الاولیاء ص ۳۳ | النقد من الضلال۔

باب چہارم اذواق و کیفیات

محبت و ذوق

حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی نقطہ جو ان کے تمام اخلاق و احوال اعمال کا محور و وہ عشق آسمانی کی نعمت خدا داد ہے جو ان میں ابتدائے حال سے نمایاں تھی محبت کی یہ چنگاری جوازل سے اُن کی فطرت میں دلیعت تھی شیخ کبیر کی صحبت اور طریقہ چشتیہ کی نسبت شعلہ جہاں سوز بن گئی اور اُس نے مدت العمر اُن کو اور نصف صدی سے زائد دہلی اور اسکے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور اس کی وجہ سے صدیوں تک ہندوستان کی فضا عشق آسمانی کی حرارت سے گرم اور گدا ز رہی انکے تمام حالات و اشغال گفتگو اور مجالس اشعار اور اُن کے انتخاب واقعات اور اُن کی تمثیل غرض ہر چیز سے اسی سوز باطن اور اسی حرارت عشق کا اظہار ہوتا ہے۔

شعلہ آخر زہر موم و مسد

ازرگ اندیشہ ام آتش چکید

فوائد الفوائد میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے دم واپس کے واقعات بیان ہوئے تھے حاضرین میں سے ایک نے ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اشک کا نام

ان کی زبان پر جاری تھا، حضرت خواجہ آبدیدہ ہو گئے اور یہ رباعی پڑھی۔ ۵

ایک سر کوئے تو پویاں پویاں : رخسارہ بآب دیدہ شویاں شویاں

ریچا رو زو وصل تو جویاں جویاں : جاں می دہم و نام تو گویاں گویاں

(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آئے ہوں خراماں خراماں آنسوؤں سے اپنے رخسار کو دھوتا ہوں آپ کے

وصل کا جو یا اور طالب بن کر جان بھی بے رہا ہوں آپ کا نام بھی لئے جا رہا ہوں۔

اس محبت کا قہر یہ تھا کہ دل میں محبوب کے سوا کسی کے خیال کی جگہ نہیں رہی تھی، کسی دوسری طرف توجہ بھی دل پر بار تھی

ہر جہ جو معشوق باقی جملہ سوخت

ایک مرتبہ سہیلی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کبھی اتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں

جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی رہی اور اپنے دل میں کہتا ہوں کہ کہاں پڑ گیا؟ اس پر حضرت

خواجہ ابو سعید ابو بکر کا واقعہ بیان کیا کہ وہ کمالِ حال پر پہنچ گئے تو وہ کتابیں جو وہ پڑھ چکے تھے اور ان کو کوئی نہیں

رکھ دیا تھا ان کو سامنے رکھ کر ایک روز مطالعہ کرنے لگے غیبی آواز آئی اے ابو سعید ہمارا عہد نامہ آپس کر کے

آب تو دوسری چیز میں مشغول ہو گیا، خواجہ جب اس مقام پر پہنچے تو رو پڑے اور یہ شعر پڑھا۔ ۵

تو سائے دشمنی کجا در گنجی

بائے کہ خیال دوست رحمت باشد

(ترجمہ) کسی دشمن کا سایہ بھی کہاں سا سکتا ہے جہاں دوست کا خیال بھی حجاب ہے۔

اسی "سرورِ عشق" کا قہر یہ تھا کہ شب کی غلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو

بقول امیر خسرو معلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی رات کی بیماری سے آنکھیں سُرخ ہوتیں۔ امیر خسرو نے

یہ دیکھ کر کہا ہے:۔ ۵

تو شبانہ می نہائی بیجے کہ بودی اشب

کہ جنوز چشم مستنت اثر خمار دارد

اور اسی حرارتِ عشق اور سُردِ دوستی کا قہر تھا کہ پیرانہ سالی میں برابر روزہ رکھتے، تغلیلِ غذا، طویلِ شبِ بیداری

اور سخت مجاہدات کے باوجود صنعت و ناطاقی ظاہر نہ ہوتی تھی، اسی سال سے عمر مبارک متجاوز ہونے کے

باوجود چہرے پر وہی سُرخمی، اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو جوانی میں رہی ہوگی، بلکہ

اس میں روز افزوں اضافہ تھا۔

۵ محبت کی یہی حرارت اور پیش تھی جس کی تسکین کا ایک ذریعہ سماع تھا، یعنی عشقِ الہی کے شعاع

۵ اور عارفانہ ابیات کا سننا جس سے قلب کو اپنی آنچیں نکالنے اور آنسوؤں کے چھینٹنے سے

اُس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملے اور اسی کے ساتھ مجاہدات سے تھکا ہوا جسم اور طبیعت اور نفی کی

۵ سیر الاولیاء ۱۲ ۵ سیر الاولیاء

۵ سماع (بلا مزامیر) کی موافقت مخالفت میں مست کچھ لکھا گیا ہے اس میں نقطہ اعتدال یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ مطلقاً

حرام نہ کوئی عبادت و طاعت، ام مقصود اعتدالی اور عوام شرائط کیساتھ ایک تدبیر و علاج ہے اور اصحابِ سرور و اہمیت

کیلے بعد ضرورتِ براح اور بعض اوقات مفید اس سلسلہ میں مشہور شیخ قاضی حمید الدین ناگوری کا قول بڑا جامع و معتدل معلوم ہوتا ہے

ایک مجلس میں سماع کی علت و حرمت پر بحث تھی قاضی صاحب نے فرمایا کہ۔

"میں ہوں حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور براح کتا ہوں ملاؤ کی رعایت کی بنا پر پہلے کہہ دوں گا کہ بعض ہوں اور

سماع میں کوئی دوا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے شراب کے علاج کرنے کی ایسے وقت میں اجازت ہے دی ہو جبکہ ازالہ مرض

کیلے اور کوئی دوا ہی نہ ہو اور حکیموں کا بھی اس پر اتفاق ہو کہ صحت شراب کے بغیر ناکمل ہے۔ اس تقدیر پر ہر

چوٹ کھایا ہوا دماغ غذا اور تازگی حاصل کر سکے۔ مولانا دہم جو ایک بڑے صاحبِ سماع تھے اسی لئے فرماتے ہیں یہ

پس غزلے عاشقان آمد سماع ۛ کہ از و باشد خیال اجتماع

توتے گیر خیالات ضمیر ۛ بلکہ صورت گردد از بانگِ صغیر

آتش عشق از نوالم گردد تیز ۛ آں چنانکہ آتش آں جو زریز

نور حضرت خواجہ نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے :-

سماع حق مریدان و معتقدان و اصحاب ریاضت

است چوں نفس و تن ہلاک شود، اورا

حق ایست

"ان لنفسك عليك حقا"

یعنی

بدستی کہ برائے نفس برابر تو حق است،

چوں زبانے از سماع بیاساید باز اورا

بر کارے بر آید۔

ایک بزرگ مولانا کا شافی فرماتے ہیں :-

اصحاب ریاضت و ریاضت دار باب مجاہدہ کے قلوب

و نفوس احوال و کیفیات کے کثرت سے پیش

آگے کی وجہ سے کبھی کبھی اکتا جاتے ہیں اور انکو

اصحاب ریاضت و ریاضت دار باب مجاہدہ از کثرت

معاملات گاہ گاہ اتفاق آتد کہ کھلاتے

و کھلاتے در قلوب و نفوس عادت شود و بعض

و بعض کہ موجب فتور اعمال و قصور احوال بود

طاری گرد، پس شائع متاخر از برائے رفع اس

عارضہ و دفع اس عارضہ ترکیب روحانی از سماع

اصوات طیبہ و امکان قنابہ و اشعار و اشعار فہم

دشوقہ برد جسے کہ

مشرع بود

نمودہ اند

تکمان و صفت محسوس ہونے لگتا ہے اور ان پر وہ

قبض و بسط جو اعمال و احوال میں مستی اور کوتاہی

کا باعث ہوتا ہے طاری ہو جاتے ہیں اس بناء پر

شائع متاخرین نے اچھی آوازوں مناسب

نفوس اور شوق انگیز اشعار کے سننے کو اس طرح

کہ حدود و شرع سے باہر نہ ہوں ایک علاج روحانی

کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماع کی اس حکمت کے علاوہ اس کی ایک دوسری حکمت ان حضرات کے نزدیک یہ تھی کہ اُس سے حضوری کی ایک کیفیت

در دل کی لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ لحاظ بقیرہ اوقات کو بھی اپنے دامن میں لکر پاک اور نورانی بنا دیتے ہیں

ارشاد ہوا کہ :-

مردم را ہر روز حضور کجا میسر شود اگر در روزی

وقتے خوش دریافت ہمہ اوقات متفرقہ آں رو

در پناہ آں وقت باشد

و اگر در جمعے صاحب ذوق و صاحب

نعمتے باشد جملہ اشخاص در پناہ

آں شخص باشد

فرمایا آدمی کو ہر روز حضوری کمان میسر آتی ہے

اگر کسی دن کوئی وقت اچھا ہوتا ہے آجائے تو

اُس دن کے تمام متفرق اوقات اُس وقت کی

پناہ میں ہوتے ہیں دیکھو اگر کسی جمعے میں ایک

صاحب ذوق اور صاحب نعمت ہوتا ہے تمام

حاضرین اُس کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

پس یہ سماع حضرت خواجہ اور ان شائع کی (جو اسی کیفیت کے حامل اور آتش محبت سے مل رہے ہوں)

طبی کیفیت کا نتیجہ تسکین کا سامان، قوت و غذا اور رقت و حضور کا ذریعہ تھا جس کو وہ حضرات علاج اور ضرورتاً اختیار کرتے تھے اور علاج اور ضرورت کے بعد ہی اُس سے کام لیتے تھے، نہ وہ کوئی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا نہ مستقل سلوک اور شب و روز کا مشغلہ تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہ نے سماع کو ان تمام خلاف شرع منکرات و بدعات اور اسباب لہو و لعبہ جو غیر مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں اہل ہوانے یا خام کار صوفیوں نے سماع میں شامل کر لئے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے متبعین کو اُن سے اجتناب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اس طرح بیان فرمائے :-

آپ نے فرمایا :-

”سماع کی تجارتیں ہیں :- ملاں، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر صاحبِ بد کا میلان محبوبِ حقیقی کی طرف زیادہ ہو تو سماع مباح ہو اور اگر محبوبِ مجازی کی طرف زیادہ ہو تو مکروہ ہو، اگر محبوبِ مجازی کی طرف میلان کلی ہو تو حرام ہو، اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلان کلی ہو تو ملاں ہو، پس جس کو سماع کا ذوق ہو اُس کو چاہئے کہ وہ ان چاروں درجوں کو جاننا ہو۔“

نیز ارشاد فرمایا کہ :-

”سماع مباح کیلئے چند چیزیں چاہئیں :- مسیح دُسنایو والا (مستح (مُسنے والا) مسموع رجو کچھ پڑھا جا رہا ہو) آلا سماع (ذریعہ) سماع کیلئے شرط یہ ہو کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو۔ مستح کیلئے ضروری ہو کہ جو کچھ وہ سُن رہا ہو وہ یا دحق سے خالی نہ ہو۔ مسموع کیلئے شرط یہ کہ وہ بے حیائی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو۔ آلا سماع سے مراد مزامیر ہی جیسے چنگ و رباب کہ یہ درمیان میں

نہ ہو۔“

مزامیر سے نفرت و نکت

حضرت خواجہ مزامیر ذالک غنا اور بہت وغیرہ سے سختی سے منع فرماتے تھے اور جب بھی اس بارے میں کسی بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناراض ہوتے اور اس بارے میں کسی عذر کو قبول نہ فرماتے۔ سیر الاولیاء میں ہے :-

”مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ان دنوں بعض حاضر باش درویشوں نے ایک ایسی مجلس میں جس میں چنگ و رباب و مزامیر تھے شرکت کی اور رقص کیا۔ فرمایا :- اچھا نہیں کیا، جو خلاف شرع ہو وہ ناپسندیدہ ہو۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ جب باہر آئے اور لوگوں نے اُن سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا، اُس مجلس میں مزامیر تھے آپ نے سماع کس طرح سُنا اور رقص کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ تہ نہیں چلا کہ مزامیر میں یا نہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے سُکر فرمایا کہ :- یہ جواب بھی کچھ نہیں یہ بات تو ہر محصیت کے متعلق کہی جا سکتی ہو۔“

حضرت خواجہ مزامیر کی ممانعت میں بڑی شدت اور برالغہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ :-

”جب عورت کو نماز میں امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے دستک دینے وقت اسکی ممانعت ہے کہ جھیلی پر جھیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی ہو اور یہ لہو ہے۔ جب لہو و لعب سے آئنا پر ہیز آیا ہے تو سماع میں بطریق اولیٰ مزامیر کی ممانعت ہونی چاہئے۔“

سماع میں آپ کی کیفیت

حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اللہ نے درد و ذوق عطا فرمایا ہو اُس کو بغیر مزامیر کے ایک ہی شعر منکر رقت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جسے عالم ذوق کی خبر نہیں اُسکے سامنے پڑھنے والے کہتے ہی پڑھیں اور کہے ہی مزامیر کیوں نہ ہوں اُس پر کوئی اثر نہیں ہوتا اسلئے کہ وہ اہل درمیں سے نہیں ہے اس کام کا تعلق درد سے ہے نہ کہ مزامیر وغیرہ سے۔

چنانچہ حضرت خواجہ کا حال یہ تھا کہ عارفانہ اور عاشقانہ اشعار سنستے ہی آپ پر سخت رقت طاری ہوتی لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی امدام رومال دیتے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہوتے جاتے یہ دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ آپ پر گریہ طاری ہوئے۔

امیر خوردر جو خود بھی اپنی کہنی میں ان مجالس سماع میں شریک ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنے والد اور چچا سے ان فریفت مجلسوں اور ان وجد انگیز اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو وہاں پڑھے گئے کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ بہت سے شعر پڑھے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی یہاں تک کہ کوئی ہندی کا دوہا یا فارسی کا کوئی عاشقانہ شعر پڑھا دیتا اور مجلس کیفیت ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قریباً نے ایک مجلس آراستہ کی مشائخ و محد و رشہ کا اجتماع تھا سہا سہا شروع ہوا کہنے والے بہت کچھ منانے سے کچھ اثر نہیں ہوا آخر حسن ہمدی قوال نے یہ شعر پڑھا۔

در کلبہ در ویشی در محنت بیخویشی
گزار مرا با من ہر سوئے کن افسانہ

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ برگریہ اور ایک حالت طاری ہوئی اور اُس کیفیت کا تمام حاضرین مجلس پر اثر ہوا اور سب کیفیت ہوئے۔

ایک دوسری مجلس کا ذکر جو بالا خانہ پر مجلس ہو رہی تھی امیر خسرو کو ملے تھے اور سلطان المشائخ ناما سازی طبع کی وجہ سے بارپائی پر تشریف رکھتے تھے جس ہمدی نے سعدی کا یہ شعر پڑھا۔

سعدی تو کیستی کہ در آئی دریں کمت

چنداں فدا دہ اند کہ اصبہ نامعیریم

حضرت خواجہ برگریہ طاری ہوا اور اس میں ادب گئے خواجہ اقبال رومال بڑھاتے جاتے تھے اور آپ آنسو پونچھ کر حسن ہمدی کی طرف اُن کو بڑھاتے تھے کچھ دیر کے بعد سماع ختم ہوا امیر حاجی فرزند امیر خسرو نے امیر خسرو ہی کی غزل پڑھنی شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار

کین عشق تیغ بر سر دہان میں زدہ است

حضرت خواجہ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کا غلبہ ہوا۔

ایک مرتبہ امیر خسرو نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا۔

رخ جملہ را نمود مرا گفت تو بہیں

زین ذوق مست بجزم کیں سخن چہ بود

آپ نے گوشہ چشم سے امیر خسرو کو دیکھا اور کیفیت طاری ہوئی۔

سام ملو پر جس شعر پر حضرت خواجہ کو ذوق آتا تھا دہلی کی مجلسوں اور شرکیہ گلیوں میں عرصہ تک اس کا چرچا رہتا تھا اور لوگ اس سے لطف لیتے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے سلطان علاء الدین نے بھی اہل دوبار اور حضرت خواجہ کے یہاں آنے جانے والوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ جس شعر پر حضرت خواجہ کو ذوق آئے اُس کو

یاد رکھا جائے اور بادشاہ کو سنا یا جائے اکثر جب بادشاہ نے وہ شعر سنا جس پر حضرت خواجہ کو ذوق آیا تھا تو بڑی تعریف کی اور دیر تک ذوق لیتا رہا۔

ذوق قرآن

قرآن مجید کا ذوق اسکے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کی کثرت مشائخ چشت کا خصوصی ذوق اور ان کی قدیم روایت ہے۔ خواجہ بزرگ معین الدین چشتی سے لیکر حضرت خواجہ نظام الدین تک ہر ایک کے یہاں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور شغف ملتا ہے اور ہر ایک نے اپنے خلفاء خاص اور مریدین یا احتصاص کو حفظ قرآن اور اشتغال بالقرآن کی تاکید کی ہے۔

علافت دینے وقت شیخ کثیر نے حضرت خواجہ کو حفظ قرآن کی وصیت کی تھی حضرت خواجہ نے یہ وصیت پوری کی اور دہلی پہنچے ہی اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ اپنے مریدین اور اصحاب خاص کو بھی اس کی ترغیب دینے لگے تھے اور تاکید فرماتے تھے۔ اے حسن علیا! سبھی جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے اور شعر و شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا۔ حضرت خواجہ نے ان کو بلایت کی کثرت ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ اے میر نوائے الفواد! فرماتے ہیں۔۔

بارہ از حفظ مبارک مخدوم شنیدہ ام می باید	بارہاں مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے
کہ قرآن خواندن	یہ لفظ سنے ہیں کہ چاہئے کہ قرآن کا پڑھنا شعر
بر شعر گفتن غالب آید	کنے پر غالب آجائے۔

پھر ان کو حفظ قرآن کی بلایت ہوئی۔ انہوں نے ایک نثر یاد کر لیا تو ارشاد ہوا۔۔

دیگر ہا اندک یاد گیر و یاد	تھوڑا تھوڑا یاد کرو اور اگلا یاد کیا ہوا
----------------------------	--

۱۰ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: "ازملا از نظر حسن گیلانی" (جلد دوم)۔

۱۱ نوائے الفواد

گرفتہ پیشینہ فروری ۱۹۱۰ء | دہرائے رہو

مولانا بدیع الدین اکتی کے صاحبزادے خواجہ محمد حسن نے خواجہ کی کفالت پرورش میں تھے ان کو بھی قرآن مجید یاد کر لیا خواجہ محمد امام بڑے اچھے حافظ و خوش الحان تھے ان کو اپنے نانا کا امام بنایا تھا ان کی قرأت سے آپ بڑے غفلت فرماتے اور آپ کو ان کی قرأت سنا کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔ ان کے دو سر بھائی خواجہ موسیٰ بھی حافظ و قاری تھے مولانا خواجہ کو جب ستر خان پر بیٹھے تو پہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کچھ قرآن شریف پڑھتے اس کو دعائے ماندہ کہتے تھے اس کے بعد کھانا شروع ہوتا اپنے نواسوں (خواجہ زادہ کے صاحبزادگان) خواجہ رفیع الدین وغیرہ کو بھی قرآن حفظ کر لیا خود بھی نوافل میں قرآن شریف پڑھتے اور خاص خدام سے دریافت فرماتے کہ ان کا کیا معمول ہے۔

شیخ سے تعلق

یوں تو جو شخص جس سے کوئی نعمت پاتا ہے (اگر اس کی طبیعت میں شرافت اور احسانندی کا بذر ہے) اس کا گرد بدہ ہوتا ہے اور اس کو اپنا نمونہ سمجھتا ہے لیکن حضرت خواجہ کو اپنے مرشد سے عاشقانہ اور الہامی تعلق تھا اور ان کے احتصاص و اقتدار اور روحانی ترقیات میں اس کو خاص دخل تھا اس نعمت کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو ان کو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہو جاتی اور وہ انہیں کو اس کا مصداق سمجھتے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زندگی میں ایک مجلس میں قوال نے یہ شعر پڑھا۔

مخرام بدیں صفت بسا دا

کز چشم بدت رسد گزند

فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ کے اخلاق و اوصاف ان کا فضل و کمال اور ان کی لطافت و زیبائی یاد آگئی۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیان نہیں ہو سکتی قوال نے پاپا کہ آگے بڑھے میں نے بار بار وہی شعر پڑھوایا یہ ذکر کر کے آپ پر

۱۲ سیر الاولیاء

۱۳ نوائے الفواد

۱۴ سیر الاولیاء

۱۵ سیر الاولیاء

الحق في القلوب والنفوس

باپ خبہ

افادات و تحقیقات

علمی بیایہ حضرت خواجہ باطنی کمالات کے ساتھ علوم غامضی میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے۔ اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند مرتبہ محنت اور اہتمام سے پڑھا تھا۔ ان کے اساتذہ میں اُس عہد کے نامور ترین فضلا اور شیوخ ہیں ادب اور علوم دینیات کی تعلیم انھوں نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا مسعود الدین خوارزمی سے پائی تھی۔ حدیث کا درس مولانا کمال الدین زاہد محمد ابن احمد مارکلی سے لیا جو صاحب شارق الانوار امام حسن ابن محمد الصغافی کے شاگرد اور بیک وسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ کبیر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے پڑھ کر علم میں مزید بڑھایا حاصل کی۔

علمی و ادبی مناسبت اگرچہ اپنی مناسبت فطری اور شجہ کی نسبت باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق و احوال اور "اسم" سے زیادہ "نفسی" میں شغولیت بڑھتی گئی، پھر بھی علم و ادب کے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا کن الدین چغتائی نے کثرت اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان الاشباح کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچائیں۔ یہ دونوں کتابیں مشہور حضرت فیاضی فاضل علامہ محمود جبارا شہ

زعمری (متوفی ۵۲۳ھ) کی تصنیف میں پہلی کتاب سیر میں ہذا اور دوسری نو میں اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیر الاولیاء میں ہے کہ تہ خاوش ابن یسہ محمد کرمانی مجلس خلوت میں خزانہ خاص حضرت خواجہ کی خدمت میں پڑھتے تھے۔ آپ کا ابلی فوق آنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ بیز خسرو بیت سرآمد روزگار شاعر و جو اپنے طرز میں بے نظیر اور فارسی کے سب سے اول کے خوار ہیں کہ شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ابتدا میں بیز خسرو جو غزل کہتے تھے اُس کو حضرت سلطان الاشباح کی خدمت میں بظہر اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت نے ان سے فرمایا کہ صفا ہندوں کے طرز میں کہا کرو۔

حدیث فقہ پر نظر سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں مسئلہ سماج پر جو مجلس مناظرہ ہوئی تھی اُس میں حضرت خواجہ نے مسئلہ پر جو تقریر اور اس کی تصحیح فرمائی اُس سے بھی حضرت کے علمی تربیہ اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے عہد سے پہلے کتب صحاح منہادل نہیں ہوتی تھیں اور صحیحین تک کے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے۔ حدیث میں مشارق الانوار اور مشکوٰۃ سرایہ علمی اور فن حدیث کا منتہی سمجھی جاتی تھی۔ کثرت موضوع اور تنوع احادیث و موقوفوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظات مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔ فقہ حدیث اور موضوعات کا علم علامہ محمد طار مینی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی جہت سے بے عمل رہا کرتے تھے جو زبان زد خلوت ہیں (استدلال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیث صحیحہ کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں۔ فوائد الفوائد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے؟۔ المستحق حبيب الله

سیر الاولیاء، ص ۲۱۲

سیر الاولیاء، ص ۲۱۲

سیر الاولیاء، ص ۲۱۲

دان کان کافرا: فرمایا: کسی کا مقولہ ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ:۔ یہ اربعین (چهل حدیث) کی حدیث ہو۔ فرمایا:۔ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے۔

اپنے شاخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی ظلم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی اور اس کو سلیکس اور ان لوگوں کے لئے جو ارشاد و تربیت کا کام کر رہے تھے بہت ضروری سمجھے تھے۔

اہمیت علم

لے نور العباد مکتبہ

اس موقع پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ صحیحین کے مرتب سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر وہ صحیحین کے تراجم طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے ان سے علماء و مشائخ کا اشتغال نہیں تھا۔ خود آپ نے بھی اگر مجلس مناظرہ کی روداد صحیح ہے (مجلس مناظرہ میں جن حدیثوں کو علت سماع کی دلیل کے طور پر پیش کی گئی ہے وہ صحاح کی احادیث نہیں ہیں اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ کچھ بلند نہیں ہے۔ فریق مقابل کے علماء نے بھی جو اکابر علماء اور اعیان قضاۃ میں سے تھے جس طرح گفتگو اور استدلال کیا ہے اُس سے علم حدیث سے نہایت ان کی بے خبری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ایک عالم دین کو اسکے بارے میں جو ردیہ اختیار کرنا چاہئے اس کی کمی کا بھی احساں ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور فقہ حدیث اور جرح و تعدیل کے فن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے حلقہ ہائے علم میں بہت سی ایسی کوششیں بیان تک کہ سجدہ و تفسیر و تالیف تھیں اور بہت سے بے اوقات و ایام کے فضائل کی روایات شہرہ تھیں اور مشائخ کے لفظیات میں ان کا بڑی آب و تاب ذکر آتا ہے جن کا احادیث کے صحیح مجموعوں میں کوئی وجود نہیں اور محدثین ان پر سخت غلام کرتے ہیں۔ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرات محدثین اور ان مخلصین کی کوششوں کی قدر ہوتی ہے جنہوں نے ہندوستان میں حدیث کی شاعت کی اور صحیح و ضعیف احادیث میں امتیاز پیدا کیا

شکرا للہ مساعیہم

ہنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں مفتی سراج الدین کے نام سے مشہور ہوئے اور جو ہندوہ کی مشہور عالم حشری خانقاہ کے بانی اور سرعلاقہ ہیں۔ کھنوتی سے بہت ارادت دہلی آئے اور حضرت خواجہ کے مرید ہوئے۔ آپ نے مولانا فخر الدین زراوی سے فرمایا کہ:۔ یہ جو ان بڑی قابلیت رکھتا ہے اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو دودھ میں شکر ہوتا۔ یہ بات سنکر مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ:۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں لے کر ضروری مسائل یاد کروا دوں۔ فرمایا کہ:۔ یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہے۔ مولانا فخر الدین ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور عرصہ قلیل میں علم سے نہایت پیدا کر دی۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد بھی وہ کبیل علم کیلئے کچھ عرصہ دہلی میں ٹھہرے پھر وطن واپس آگئے اور شرق و ہنگال میں سلسلہ چشتیہ نظام کی اشاعت کا ذریعہ بنے۔

علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت اخلاص اور فکر و محادات کی بنا پر آپ کو ان بلند علوم و مضامین

ہی کو لاکر تاج اور جو صفائے باطن طہارت اخلاق اور اخلاص کا لازمی نتیجہ ہے اور جس کو اہل تصوف علوم لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں گھٹک ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا آپ اپنے نور باطن سے ان کا جواب شافی عطا فرماتے۔

لے لغتائے توجواب ہر سوال

شکل از قوعل شود بے قیل و قال

آپ اُس مسئلہ پر ایسی تلخ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت میں نہ جاتے اور ایک دوسرے کے کہ یہ کتباتی جوابات نہیں ہیں یہ الہام ربانی اور ظم لدنی کے فیوض ہیں اسی بنا پر شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوف کے منکر اور اہل تصوف کے مخالف مشہور تھے حضرت خواجہ کے حلقہ گوش اور اپنے علمی غرور اور زعم پر نادم ہوئے اور آپ کے خدام اور اراکین

لے سیر العارفین وغیرہ۔

خال ہو گئے۔

علوم صحیحہ شرعیہ

اس علمی رسوم، اتباع سنت اور استقامت علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا سلیم اور مستقیم بنادیا تھا کہ اہل تصوف میں جو باتیں عرصہ دراز سے ظاہر شریعت کے خلاف تھیں، آپ نے ان کو قبول نہیں کرتے تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق ان کے خلاف تھی۔

تصوف کے مقلدوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہو رہا تھا کہ ولایت نبوت سے افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اسلئے کہ ولایت عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور ماسوائی اللہ سے انقطاع اور نبوت میں (دعوت و تبلیغ کی وجہ سے) مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے، پھر اس میں اور کئی مذہب پیدا ہو گئے اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے، لیکن آپ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

فوالہذا انہوادیں ہے کہ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ: یہ مذہب باطل ہے اس سبب کہ اگرچہ انبیاء و مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں، لیکن جس وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس مشغولیت کا قلیل سے قلیل زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔

تصوف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور شہور کیا گیا ہے کہ تصوف تطل اور حلال مانع راہ خدا نہیں بیکاری دینے والی کا نام ہے اور ہر اشتغال وصول الی اللہ سے مانع اور

سیر الاولیاء

۱۰۰ فوالہذا انہوادیں ہے کہ حضرت مجدد الملتانی نے تمام مذاہب کو انبیاء میں مشغولی مخلوق کی حالت میں بھی اولیاء سے (یعنی اس وقت جب وہ حق کیساتھ مشغول ہوتے ہیں) زیادہ متوجہ الی اللہ اور مشغول باللہ ہوتے ہیں، انکی مشغولیت بحسنی چونکہ حکم اکمل سے ہوتی ہے اسلئے وہ میں مشغولیت بھی اور امرات کی کا احوال ہوتا ہے۔

راہ سلوک کا بہترین ہے۔ حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور مسائل و رسوم سے بلند ہو کر مقاصد اور لب لباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی اس کا مقتضایہ تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے اور فعل حلال و مشروع کی نورانیت اور اس کا ذریعہ قرب ہونا آپ کی نظر میں تھا۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات جو جامع الکمل میں ہیں کہ حضرت خواجہ نظام الدین نے فرمایا:۔

ہی کے (چینیے) کہ حلال است مانع راہ خدائی | کوئی چیز جو حلال ہے راہ خدا کی مانع اور مانع نیست قاطع سلوک نیست اگر نہ مشروع و حلال بود | سلوک نہیں در نہ مشروع و حلال نہ ہوتی۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف توجہ قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں دل و ادب پاک نفس چاہئے، اس کے بعد جس کام میں رہنا ہو رہو، تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔

ترک دنیا کی حقیقت ترک دنیا اور حقیقی زہد و درویشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ترک دنیا آن میت کہ کسے خود را برہنہ کند | ترک دنیا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی اپنے کو خلنا لنگو تھا بند و بنشیند | ننگا کرے مثلاً لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے، ترک دنیا آن است کہ لباس پوشد | صحیح معنی میں ترک دنیا یہ ہے کہ کپڑے پہنے کھانا کھائے اور جو کچھ میسر آئے اس کی استعمال و طعام بخورد و اونچمی رسد و ابد اردد

۱۰۱ جامع الکمل

۱۰۲ یعنی مشروع و جہد معاشی اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔

۱۰۳ سیر الاولیاء

ذبح او میل نکند و خاطر متعلق چیزے | کرے لیکن اسکے جمع کرنے کی طرف توجہ نہ دواؤ
نہاد و ترک دنیا است۔ | اپنے دل کو کسی چیز میں پھنسائے نہیں سی ترک کرنا

فرمایا:۔ طاعت کی دو قسمیں ہیں لازم اور متعدی۔ طاعت لازمی
طاعت لازم و متعدی اے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے جیسے

نماز روزہ حج اور ادویہ و تسبیحات وغیرہ۔ طاعت متعدی وہ ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے
مثلاً دو مسلمانوں میں اتفاق کرادینا شفقت دوسرے کے ساتھ ہر بانی وغیرہ اس کو طاعت متعدی
کہتے ہیں اور اس کا ثواب بیکر دے اندازہ ہے۔

طاعت لازمی کی قبولیت کیلئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے اور طاعت متعدی جس طرح
بھی کرے گا ثواب ملے گا۔

ارشاد ہوا کہ اولیاء سے جو کچھ اظہار ہوتا ہے وہ اُن کی سکروستی کا نتیجہ ہوتا
کشف و کرامات حجاب اسلئے کہ وہ اصحابِ کرام کے برعکس انبیاء و اصحابِ معصومین کے
کیلئے کشف و کرامات حجابِ راہ میں محبت سے استقامت پیدا ہوتی ہے۔

فرمایا کہ:۔ یقین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ جس کو طور جس کنا چاہئے دوسرا طور عقل
علوم انبیاء و اولیاء اور تیسرا طور قدس۔ طور جس میں طہومات (کھانے پینے کی چیزیں) شہوات (جن کی
جو شہو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات معلوم ہوتی ہیں اسکے بعد طور عقل ہے اس کا تعلق دو علموں سے ہے کسی اور برائی
لیکن عالم قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسی علوم میں بدی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بدی بھی
عالم قدس میں نہیں ہے کسی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء و اولیاء کے علوم ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ جس پر عالم قدس کا دروازہ کھلتا ہے

اس کی علامت کیا ہو سکتی ہے؟ جو شخص عالم عقل میں ہوتا ہے وہ کسی مسئلہ کو بدی یا کسی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے
اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالم قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا
کہ وہ فرماتے تھے کہ غریب کچھ علوم اور واردات دل پر گزرتے ہیں انشاء اللہ اُن کو قلم بند کروں گا، اسکے بعد
بہت کچھ لکھا۔ پھر فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبطِ تحریر میں نہیں آسکا۔

ایک دن اس کا ذکر پورا ہوا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور کسی کو اس سے
دنیا کی محبت اور عداوت نفرت۔ فرمایا کہ:۔ یقین طرح کے لوگ ہیں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں
اور دن رات اُس کی یاد و فکر میں رہتے ہیں ایسے لوگ بہت ہیں کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور
اس کا عداوت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہمیشہ اُس کی دشمنی میں رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے
محبت ہوتی ہے نہ نفرت اور وہ اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے یہ پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے
اس کے بعد آپ نے حکایت سنائی کہ:۔ ایک شخص حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت مذمت
کرنے لگا حضرت رابعہ بصریؒ نے اُس سے کہا کہ:۔ برائے ہر بانی اب اسکے بعد نہ آئے گا، آپ کو دنیا
محبت معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ آپ اُس کا بہت ذکر کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے تلاوت قرآن کے مراتب اس طرح بیان فرمائے کہ:۔ پہلا
مراتب تلاوت قرآن مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اسکے معانی دل پر گزراوے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ
پڑھتے وقت اللہ کی عظمت و جلال کو دل پر طاری کرے تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق
و مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہئے کہ میں اس نعمت کے لائق کہاں تھا،

اور یہ نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پڑھنے پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے
اُس کو ذہن میں تازہ اور تھمر رکھا جائے۔

اگرچہ حضرت خواجہ نے جیسا کہ انھوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی، لیکن آپ کی سب سے بڑی
تصنیفات آپ کے تربیت کے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ خلقائے کبار اور اصحاب نامدار ہیں جو اعلیٰ صبح اور
علم صبح کا غور تھے، اور جن کے دل کی راستی علم کی گہرائی اور فہم کی پختگی و اصنیف فی العلم کے شایان شان تھی۔
ابرحسن علامہ انجری کی فوائد، اور امیر خورو کی سیر الاولیاء میں آپ کے بہت سے اقوال و ملفوظات منقول ہیں جو آپ کی
شان تحقیق کا منظر ہیں۔

۱۰ فوائد انوار

۱۱ فوائد انوار و خیر الممالک

— — — — —

باب ششم فیوض و برکات

قبل اسکے کہ اُن فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو حضرت خواجہ نظام الدین
تجدید ایمان و توبہ عام کے ساتھ تعلق اور اُن کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو

پہنچے، اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور غفلت خدا فراموشی اور نفس پرستی
کے سباب و محرکات پورے شباب پر تھے، ایک ایسی نئی دینی اور دُعاویٰ لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے
نے محسوس کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور ضرورت
بیان کر دی جائے، تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے تحت اس طریقے کو اختیار کیا گیا اور اس کے
کیا دینی فوائد پہنچے۔ راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصہ اول میں حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی
کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے :-

”خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور

معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی

اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی

اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ
مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داری دیا بند ہو
شعور و احساس ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر اپنی ایمانی کیفیات
اور دینی جذبات پیدا ہوں، اسکے اندر وہ مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو،
اور اسکے مضمحل قلبی میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو، اس کو کسی غلط خدا شناسی پر
اعتماد ہو اور اُس سے وہ اپنے امراض روحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی
اور رہنمائی حاصل کرے۔ ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہو کہ اسلامی حکومتیں جن کا
یہ اصلی فرض تھا (اسلئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں بقول سیدنا عمر
بن العزیز وہ ہدایت کیلئے مبعوث ہوا تھا: "جبارت" "تفصیل و مصلحہ کیلئے"
نہیں) نہ صرف اس فرض سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھیں بلکہ اپنے سربراہوں
اور عمال حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کیلئے مفسر اور اس کے
دست میں مزاحمتیں دوسری طرف وہ اس قدر بے گمان اور تھم پرست اور شک و اتع
زنی تھیں کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت و سیادت کی آمیزش پائیں
برداشت نہیں کر سکتی تھیں، اس کو وہ فوراً کھیل کر دکھ دیتیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں میں
نئی دینی زندگی نہیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کیلئے اسکے
عالی و کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر
ایمان و عمل اور اتباع شریعت کیلئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی
سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں اور پھر وہ امر بخیر
اُن کی دینی نگرانی و تربیت کرے اپنی کیمیا اثر صحبت اپنے شاگرد محبت اپنی اسقامت

اور اپنے نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت گرمی محبت، خلاص و لذت، جذبہ اتباع سنت
اور شوق آخرت پیدا کرے، اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انہوں نے ایک زندگی
سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے، اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں
ہاتھ دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور اُن کی
دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم
ہو گیا ہے، پھر اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق
ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان، اعتقاد و خلاص دور
اُن کے اعمال و عبادات میں ایمانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی
حقیقت ہے اس بیعت تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں
ایجاد و تجدید دین اور اصلاح سنین کا کام لیا ہے اور لاکھوں بندگان خدا کو حقیقت کا
اور درجہ احسان تک پہنچا دیا ہے۔

بیعت ایک عہد معاہدہ | یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول کے احکام کی تعمیل اور اتباع
شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا تھا۔ سلطان الشاہ بیعت لیتے وقت
بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلاتے تھے اور آئندہ کیلئے اُس سے کیا عہد لیتے تھے، کسی تذکرہ میں اُس کے
صحیح الفاظ نظر سے نہیں گذرے، لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین گنج
شکریہ کے بیعت لینے کا طریقہ اور اُن کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو الہامانہ تعلق اور ان کی پیروی کا
جو جذبہ تھا اُس سے یہی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔

ارشاد ہے :-

”جب کوئی شخص شیخ شیعہ عالم فرید الدین دکنی کی خدمت میں بیعت ارادت آتا
فرماتے پہلے ایک بار سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھو اسکے بعد سورہ بقرہ کا آخری
آیہ ۱ من الرسول سے آخر تک پڑھئے، اسکے بعد شہدائے اللہ انہ
لا الہ الا ھو۔۔۔۔۔ ان الدین عند اللہ الا سلام
نکھ پڑھئے اسکے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر اسکے شیخ اور
شیخ کے شاخ کے ہاتھ پر اور حضرت بغیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر
اور حضرت عزت (علی مجتہد) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت
کو گے اور شریعت کے راستہ اور طریقے پر قائم رہو گے :-

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے، بمع و طاعت (سننے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آگیا،
یہ بات بھی آگئی کہ اللہ کے یہاں قابل قبول دین صرف دین اسلام ہے، اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کروایا گیا کہ
یہ بیعت حاصل دست مبارک ہوئی ہے، اور شیخ کا ہاتھ اس دست مبارک کا قائم مقام ہے۔ رتبہ عزت سے اس کا بھی
عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی محبتوں سے حفاظت کی جائے گی اور دائرہ شریعت پر قائم رہا جائے گا، تجدید ایمان
اور خدا و رسول سے اپنا پورا اعتماد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ
بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک
بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی اور ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کیسے یہ تجدید ایمان اور
انقلاب حال کا فیروز بن جاتی۔

عموم بیعت کی حکمت

بیعت دارشاد میں ان حضرات نے جو وصحت و اذن عام فرما رکھا تھا اور جس
طرح بغیر کسی امتحان اور امتحان کے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ بیعت کریں اور

حلقہ ارادت میں شامل ہو جائیں، خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں جو وصحت و رعایت تھی، اس پر
بعض لوگوں کو یہ شک پیدا ہو سکتی ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو
اس میں اتنی وصحت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے
اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان الشاہ
کی خدمت میں حاضر تھا، اشراف سے چاشت تک آپ کی مروج پر درجہ نوازیاتیں مستعار رہا، اُس روز
خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ شاخ متقدمین نے مرید کرنے
میں بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ سلطان الشاہ نے اپنی ذرا مضی و عنایت سے اس کا اذن ظہم سے دیا ہے
اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں، میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں سلطان الشاہ اپنے کثرت سے
مریدوں کے خطرے پر مطلع ہو گئے، فرمایا :-

”مولانا ضیاء الدین، تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق

کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں؟

یہ منکر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لیکر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ اشکال تھا
آج بھی یہ دوسرا آیا تھا، اٹھنے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ حضرت نے فرمایا :-

”حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمت بالغہ سے ایک غامضیت رکھی ہے، اس کا

نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہ و رسم اور عاداتیں الگ ہوتی ہیں اور ان کے

مزاج و طبیعت پچھلے لوگوں کے طبائع و اخلاق سے میل نہیں کھاتے، تھوڑے

لوگ اس سے مشتاق ہوتے ہیں اور ایک تجربہ کی بات ہو۔ ارادت کی پہل یہ ہو کہ مرثیہ
 ماسویٰ الشریعہ منقطع اور مشغول من الشہو ہو جائے جیسا کہ کتب قصوں میں تفصیل کی گئی
 ہے۔ یہ شاعر مقتدر ہیں جب تک طالب ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے بیعت کا
 اہم نہیں بڑھاتے تھے، لیکن سلطان ابو سعید ابوالخیر کے عہد سے لیکر شیخ سیف الدین باختر
 کے زمانہ تک شاعر شیخ شہاب الدین سہروردی کے وقت سے لیکر شیخ شہو عالم
 فرید الدین گدائی قدس حضرت مولانا کے وقت تک کہ یہ سب حضرات سرآمد روزگار
 اور آئینہ من آیات حضرت تھے خلق خدا کا ان کے دروازوں پر جوم ہوا اور ہر طبقہ کے
 لوگوں نے ارادہ کیا، ان بندہ گانہ خدائے عزت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقانِ خدا
 کا واسع تھا سنا ہوا اور ان شاعر کی بارگاہ میں بیعت میں قبول کیا،
 اور خدائے توبہ تبرک عطا کیا، ہر شخص ان محبوبانِ خط کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا
 کہ شیخ ابو سعید شیخ سیف الدین باختری شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شہو عالم
 فرید الدین گدائی تھے اس اثر اسرارہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا اس میں مرید گردن ہائے
 کہ گویا کوئی محبوب گناہگاروں میں سے ایک عالم کو اپنے واسطے مطلقیت میں لے لے تو
 یہ ممکن ہے۔ اب میں تمہارے مسائل کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں
 کیوں زیادہ اعتیاد سے کوہم نہیں لیتا اور اپنا ایمان نہیں کرتا، ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں
 علی سبیل التواضع رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے صحیح سبب سے بے جا جاتے ہیں
 نہایت اجتماعت اور کرنے لگتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں اگر میں بھی
 شروع ہی سے اس بات کی شہادت کر دوں کہ میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی
 پایا جاتا ہے کہ نہیں، اور ان کو توبہ و تبرک کا خرقہ پہنچو خرقہ ارادت کی جگہ پر ہی نہ دو

تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آدہی ہو کم ہو جائے گی
 دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ میرے دل میں خیال لکے یا میں اسکی درخواست اور
 اہماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے
 بیعت لینے کی اجازت دی میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی
 مسکنت و بچا دگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے
 توبہ کی میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو اس کو بیعت کر لیتا ہوں، خاص
 طور پر اسے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کر چکے
 اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آ جاتے ہیں۔

عمومی زندگی پر اثر | اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ یکساں مستفیض ہوئے عام زندگی
 و معاشرت لوگوں کے اخلاق و عادات اشغال و اوقات اور اہل حکومت سے لیکر
 اہل حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا اور دار الحکومت دہلی میں جو شوکت، قوت، دولت و ثروت اور عیش و عشرت
 کا گوارہ تھا، اور سامنے ہندوستان کا مال غنیمت اور سینکڑوں ہزاروں برس کے خزانوں کے زرو جواہر مناسف
 کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیل رواں کی طرح وہاں اُنڈ
 رہے تھے۔ دینداری خدا طلبی، عشقِ آکھن، توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ صفائی معاملات، راست گفتاری
 اور دیانتداری کی کیا کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کی تفصیل اس عہد کے صاحبِ نظر و معتبر مؤرخ ضیاء الدین دہلی
 کی زبان سے سنئے۔ وہ سلطان علاء الدین غلی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۳۰۰ء تا ۱۳۰۵ء، بحوالہ حسرت نامہ مولانا ضیاء الدین دہلی، ص ۱۰۰

۱۳۰۵ء تا ۱۳۰۶ء فرزند شاہی کے اقتباس لایہ ترجمہ صبا الدین عبد الرحمن ایم اے رفیق دارالاصنافین کی کتاب بزمِ موسیقی سے
 حذوتِ ملاحظہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ۱۳۰۵ء

”سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادہ نقشبوت شیخ الاسلام نظام الدین
 شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا
 ان کے انشائیں متبرک سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا اور
 ان کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی اور ہزاروں بہ کاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری
 ہاتھ اٹھایا اور ہمیشہ کیلئے پابند نماز ہو گئے اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت
 ظاہر کی اور توبہ صحیح ہو گئی اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا اور دنیا کی
 حرص و محبت جو انسانوں کے خواہ اور فرمانبرداری کی بنیاد ہو ان مشائخ کے اخلاق قید
 اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی اور سالکوں کو تواضع اور
 وصال کی کثرت اور اوصاف بودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کا رز و دل میں
 پیدا ہونے لگی اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات
 میں سچائی پیدا ہو گئی اور ان کے مکارم و اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ دلوں
 کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی اور ان دینی بادشاہوں کی محبت
 اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی اور آسمانی مصیبتوں
 کے درد از سے بند ہو گئے اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار
 نہیں ہوئے اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے منلوں کا فتنہ
 جو سب بڑا فتنہ تھا ایسا فرو ہوا اور یہ تمام ملاحظیں اس قدر آوارہ و تباہ ہو گئے کہ اس کے
 زیادہ تباہ نہیں ہو سکتے تھے اور یہ تمام باتیں جو ان عینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے
 معاصرین کو نظر آئیں وہ شعاہ اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکام شریعت
 و طریقت کچھ جو رفتی و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا کتنا عجیب زمانہ وہ تھا جو

سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا ایک طرف سلطان علاء الدین نے
 ملک کی بہتری کے لئے تمام فتنی اور ممنوع چیزوں کو اور فتن و فساد کے اسباب کو قلعہ
 قلعہ و تشدد اور قید و بند سے روک دیا اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور
 جہاں پرستوں کیلئے گناہوں کا آلہ اور حرصوں بخیلوں اور تاجروں کیلئے سود و خیر و تجارت
 کا سامان اور فتنہ پر داندل کے لئے بغاوت کی استقامت اور ملکوں کیلئے کبر و مغرور
 خلعت اور کلمندی پیدا کرنے والا ہے اور عبادت گزاروں کیلئے نیسان و فراموشی کا
 کاباعث ہے سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا مالداروں اور حکام سے
 سختی سے لے لیتا اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ بھوٹ
 بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے سچائی اختیار کرنے
 سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور کچھ کئے کیلئے خون خرابہ میں رکھتا تھا —
 دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا حکم دے دیا
 کھولی رکھا تھا اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کاتے تھے اور اپنی مہربانی
 میں قبول کتے تھے اور خاص و عام غریب و دولت مند بادشاہ و فقیر عالم و جاہل
 شریف و ذلیل شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد آزاد و غلام، سب کو طائفہ توبہ
 اور پاک کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے بہت سے
 گناہوں سے باز آتے تھے اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی تو
 پھر از سیر توبہ کر لیتے اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے اور شیخ کی مہربانی کی شرم
 تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر
 لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے مرد و عورت

راغب ہو گئے تھے۔ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھروالوں کیساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا خواہ اس دعوام کے دلوں نے یہی اختیار کر لی تھی، مددگار کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوافہاشی وغیرہ کا ہم اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کلمہ کلام ترک نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے کم ہونے اور آئینہ ش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصویت اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔ قوت القلوب، احیاء المیتوں، ترجمہ احیاء المیتوں، عوارف، اکشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ شیری، مرصع الجواد، مکتوبات عین القضاة، الوائح و الوائح، فاضل تہمد الدین ناگوری، فوائد الفوائد میر حسن بکری کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فردوسوں سے سلوک و خلائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں سواک اور گنگھیٹ کی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹے اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند نے شیخ نظام الدین کو پچھلی صدیوں میں شیخ بنیہ اور شیخ بایزید کے مثل پیدا کیا تھا۔

عشق کا "روز بازار" تو بہ نجد و ایمان اور اصلاح حال کے اس عالم ذوق و رجحان کے علاوہ جس سے دلی کا کوچہ کوچہ متاثر ہو رہا تھا اور ایمان شامی "باب ہزار ستون" تک اس کی لہریں پہنچیں، ایک نئی تبدیلی یہ تھی کہ دماغی نخوت اور قلبی افسردگی کی اس دنیا میں جہاں نئے نوش اور بعیش کوشش کے سوا عرصہ سے کوئی صدا بلند نہیں ہوتی تھی، جذبہ آگہی کی ایک نوا چلنے لگی اور عشق کا سودا عام ہو گیا، ہر جگہ در و بہت کا تذکرہ، حقیقت و معرفت کی باتیں اور عارفانہ و عاشقانہ اشعار کی گونج تھی۔ امیر خوردمشفت سیرالاولیاء نے خوب لکھا ہے:-

کار محبت و عشق را روز بازار است در جان پہلے	محبت و عشق کے کار و بار کا زمانہ میں ایک
آمدے و حلقی را	بازار آگ گیا، لوگوں کو سماع کی حکایات کے
در آں دریاں راحت جز حکایت سماع و	سننے، اخلاص و نیاز مندی، شفقت و نرمی
اخلاص و نیاز مندی، شفقت و ایست و دل	و بخوبی اور اہل دل کے قدموں پر سرکھینچے
در یافتن و سر دزیر پائے اہل لان نہاد	کے علاوہ کسی اور بات سے راحت نہیں
کارے دیگر نہ بود۔	حاصل ہوتی تھی۔

اس سلسلہ ارشاد و تربیت اور طریقہ عشق و محبت کو مند و ستان میں دور دورہ خلفاء کی تربیت ایک پھیلائے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے آپ نے اپنے عالی استعداد، سراپا اخلاص، خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا، ان میں وہ سب اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش فرمائی جو مشائخ کاملین کے لئے ضروری ہیں، ان سے مجاہدات کرائے، ان کے قلوب کی نگرانی کی، ان میں جو عالی استعداد رکھتے تھے لیکن زیور علم سے عاری تھے، ان کی تعلیم و تکمیل کا بندوبست کیا، ان میں سے جن کے

دلوں سے ابھی تک بحث و مناظرے کا نشہ نہیں گیا تھا، اُن کی اصلاح فرمائی، جو خلق خدا کی رہنمائی اور جماعتی زندگی کے اہل تھے، لیکن انھیں گوشہ نشینی، عزت گزینی اور انفرادی عبادات و مجاہدات کا ذوق تھا، اُن کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور "خلق خدا کی جفا و قضا" کو برداشت کرنے پر مجبور کیا، اصلاح و تربیت کا جو عالمگیر کام آپ کے پیش نظر تھا، اور اپنے خواص اصحاب کے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا، اس میں جو چیز خارج اور مزاحم نظر آئی، آپ نے اُس کو ترک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن بلند حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا وطنی تعلق اودھ سے تھا آپس میں ملے کیا کہ سلطان المشائخ سے پڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے کی اجازت طلب کریں، اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم متو تھا، لیکن سلطان المشائخ کے فیض صحبت سے یاد حق میں مشغول تھا، مگر جس کام میں مگر گزاری تھی اُس کا شوق بالآخر اس کا محرک ہوا، مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا اور خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت سلطان المشائخ پر یاد آئی کی ایسی کچھ تھی تھی کہ لوگوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، مولانا جلال الدین کو کچھ بڑا تھی، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو جواب کسی وقت بحث کریں؟ سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عندیہ ہے اور مولانا جلال الدین اُن کے نمائندہ ہیں، فرمایا کہ: میں کیا کروں، مجھے ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے۔

مولانا سید نصیر الدین محمود جو بعد میں حضرت خواجہ کے خلیفہ اعظم اور اہل باناشین ہوئے اور چرخِ دہلی کے نام سے اُن کا نام تمام دنیا میں روشن ہے، اس بات کے بڑے خواہشمند تھے کہ وہ کیسے کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انھوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوا یا کہ یہ ناپ چیز اودھ میں رہتا ہے، خلیق کے جہوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے، اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر

رہ کر فراغ خاطر کرے، راتوں خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا، تو ارشاد ہوا:۔

اور ابگو تراد میں ان حسیق می باید بود	اُن کے کہہ دو کہ تم کو مخلوق ہی کے درمیان ہونا
دجھا و قفا سے خلق می باید کشید و مکافات	ہوگا اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رحمی کو برداشت
اُس بیدل و ایشار و خطای باید کرد	کرنا ہوگا اور اس بدلہ سفاقت و ایشار و دنیا ہوگا۔

مولانا حسام الدین ملتانی نے خلافت کے بعد عرض کیا کہ: اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروں، اس لئے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس سے وضو کرنے میں اُل کو، طہیزان، صیدین، پٹیاں، ارشاد ہوا کہ تمہیں شہر ہی میں رہنا اور ایک عام آدمی کی طرح رہنا، سو، نفس چاہتا ہے کہ تم کو ایک آرام کی جگہ لے جائے اور ایسی جگہ رکھے کہ تمہیں جمعیت خاطر نصیب نہ ہو، جب تم شہر سے باہر چلے جاؤ گے اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کر دو گے تو پردیسی اور شہری تمہارا سراغ لگا کر پہنچیں گے اور شہر ہو گا کہ فلاں درویش فلاں جگہ مقیم ہے، اور پھر تمہارا وقت خراب کرے گا، اس کے علاوہ کنوئیں کے پانی میں علما کا، خلائق اور شریعت نے اس میں وسعت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو بڑے علیل القدر خلفاء عطا فرمائے تھے جن میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوئے:۔

چشتی خانقاہیں

- | | |
|-------------------------------|----------------------------|
| (۱) مولانا شمس الدین کینی | (۲) شیخ نصیر الدین محمود |
| (۳) شیخ قطب الدین منور ہانسوی | (۴) شیخ حسام الدین ملتانی |
| (۵) مولانا فخر الدین زردادی | (۶) مولانا علاء الدین سیلی |

(۸) مولانا یوسف چندیری

(۷) مولانا برہان الدین غریب

(۱۰) مولانا شہاب الدین

(۹) مولانا سراج الدین انجی سراج

مریدین باختصاص

(۲) مولانا محی الدین کاشانی

(۱) خواجہ ابو بکر

(۳) مولانا فخر الدین مروزی

(۳) مولانا وجیہ الدین پاملی

(۱۶) میر خسرو

(۵) مولانا فصیح الدین

(۸) خواجہ کریم الدین مکر قندی

(۷) مولانا جلال الدین

(۱۰) قاضی شرف الدین

(۹) میر حسن ملا بھری

(۱۲) شیخ مبارک گوپاموی

(۱۱) مولانا ہمایوں الدین ادبی

(۱۳) خواجہ تاج الدین دادری

(۱۳) خواجہ مویہ الدین کردی

(۱۶) خواجہ مویہ الدین انصاری

(۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی

(۱۷) خواجہ شمس الدین خواہر زادہ

(۱۹) خواجہ سالار

(۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی

(۲۱) مولانا فخر الدین میرٹھی

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ نے خلافت خاص عطا فرمائی اور اپنا جانشین بنایا۔ وہ اپنے

شیخ کے قدم قدم تھے انہوں نے نہایت نامساعد حالات اور سخت میرا سی طوفانوں میں رشد و ہدایت کا یہ

چراغ روشن رکھا۔ بقول شاعر سے

ہو اسے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں نذر خسرانہ

فیہ تعلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو فیوض و برکات پہنچے اُس میں حضرت سید نصیر الدین ہی کا ہاتھ تھا۔ پورے تیس سال تک انہوں نے سلسلہ جشتیہ کا مرکزی نظام دارا کھوسٹ دہلی میں پیچ کر کامیابی کیساتھ چلایا۔ پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے مٹھ کر دیا یعنی حضرت سید محمد گیسو دراز عرفان گاہ (م ۸۲۵ھ) جن کے متعلق کسی صاحب نظر نے کہا ہے۔

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد

والہ غلام نیست کہ او عشق باز شد

حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفہ علامہ کمال الدین (م ۷۵۶ھ) تھے جن کی اولاد اور خلفائے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب و تاب کیساتھ قائم رکھا، اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ مرنی شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مولانا شاہ فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد ہماروی، شاہ نیاز احمد بریلوی، اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے اکابر و زکا گزشتے جنہوں نے عشق الہی کا بازار گرم رکھا، اور لاکھوں بندگان خدا کے دلوں میں محبت الہی اور خدا طلبی کی آگ بھردی۔

حضرت چراغ دہلی کے خلفاء میں شیخ عبدالمقتر رکنی، شیخ احمد تھانیسری اور شیخ بلال الدین حسین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں ہر ایک شیخ وقت و مرتجہ خلافت تھا۔

۱۔ ملاحظہ ہوتا ہے فیروز شاہی از سراج عقیق۔

۲۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے حالات و کمالات کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

۳۔ ان بزرگوں کے معصل حال کیلئے ملاحظہ ہوتا ہے مشائخ جشت از پروفیسر علی احمد نظامی۔

دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس کی سزا شاہ پر کے بعد دیگرے دو شیخ اہل حضرت خواجہ نظام الدین اور
حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی متکلم ہے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوہ، لکھنؤ، دولت آباد، ملگر،
برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، معنی پور، مانک پور، سلون میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں جنہوں نے صدیوں تک
چراغ سے چراغ روشن رکھا اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علم و ہمت و عزیمت، خدمت خلق، ایثار و قربانی،
بذل و عطا، فقر و زہد، علم و معرفت کی شمع روشن رکھی اور ہندوستان کی فضا کو جس پر پے در پے مادیت اور غفلت
کے ٹپے ہوتے رہے اور کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا ملک تنکے کی طرح غفلت و تعیش کے سیلاب میں
برجائے گیا اور مضامین و درجہ کشی میں ہے وہ بھی غرق ہو جائے گی لیکن ان سوختہ سالانوں اور سوختہ دلوں نے
اس متاع کی حفاظت کی اور یہ آگ کیسے نہ کہیں سلگتی رہی ان میں سے ہر خانقاہ اور اسکے دینی و اصلاحی کارناموں
کیلئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے، خاص طور پر بنگال میں شیخ علاؤ الحق پنڈوی، حضرت نور قطب عالم پنڈوی علیہ

السلام علیہ السلام، اکو پنڈوی، اہل نام، ٹپے آپکے والد امجد لاہوری بنگال میں منصب وزارت پر فائز تھے شیخ علاؤ الحق حضرت
محبوب الحق کے مشہور خلیفہ مولانا سراج الدین عثمان اودھ معتمد، مخی سراج (م ۵۸)، کے خلیفہ اور پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی
خانقاہ کے بانی ہیں۔ سید اشرف ہماگیر بنانی کچھ جھوی (م ۸۰۰ھ) آپ ہی کے خلیفہ ہیں سندھ میں وفات پائی۔
علیہ نور الدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم القب اپنے والد شیخ علاؤ الحق پنڈوی کے خلیفہ و جانشین تھے اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت
و مرجعیت عطا فرمائی آپ کے زمانہ میں پنڈوہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی چشتی خانقاہ تھی، مجاہدات، خدمت خلق، اوبے نفسی
و نمائندگی اور انجم و حقانیت میں مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ خانقاہ میں حضرت شیخ حسام الدین حسام الحق ماکپوری (م ۸۵۳)
خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی ذات کے بارے میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

سندھ میں وفات پائی، تصنیفات میں "مونس الفقراء"، "انیس الغرباء"، "مکاتیب کا مجموعہ" یادگار ہے۔ ملفوظات
و مکتوبات میں غضب کی سادگی اور تاثیر ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ انوار، ج ۳)

دکن میں شیخ برہان الدین غریب ان کے خلفاء میں شیخ زین الدین، شیخ محبوب، شیخ کمال الدین، ناگوری مفتی پیر
ان کے خلیفہ قطب عالم عبد اللہ بن محمود بن عیسیٰ (م ۸۵۴)، اور ان کے فرزند و خلیفہ شاہ عالم گجراتی نے بڑے فقر
پر بیٹھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

مالوہ میں شیخ وجیر الدین یوسف، شیخ کمال الدین، مولانا مفتی الدین وغیرہ اودھ میں حضرت شیخ محمد بن
لکھنوی، شیخ سعد الدین قدوا، الی خیر آبادی، شیخ عبد الصمد بن صفی الدین معنی پوری، شیخ حسام الحق ماکپوری
شیخ عبد الکرم ماکپوری اور شاہ پیر محمد سلونی اور شاہ پیر محمد لکھنوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ سب سلسلہ
نظامیہ کے شیوخ کبار ہیں جنہوں نے اپنی اپنی جگہ ارشاد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھ
جاری رکھا، ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان خالص چشتی خانقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں بابا جی ایسی نامور خانقاہیں بھی قائم تھیں جنہوں کے
مشائخ کبار اور بانیان سلسلہ کو سلسلہ نظامیہ کے مشائخ چشت سے نسبت خاص اور اجازت عام حاصل تھی اور
وہ چشتی ذوق اور نسبت کے حامل تھے ان میں سے جو پنڈوہ کی خانقاہ رشیدی اور پھلواری شریعت کی خانقاہ تھیں
خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خانقاہ رشیدی کے بانی حضرت علامہ محمد رشید جو پوری (م ۸۳۰ھ) کو اپنے شیخ
طیب بنارسی اور سید احمد حکیم حسینی ماکپوری سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں اجازت حاصل تھی۔ خانقاہ بھکس کے
بانی تاج العارفین حضرت شاہ محمد محبوب اللہ قادری پھلواری (م ۱۱۱۱ھ) کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے نسبت
حضرت خواجہ علاء الدین قلندر، اور حضرت شاہ عیسیٰ الدین کرجوی کے واسطے سے پہنچا ہے، شاہ عیسیٰ الدین کرجوی
حضرت شیخ پیر محمد سلونی کے خلیفہ تھے۔

آخر میں حضرت حاجی داد اللہ ماجر کی ذات سلسلہ نظامیہ و صابریہ اور ان کی چھ بیویوں اور برکتوں کی
جانب تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو سلسلہ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے طریق سے
حاصل تھی، جن کو حضرت د. دیش بن محمد قاسم اودھی سے سلسلہ نظامیہ میں اجازت تھی۔ حضرت د. دیش کو شیخ

طریقوں سے سلسلہ انظار یہ ہو چکا تھا۔

۱۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تذکرۃ الرشید" ۲۵ (۱۳۱)۔



باب ہفتم

حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے اثرات

آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات

حضرت سلطان المشائخ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاء الدین غلی کے امراء دربار اور اراکان سلطنت میں سے ایک بڑے عمدہ دار خواجہ موبد الدین تھے۔ اُن کو حضرت خواجہ سے تعلق پیدا ہو گیا، اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ان کی طبیعت "سکرکار دربار" سے اُچاٹ ہو گئی، اور وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سلطان اُن کا بڑا قدر دان تھا، اور اُن کی ضرورت محسوس کرتا تھا، اُس نے ایک صاحب سے کہا:۔۔۔ کے ذریعہ حضرت خواجہ سے شکایت کی اور کہا کہ:۔۔۔ حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ:۔۔۔ اپنا جیسا کیا، اپنے سے بہتر۔

حضرت خواجہ کی صحبت و تربیت سے صوفی عبادت و ریاضت کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوتی تھی، بلکہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی محنت اور حوصلہ سلاطین و

کے سامنے کھڑے رہنے کی جرأت اور بے غوفی و شجاعت بھی پیدا ہوتی تھی اور یہ خدا کے نام اور مردان خدا کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہے جس میں اللہ کا خوف سما جائے گا اس میں سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائے گا اور جہول طبع دنیا سے آزاد ہو جائے گا اس پر کسی کا رعب اور اس کو کسی سے ہراس نہیں ہو سکتا جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صحیح حیثیت کا انکشاف ہو گیا وہ سلاطین عالم کے کرت و فرماں کے درباروں کے ترک و متشائم اور ان کے غلاموں اور افسروں کی صفت بندیوں اور نگاہ روبرو اور ”دور باش“ کو بچوں کے کھیل اور گردنوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا اور جہاد و جلال کی کسی نہائش کے موقع پر کھڑے رہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ حقیقی تصورات کا غماض اور مردان خدا اور درویشان کامل کا شیوہ ہے۔

ولہذا سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ ہو جس کی فحیر میں بڑے اسدائشی

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں و باہی

حضرت خواجہ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس ”اسدائشی“ اور اس حق گوئی و بیباکی کے ایسے نمونے پیش کئے جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطین و قس کے بے ربوبی حق گوئی کے نمونے
سلطان محمد غفلت کے شوکت و جبروت سے تارکا کا ہر طالب سلم و آفتاب سلطان کا ایک مرتبہ نہیں

کے پاس سے گزرتا وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر ہنسی مقام میں خیر شاہی و خراگاہ نصب ہوا سلطان نے مخلص الملک نظام الدین غریب کو جو اپنے ظلم و سادت میں اس زمانہ میں مشہور تھا ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا وہ جب حضرت شیخ قطب الدین نور (ذبیحہ حضرت شیخ بہال الدین ہانسی و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ) کے مکان کے پاس پہنچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین نور کا جو حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں، کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اس کے سلام کو حاضر نہ ہوں؟ مخلص الملک نے واپسی پر سب کیفیت عرض کی اور یہ بھی کہا کہ سلطان المشائخ کے ہانسی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کیلئے حاضر نہیں ہوتے

بادشاہ کو یہ سن کر غمہ آیا، اسی وقت حسن سر بہنہ کو جو ایک بڑا مغرور و جہاد پسند شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لئے بھیجا، حسن سر بہنہ جب مکان کے قریب پہنچا تو تنہا پیادہ یا شیخ کی دہلیز میں آکر اجازت طریق پر پہنچ گیا۔ شیخ نے بلایا حسن نے جا کر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اس نے کہا مجھے فرمان سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہر حال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا کہ اللہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جبار ہوں۔ پھر گھر والوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا، یہ کہا اور مصلیٰ کا ندھ پر ڈالا، لاشی ہاتھ میں لی اور پیادہ پا روانہ ہو گئے۔ حسن نے سواری کے لئے عرض کیا فرمایا: نہیں مجھ میں قوت ہے میں پیدل چل سکتا ہوں جب فہمی پہنچے تو سلطان کو خبر ہوئی سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں۔ دہلی پہنچ کر دربار شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے جو اس زمانہ میں نائب بار بک تھے کہا کہ ہم فقیر لوگ ہیں بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں، میرا آپ کا مشورہ ہو دیکھا جائے۔ فیروز نے جو فقیر دوست اور صحیح الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں، اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ ایوان شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو امراء و ملوک اور نقیب و چاؤش دور دیہ کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نور الدین جو ہانسی سے ہرکاب آئے تھے، کم عمر تھے، اور انھوں نے کبھی بادشاہوں کی بارگاہ دیکھی نہیں تھی، ان پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی۔ شیخ قطب الدین منور نے ان سے پکار کر کہا کہ: بابا نور الدین! الصلۃ والکبریاء للہ! صاحبزادہ کا بیان یہ کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہوئی، سارا رعب جاتا رہا، اور جو امراء و ملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اندازہ ہوا کہ شیخ آ رہے ہیں تو وہ کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لیکر تیر اندازی میں مشغول ہو گیا۔ شیخ قریب آئے تو اس نے غلاف مہول تعظیم کی اور مصافحہ کیا۔ شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا، بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں پہنچا اپنے میری کوئی تربیت نہ فرمائی، اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی؟ شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہ سے ملاقات کرے، ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور اہل اسلام کی دعا گوئی میں مصروف ہے، اس کو سزاؤ

بکھا جائے۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی بیسی مرضی ہو دیا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصد و مطلوب یہی ہے کہ اپنے دادا اور باپ کے گوشہ عافیت میں واپس جائے۔ فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی دیسی کے بعد بادشاہ نے ایک ایسے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے، جس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اس کے ہاتھ میں لکھی تھی، لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے فرمایا: نمودار بند کر یہ درویش ایک لاکھ تنکے قبول کرے۔ انھوں نے واپس آکر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ نہیں قبول کرتے تو پچاس ہزار پیش کر دو۔ شیخ نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو غلقت مجھے کیا کہے گی۔ یہاں تک کہ بات دو ہزار تک پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے مذکرہ نہیں کر سکتے۔ شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! درویش کو تو دو سیر چاول دال اور ایک دانگ کا گھی کافی ہے، وہ ملن ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا۔ بڑی کوششوں اور جیلوں سے یہ کہہ کر کہ بادشاہ درپے آزار ہو جائے گا، اپنے وہ دو ہزار تنکے قبول کئے، اور وہ بھی اپنے برادران طریقت اور اہل حاجت میں تقسیم کر کے ہنس واپس آگئے۔

جس زمانہ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو دیوگیر قتل ہو جانے کا حکم دیا، اس زمانہ میں اس نے عزم کیا کہ ترکستان اور خراسان کو بھی اپنے قبضہ میں لائے اور چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کرے۔ اسی زمانہ میں حکم ہوا کہ دہلی اور اطراف دہلی کے تمام حدود و اکابر حاضر ہوں، بڑے بڑے خیمے نصب کریں، ان خیموں میں نہر لکے جائیں، اور ان نہروں پر چڑھ کر حضرت عیساٰ (علیہ السلام) تقریریں کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اس روز حضرت خواجہ

لے تنکا پانچواں اس عہد میں ہندوستان کا روپیہ تھا۔ اس میں ایک تو لہ چاندی ہوتی تھی، یہ ترکی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی سفید کے ہیں۔ یعنی تقری سکہ۔
سیرالادین روضۃ ۲۵۲ تا ۲۵۵

نظام الدین کے خلفاء خاص مولانا فخر الدین زراوی، مولانا شمس الدین گنی اور شیخ نصیر الدین محمود کی بھی طلبی ہوئی۔ شیخ قطب الدین دیر جو حضرت سلطان المشائخ کے ایک راجع الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین زراوی کے شاگرد تھے، مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہ سلطانی میں لائے، مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا۔ کئی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے دربار میں لٹا ہوا اور بڑا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلہاڑی کھنڈے سے باز نہیں رہوں گا اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب مولانا سراپردہ سلطانی میں داخل ہوئے تو شیخ قطب الدین دیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھالیں، اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں لیکر کھڑے ہو گئے، سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کروں، آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ سلطان نے کہا یہ شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ سلطان نے یہ سنکر بیچ دنا ب کھایا اور کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت کیجئے؟ مولانا نے فرمایا کہ غصہ دباؤ۔ سلطان نے کہا کون سا غصہ۔ مولانا نے فرمایا غضب سبھی (دروہوں والا غصہ) اس پر سلطان کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ پر ظاہر ہو گیا، مگر کچھ کہا نہیں۔ کہا کہ کھانا لاؤ، خاصہ شاہی لگا، سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھا رہے تھے، مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے، سلطان اور زیادہ اظہار تعلق کے لئے ہڈی سے گوشت نکال نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا، مولانا بڑی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے، پھر دسترخوان بڑھایا گیا، اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا، رخصت کے وقت ایک ادنی پوشاک اور ایک روپیہ کی تھیلی پیش کی لیکن اس سے پہلے کہ غلقت اور کیمہ مولانا کے ہاتھ میں آئے، شیخ قطب الدین دیر نے ہاتھ بڑھا کر ان کو لے لیا۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدین دیر سے کہا کہ لے فری آدمی تو نے بد کیا حرکت کی،

لے دیر کا عہد، سکرٹری کا کھنا چاہیے۔

پہلے خیر الدین کی جو تیاں اپنے نعل میں لیں، پھر ان کی خلعت اور کیسہ سنبھال لیا، اور اُس کو میری تلوار سے بچا لیا اور اپنے سر لے ل۔ شیخ قطب الدین دبیر نے کہا کہ مولانا خیر الدین میرے استاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں میرے مناسب تو یہ تھا کہ میں اُن کی جو تیاں تعظیماً سر پر رکھتا نعل میں لینا تو کوئی بڑی بات نہیں، اور یہ خلعت و کیسہ بڑی چیز ہے، سلطان نے کہا کہ ان کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ میں قتل کر دوں گا۔ اخیر وقت جب مولانا خیر الدین دہلی کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس خیر الدین میری خون آشام تلوار سے بچ گئے، یہ

مشائخِ چشت نے اگرچہ سلاطین وقت سے بے تعلق اور اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی

اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنادیا تھا، لیکن وہ سلاطین وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غائب نہیں تھے، اور جب کبھی اُن کو صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس ذاتی موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے، ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمران ان مشائخِ چشت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہتے مفاسد کا ازالہ بہت سے منکرات کا سد باب اور بہت سے احکام شریعت اور عدل گستری اور خلق پروری کا رواج ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حسن سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، رحم دلی، امن پسندی، رفاہ عامہ، ازالہ مظالم اور تبلیغ اسلام کے ذوق، عوام کے قیام و غیرہ میں جو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی، اُس میں شکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہم و شریک ہو گا۔ سراجِ عقیق کی قوت کا فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اس کے زمانہ کی خیر و برکت، امن و امان اور سرسبزی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے: —

۱۔ بادشاہ بود فاضل و عادل و کریم و رحیم و علیم	۲۔ ایک فاضل و شریف و زراعت و شرف و ہرمان
۳۔ رعیت و سپاہی اور دامن بود نہرو و بیچ کس در	۴۔ رحم دل و بردبار بادشاہ تھا، رعیت اور فوج سب
۵۔ عہد او یا واسے ظلم نہ داشت	۶۔ اس رعیتی تھی کہ جس کو اس کے عہد حکومت میں ظلم کرنے کی

نجان نہ تھی۔

مصنف نے اُس کے آئین حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں، اُس نے کسی مسلمان یا ذمی کی سیاست و تعزیر نہیں کی، انعامات، خطیوں اور تالیفات قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت نہیں تھی۔

۲۔ خراج و محاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا، اضافہ اور تفریق کو سلاطین ماضی کا دست و پور تھا، موقوف کیا، اور رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی سماعت نہیں کی، اس کی بدولت ذات آباد اور رعایا مرفہ الحال تھے۔

۳۔ حکومت کے عہدوں اور علقوں کی صورت داری پر دیندار و خدا ترس لوگوں کو مامور کیا، کسی فرادہ گیر و بد نفس کو عہدہ نہیں دیا، الناس علی دین ملوک کھمد کے اصول کے مطابق، ظلم نہ ہوا، اور نہ پر دہان حکومت شیعہ اس کی پیروی کی تھی۔

لیکن بہت سے لوگوں کو یہ نہ معلوم ہو گا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کا خاص ہاتھ اور اس کی فیروز مندی اور کامیابیوں میں ان کی دعاؤں اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا۔

۱۷۰ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۵۵

۱۷۱ تعزیر و تعذیر کے دو نئے نئے طریقے جو سلاطین ماضی کے ایجاد کئے تھے۔

۱۷۲ تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۵۵

۱۷۳ تاریخ فرشتہ ص ۵۵ (ج ۱)

سراج مفیض لکھتے ہیں : —

چوں سلطان محمد دینال طغی در ٹھٹھ رفت خدمت
شیخ نصیر الدین را برابر خود برد چون سلطان محمد
در ٹھٹھ نقل کرد و سلطان فیروز شاہ در بادشاہی
نشست خدمت شیخ نصیر الدین بر سلطان
فیروز شاہ پیغام کرد کہ بایں خلق عدل انصاف
خواہی کرد و بایں اے اس مشتے مسکینان
والی دیگر از اللہ تبارک و تعالیٰ انعام کردہ
آید سلطان فیروز جواب فرستاد کہ بایں بندگان
خدائے تعالیٰ علم و دزم و اتفاق کنم، چوں
خدمت شیخ ایں لفظ شنید بر سلطان فیروز
جواب فرستاد اگر با خلق ایں سنیں خلق خواہی
کرد، ماہم برے تو از اللہ تبارک تعالیٰ چل سال
ملک خواست ایم، عاقبت ہم چہاں شد سلطان
فیروز تا چل سال ملک را نبرد۔

سلطان محمد شاہ ہمیشہ (۷۹، ۷۸، ۷۷) کو تمام مشایخ و کنن نے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اور اس کے ہاتھ پر حاضرانہ اور
غائبانہ بیعت کر لی لیکن حضرت شیخ برہان الدین غریب کے خلیفہ و جانشین حضرت شیخ زین الدین (م ۸۰۱ھ) نے

الہ تبارک فیروز شاہی سے

اس جناہا نکار کرد یا کہ بادشاہ شراب نوشی اور منہیات شرعی کا تمکب سے اور فرمایا : —

سزاوار بادشاہی خلق کے ہست کرد و غلطی
ملت محمدی کو شہید و سزاوار ملائیت پر ایمان
سناہی نہ گرد۔

فستہ میں جب سلطان دولت آباد میں فی احمد داخل ہوا، تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ یا تو آپ میرے دربار میں
حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریر اپنے دست خاص کی میرے پاس بھیجیں شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک تہ
کسی تقریب سے ایک عالم، ایک سید اور ایک بھڑا کافروں کے ہاتھ پڑ گئے، انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بیت خاص میں
جائیں جو بیت کا سجدہ کرے گا اُس کی جان بخشی ہوگی اور جو نکار کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا پلے عالم کو لے گئے
انہوں نے قرآن کی خدمت پڑھ کر لیا، اور بیت کا سجدہ کر کے اپنی جان بچالی، سید نے عالم کی قیادت کی جب جوڑے
کی باری آئی تو اُس نے کہا میری تمام زندگی امامت کا مومن میں گذری، میں نہ عالم ہوں نہ سید کہ ان میں سے
کسی فضیلت کی پناہ میں ایسا کام کروں، اُس نے قتل ہو جانا غلط کر لیا اور بیت کا سجدہ نہیں کیا، میرا قصہ
بھی اُسی جوڑے کے قصہ سے مطابقت رکھتا ہے، میں نکار کرے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا لیکن نہ دوبار
میں حاضر ہوں گا اور نہ تمھارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت صدمہ آیا اور شہر سے نکلی جانے کا حکم دیا
شیخ نے بلا توقف اپنی جائے نماز کا اندھے پڑوالی اور شیخ برہان الدین کے مقبرے میں جاکر ان کی قبر کی پائنتی پائی
لاٹھی گاڑ دی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب کوئی مرد نہ تو مجھے اپنی جگہ سے ہٹائے، بادشاہ نے جب شیخ
کی یہ مصیبتی اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا اور اپنے ہاتھ سے بڑھ کر کھڑکھڑا کر ممد و شہر بیت کے ہاتھ بچھا دی

اندیشہ رکھتے ہو۔

"من زان توام تو زان من باش"

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور مائیکہ کو
سے شراب خانے کیستلم اٹھا دے اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پئے اور قضاۃ و علماء
و مدراء کو حکم دے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کسی بلیغ سے کام لیں تو فقیر زین الدین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا
دوست و خیر خواہ نہ ہو گا۔ نیچے یہ شعر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا۔

تامن بزیم بجز نکونی نہ کنم جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم

آشنا کہ بجائے مابدیہا کردند تا دوست رسد بجز نکونی نہ کنم

(ترجمہ) جب تک جان میں جان پر سوائے اچھائی، نیک دلی اور نیک خوئی کے مجھ سے کچھ سرزد نہ ہو گا۔

جن لوگوں نے مجھے ساتھ بڑائی کی جب موقع ملے گا ہم ان کے ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہ کریں گے۔

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت خوش ہوا اور فرمان جاری کیا کہ القاب شاہی کے ساتھ
اس کا بھی اضافہ کیا جائے قبل اسکے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو سلطان نے مرہٹ و اڈو کی حکومت
سند عالی خان محمد کے حوالہ کی اور خود بدولت گھر گر پہنچا اور شراب کی دکانوں کو اپنی پوری حکومت سے ختم کر کے شریعت
کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوشش مبذول کی اور کمن کے چوروں و فساد یوں کو جو دُور دور مشہور تھے اور جنہوں نے
دہری کو اپنا شیوہ بنالیا تھا ختم کرنے کا انتظام کیا اچھے سات بیٹے کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہو گیا۔ ایک
روایت کے مطابق چھ بیٹے کی مدت میں چوروں و دہریوں کے بیس ہزار سر کاٹ کر اطراف و جوانب گھیر کر
ہٹائے گئے سلطان اس غرض میں حضرت شیخ زین الدین سے برابر خط و کتابت کرتا رہا اور اخلاص و عقیدت کی
راہ و رسم بڑھاتا رہا شیخ نے بھی اُس کی بہت افزائی و قدر دانی اور ہدایات اور مشوروں کی در پیغ نہیں کیا۔

لے تاریخ فرشتہ (جلد اول) از ۱۰۷۵ تا ۱۰۸۵ طبع پونا ۱۳۳۵ھ

چشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن جھٹوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں انھوں نے وہاں کی
اسلامی حکومتوں اور سلاطین و قوت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی
بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پٹنہ و وہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی
جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اس کی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی
امکانی کوشش کی نیچے پر فیض خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں :-

حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے جس زمانہ میں وہ سدا شاہ

بلوہ و افروز تھے بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گزر رہی تھی راجہ کنس (جو

بھویرے ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہو گیا تھا اور مسلمانوں کی

قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا حضرت نور قطب عالم نے براہ راست اور سید اختر

بھٹائی سمٹائی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شہر قی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی

سید اشرف بھٹائی کے مجموعے میں وہ عجیب خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں

جن میں اس سیاسی کشمکش کی تفصیل درج ہے۔ سید اشرف بھٹائی نے جو خط حضرت

نور قطب عالم کے کتبے جواب میں لکھا تھا وہ بنگال میں صوفیائے کرام کے

کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

ابن چند واقعات سے جو تاریخ کے وسیع اہل میں سے تھے نوٹہ از خروائے کے طور پر بغیر کسی تاریخی

ترتیب کے جمع کر دیئے گئے، اعلازہ ہو گا کہ مشائخ چشت کا تہتوف و محض عزت و خلوت نفس کشی اور ترک دنیا اور

لے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو راجہ امین السلاطین، راجہ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم، عنوان سلطان شہنشاہ جگنن مینا راجہ

لے تاریخ مشائخ چشت

افعال کے الفاظ میں سر بڑی اور گوسفندی و شیشی نہیں تھا، انھوں نے اپنے اپنے دور میں زمانہ کے دھارے کو بہنے اور حالات زمانہ سے پنجہ آزمائی کی بھی کوشش کی۔ جاہر سلاطین کے روبرو کھڑے کئے، ان کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو اصلاح و توبہ دینے سے بھی پس و پیش نہیں کیا، اور جب بھی ان کے اولوالعزم مشائخ کو سوجھ بوجھ ملے انھوں نے اصلاح و انقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اشاعت اسلام | سلسلہ چشتیہ کی بڑا دہندہ دستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت و تبلیغ اسلام پڑی تھی اور اس کے مافی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے، عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی بہت کچھ حضرت خواجہ کی کوششوں اور روحانیت کی رہنمائی سے ہوئی ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہ کی روحانی قوت اشرافی کمال اور عند اللہ قبولیت کے واقعات مسلمان ہوئی، اس وقت تک ہندوستان جوگ و اشرافیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے بہت سے فقیر و دنیاوی اشرافی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، یہ اصناف شاندار اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف و تصرف کی بڑی قوت رکھ کر کھی تھی ان میں بہت سے لوگ اس نوادر مسلمان فقیر کے امتحان اور اس کو زک دینے کے لئے اس کے پاس آئے لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ غریب و وطن درویش ان سے اپنی قلبی قوت اور اشرافیت میں بڑھا ہوا ہے اور ساترین فرعون کی طرح ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے اخلاق کی پاکیزگی، صفات شہری زادانہ اور بے طمع زندگی، ایمان و یقین کی قوت، خلق خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلا تفریق مذہب و ملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام و کیم کر مخالفین بھی معتقد اور دشمن بھی دوست ہو گئے۔ تذکرہ و تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جو گویا بنیادیں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہ کی اشرافی قوت اور کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں، اگرچہ ان کو تاریخی منہ سے اور قدیم تر معاصر مآخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے، لیکن ہندوستان کے

اس وقت کے ذوق و رجحان اور تہذیب کی دینی و روحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلافت قیاسیہ و مہل جس چیز نے حضرت خواجہ کا گرد و اور اسلام کا علاقہ گوش بنایا، وہ نہ ان کی قلبی قوت نہ تھی بلکہ انکی روحانیت اخلاص و اخلاق اور ان کا وہ طرز زندگی تھا جس کا چند دستان کے اہل فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

خواجہ بزرگ کے اہل سلسلہ میں سے حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی کوششوں اور توجہات کو اٹھاتا اسلام کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی مجالس اور عقائد میں ہر مذہب و ملت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں :-

محدث شیخ الاسلام فرید الدین ازہر جنس درویش	حضرت خواجہ فرید الدین کی خدمت میں ہر صنف نوع
وغیر آں بر سید	کے لوگ درویش وغیرہ درویش پہنچتے تھے۔

حضرت خواجہ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالمی استعداد قلبی قوت عطا فرمائی تھی، اس کے پیش نظر عجیب نہیں کہ اشاعت اسلام میں رو بھی معین ہوئی ہو، اور نو مسلموں کی بہت بڑی تعداد ان کی روحانیت اور کشف و کرامات دیکھ کر مسلمان ہوئی ہو۔ پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادران اور خاندان اپنے اسلات کے قبول اسلام کو حضرت خواجہ کی توجہ و توجہ کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اور اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں۔ پروفیسر آرٹلڈ اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے :-

”پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاء الدین ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔ یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گذرے ہیں۔ بابا فرید شکر گنج کا تذکرہ جو جن مصنف نے لکھا ہے، اس نے تحریر کیا ہے کہ

شہر قوموں کو انھوں نے تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام کیا لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل حال نہیں لکھا۔

حضرت خواجہ نظام الدین کو اہل ہند میں اشاعت اسلام سے بڑی دلچسپی تھی لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ محض تفریاد کہنے سننے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کر لینا باخود و منہ و قوم کا جو اپنی پختگی، قدامت پرستی، اور ذات پات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہے، محض حسن تقریر اور عطا نصیحت سے مسلمان کر لینا آسان نہیں اس کے لئے ان کے لئے موثر و موہیل صحبت کی ضرورت تھی۔

ذوالفقار میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا اور اپنے ایک ہندو دوست کو اپنے ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے حضرت خواجہ نے اس غلام سے فرمایا کہ تمھارا یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ ہاں اس کو حضرت کے قدوں میں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائے یہ سنکر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے فرمایا کہ کسی کے کہنے سننے سے قوم کا دل نہیں پھرتا ہاں اگر اس کو کسی نیک بندے کی صحبت میں آجائے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدین دہلی جیسے مرکزی مقام میں مسند ہدایت و ارشاد پر شکم رہے اور ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کے لئے کھلا رہا، یہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے مختلف ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی قومی خوش اعتقادی کی بنا پر حضرت خواجہ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے یہاں پر حضرت خواجہ کے مرکز غیاث پور سے جانب جنوب متصل واقع ہے اور

جہاں کے رہنے والوں کی رہنمائی اور شورہ پستی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہر بنیاد دہلی کے دروازے سر شام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور جن کی کئی بار غیاث الدین ٹہن کو تادیب کرنی پڑی۔ حضرت خواجہ کے فیوض و برکات اور ان کی تعلیم و تربیت کے اثرات سے ضرور مستفید ہوا ہو گا اور عجیب نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں میوانی انھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے علاقہ اثر میں بالواسطہ اور بلاواسطہ گرد و پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے جس کی فضا ان خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متاثر کیا اور ان قوموں کو جو کشف و کرامت اور روحانیت سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے، چشتی خانقاہ اور احمد آباد اور گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کو اسلام میں بالکل قرین قیاس ہے۔ گیارہویں صدی میں سلسلہ چشتیہ کے مجدد و حضرت شمس الدین احمد ابادی کو شاعت اسلام کا بڑا اہتمام تھا انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطہ ملگھے ہیں ان میں جا بجا اس کی تاکید و ہدایت ہے ان کے مطالعہ سے ان کی اس مسئلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

دراں کو شیدہ صورت اسلام وسیع گردد | اہل کو شمش کرد کہ اسلام کا دروازہ صبح اور
وذاکر اس کثیر لے | اسکے علاقہ بگوش کثیر ہوں۔
دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

بہر حال کلمہ اہل کو شیدہ از مشرق تا مغرب
ہر حقیقی بر کنیہ لے۔

پروفیسر غلیق احمد نظامی لکھتے ہیں :-

شیخ نظام الدین صاحب کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدہ اسلام ہو گئے
بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔

شاہ کلیم اللہ صاحب ایک کتب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”دیگر مرقوم پوہیہ دیارام و ہندو ہائے دیگر بسیار در رقبہ اسلام در آمدہ اند اما بامرد و قبیلہ

پوشیدہ و بی مانند۔“

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی
رکھے، مبادا بعد موت اُس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

”برادر من اہتمام نہا منہ کہ آہستہ آہستہ اس امر جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت و عقب

است مبادا احکام اسلام بعد از علوت بجا نیارند و مسلمان حقیقت را بسوزانند۔“

دیارام اگر خطے می نویسد خطے نوشتہ خواہد شد۔“

افسوس ہے کہ کسی نے مشائخ ہندوستان اور بالخصوص سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ
درآمد و مرتب کرنے کی زحمت اگوار نہیں کی، لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں اشاعت اسلام کا
سب سے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقہائے اسلام ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل تصوف میں سلسلہ چشتیہ اور اُس کے
مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے، اور اس کام میں اُن کا حقتہ بننا سب سے زیادہ ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور اُن کے خلفاء اور اہل سلسلہ کو علم کی
تعمیل و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اُس کا اندازہ حضرت خواجہ فرید الدین کے

خدمت و اشاعتِ علم

مقولہ اور خود حضرت خواجہ نظام الدین کے شیخ سراج الدین عثمان اودی (اسی سراج) بانی خانقاہ پندرہ کے ساتھ
روپیہ سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اُن کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انھوں نے علم کی تحصیل تکمیل
نہیں کر لی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس اور علم کی اشاعت و ترویج دونوں اس سلسلہ کی
تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے، اور یہ زلفاقت و در انقطاع تک قائم رہی حضرت خواجہ کے ایک خلیفہ و اہل
مولانا شمس الدین یحییٰ تھے جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا
مشہور شعر ہے۔

سألت العلم من أحياء حقاً

فقال العلم شمس الدین یحییٰ

میں نے علم سے پوچھا کہ تمہیں حقیقی حیات کس نے بخشی، اُس نے مولانا

شمس الدین یحییٰ کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مخصوص ارادت مندوں و مسترشدین میں قاضی عبدالقادر کندی (م ۱۰۰۰ھ)
اُن کے شاگرد رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۱۰۰۰ھ) اور مولانا خواجگی دہلوی (م ۱۰۰۰ھ) چند وستان کے نامور ترین
علماء و استاد الاساتذہ و مجددین علم میں سے ہیں۔ قاضی عبدالقادر اور مولانا خواجگی کے شاگرد رشید شیخ
شہاب الدین احمد ابن عمر دولت آبادی (م ۱۰۰۰ھ) فخر ہندوستان اور زاد رُہ روزگار تھے اور ملک العلماء
قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان کی علمی تاریخ میں زندہ جاوید ہیں اُن کی شرح کافیہ (جو شرح
ہندی کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہوئی) کے مضمون میں علامہ کا زردنی اور میر غیاث الدین نصوشریازی جیسی
بہت شخصیتیں ہیں یہ وہی ہیں جنکی عالیت کے موقع پر سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ بھر کر اُن پر سے تصدق
کیا، اور دعا کی کہ ملک العلماء میری سلطنت کی آبرو ہیں، اگر ان کی موت تقدیر ہی ہے تو اُن کے بجائے مجھے قبول
کر لیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الاولیاء چشتی کوردی (رحمۃ اللہ علیہ) جن کے نامور شاگردوں میں مولانا
 لطف اللہ کوردی، سید محمد ترغی کاپوری شیخ محمد رشید چوہدری اور شیخ یحییٰ بنیادی جیسے علماء کبار و شیوخ کھڑے
 مولانا لطف اللہ کوردی کے شاگرد ہندوستان کے مشہور عالم مولانا احمد میٹھوی عرف مولا جیون قاضی
 عظیم الشان کوردی اور مولانا علی اصغر قزوینی تھے جنہوں نے مدرس و مدرس کا ہنگامہ گرم رکھا اور بڑے بڑے نامور عالم
 و مدرس ان کے سلسلہ سے تیار ہو کر نکلے۔ میلہ والی مسجد کا شہرہ آفاق دارالعلوم جس کے مندرجین حضرت شاہ پیر محمد
 کھنوی (رحمۃ اللہ علیہ) تھے اسی سلسلہ سے تعلیمی و روحانی نسبت رکھتا تھا۔ خود اس نظامی (جس کی جہانگیری مسلم ہے) کے
 بانی ملا نظام الدین (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے نامور جانشین اور اہل خاندان اس سلسلہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے۔
 اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی ادبی ذوق، تہجد و علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے جو حضرت نور قطب عالم
 حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مکتوبات اور پند وہ، نگہبرگ، مانک پور، سلون وغیرہ
 کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور ویچپیوں سے عیاں ہے۔

خاتمہ کلام

قبل اس کے کہ سلسلہ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحہ تزیین ختم کیا جائے، ایک تلخ حقیقت کی طرح
 اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرد و انقلاب کے ساتھ اس سلسلہ اور اسکے بانیان کرام
 اور مسانہ نظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا، تصوف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا
 آغاز جذب قوی سے ہوا، پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کر لی۔ یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق
 و روحانیت، زہد و ایشارہ فقر و استغناء، ریاضات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا، اُس میں تبدیلی
 ایسی تبدیل ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے تین نمایاں عناصر ترک کیے رہ گئے۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک و دقیق مضامین کا اعلان
 و تذکرہ۔

(۲) محافل سماع کی کثرت و جہد و قہس کا زور۔

(۳) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔

وہ حال و رسوم اور خانقاہوں کی اصلاح کے لئے وہی غافل کے یہ اولوالعزم داعی ایران و ترکستان کے دُور و
 مقامات سے آئے تھے، خانقاہوں کا ایسا دستور اہل بن گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لئے یہ ایک عہد اور سوال بن گیا کہ اسلام
 اور دوسرے مذاہب میں (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغین اسلام مجبور ہوئے کہ تشریف لائے تھے) علماء کیا فرق ہو؟
 توحید کے لفظ کا استعمال اور دعوت توحید و جود کی معنی میں محدود ہو کر رہ گئی، سنت اور اتباع شریعت جس پر ان مشائخ
 نے اتنا زور دیا تھا، اہل ظاہر کا شعار و حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا، شریعت و طریقت دونوں ایک ایک کوچ
 تسلیم کئے گئے جن میں نہ صرف مغالطہ تھی، بلکہ تضاد و مزاحمت سماع جن کی مشائخ متقدمین نے اتنی شدت
 سے ممانعت کی تھی، داخل طریق بن گئے، درد و عشق کی جنس جو طریقہ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب فی
 کہ طالب صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا کہ۔ حج

وہ جو سچے تھے دوائے دل، وہ دکان بنی بڑھا گئے

فخر جو اس طریق کا فخر تھا، شان امیری اور سکونہ خسروی سے تبدیل ہو گیا۔

اس سب سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا سانحہ یہ ہے کہ جن ہندو گان خدا کا مقصد حیات ہی خدا کے سب بندوں کا
 سر و نیا کے تمام آستانوں سے اٹھا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکا نا اور "ماسوی" میں اٹکے ہوئے اور پھنسے ہوئے
 دلوں کو نکال کر ایک خدا سے اٹکاتا تھا، اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات
 کی تفسیر تھی۔

ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ	کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تو اس کو
الکتاب دالحکم و النبوة ثم	کتاب روین کی فہم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ
یقول للناس کو نواعبادا لی	لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا کی
من دون اللہ والکن کو نوابانین	توحید کو چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم لوگ نہ دوائے

بما كنتم تعلمون الكتاب
 وبما كنتم تدرسون ولا يا مكرم
 ان تمخذن والملئكة والنبيين
 اربابا دايما مكرما بالكفر بعدا اذا كنتم
 مسلمون .. (ال عمران - ٨٤)
 بن جاوید جو جس کے کہ تم کتاب الہی اوروں کو بھی سکھاتے ہو
 اور جو جس کے کہ خود بھی اس کو پڑھتے ہو اور نہ وہ یہ بات
 بتلائے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو
 بھلا وہ تم کو کفر کی بات بتلائے گا بعد اسکے کہ
 تم مسلمان ہو۔

انقلاب زمانے خود ان کی ذات مطلوب و مقصود اور خود ان کا آستانہ سجود و معبود بن گیا۔



مخدوم الملک

شیخ شرف الدین حبیبی منیری

رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

حالات زندگی

ولادت سے بیعت و اجازت تک

احمد نام شرف الدین لقب، مخدوم الملک بہاری خطاب، والد کا نام شیخ نجفی تھا، جو خانہ دان زیر ابن عبد المطلب کی اولاد میں تھے، اس طرح آپ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے۔ آپ کے پرانا مکان محتاج فقیر اپنے زمانہ کے بڑے علماء و شائخ میں سے تھے۔ تحلیل (خام) سے نقل سکونت کر کے بہار قصبہ شیر میں قیام پذیر ہوئے، بعض محققین نے آپ کو شہاب الدین غودی کا ہم عصر بتایا ہے۔

اب یہ شہر ملک ہاشمہ اور دینہ کا ایک شہر ہے جو بیت المقدس سے تیس دن کا سفر ہے اس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مدفون ہونے کا شرف حاصل ہے، شرفاء اور علماء کی یہ قدیم سٹی ہے، اپنی آب و ہوا کی لطافت اور اپنے ساکنین کی نرم خوئی و مہربانی اور حسن اخلاق میں مشہور ہے۔

اس وقت عام طور پر قصبہ شیر کے نام سے مشہور ہے، لیکن قدیم ماخذ و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ (بقیر مشاہیر)

مولانا محمد تاج فقیر کی ذات سے میر اور اسکے مصنفات میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی، کچھ عرصہ آپ نے میر میں قیام کر کے وطن کو مراجعت فرمائی، اور زندگی کا بقیہ حصہ خلیل ہی میں بسر کیا۔ آپ کا خاندان بدستور میر میں رہا۔

شیخ احمد شرن الدین کے نانا شیخ شہاب الدین جگ جوت سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں تھے، آبائی وطن کا شہر تھا، ہندوستان تشریف لائے اور موضع جھلی میں قیام فرمایا جو پٹنہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ شیخ اشوخی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدین میں سے تھے، مذہب و ورع اور استقامت میں پایہ بلند رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے جگ جوت (دنیا کی روشنی) کے لقب سے مشہور تھے، ان کی ایک صاحبزادی کے بطن سے شیخ احمد شرن الدین اور دوسری صاحبزادی سے شیخ احمد چرم پوش جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے، اس طرح شیخ احمد شرن الدین کا سلسلہ ماوری سادات میں سے ہے۔

دکھنا کا بقیہ عاشر، اس کا اصل تلفظ نیز تھا، فرنگ ابراہیمی جس کے دو سکے نام شرن نامہ ابراہیمی اور شرن نامہ احمد فیزی بھی ہیں اور جو سلسلہ اور مشہور کے درمیان کی تصنیف ہے کے مقدمہ میں اسکے مصنف ابراہیم قوام فاروقی نے اپنے ایک مصرع میں کتاب کا نام اس طرح منظوم کیا ہے۔ ج۔ ۱۔ "شرن نامہ احمد فیزی" یہ مصرع جب ہی موزوں ہوتا ہے جب "فیزی" پڑھا جائے۔ اس کتاب کے تذکرہ کے ذیل میں انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں اس کی انگریزی میں بھی اسی طرح ضبط کیا گیا ہے یعنی "مونیری" (MUNYARI)۔

۱۔ سیرۃ الشرن میں ہے کہ یہ قصبہ سلسلہ میں مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا۔ مصنف نے ایک قلعہ تاریخی نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔ ۲۔

یافت چون بر راجہ فیروز ظفر ۴ داد امام از دین جہانے رانوی

ہست منقول از بزرگان سلف ۴ سال آں دین محمد شد قوی

(بقیہ صفحہ ۱۷۹)

ت
ولاد

شہاب الدین کے آخری جہد سلسلہ میں قصبہ فیروز میں آپ کی پیدائش ہوئی، شرف آگئیں، تاریخ ولادت آپ کے تین بھائی اور تھے: شیخ خلیل الدین، شیخ جلیل الدین اور شیخ حبیب الدین۔

ت
تعلیم

جب آپ کی عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ اُس زمانہ میں بہت سے مالک اسلام میں عام طور پر دستور تھا کہ درسی کتابوں کے متون لفظ بلفظ یاد کر لئے جاتے تھے، اور کچھ لغت کی مختصر کتابیں بھی، تاکہ الفاظ کا ذخیرہ بچپن سے محفوظ ہو جائے۔ شیخ نے اس طرز تعلیم پر اپنی بعض بعض تحریروں میں تنقید فرمائی ہے، اور قوت حافظہ اور وقت کے اس غلط استعمال پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ بجائے قرآن مجید کے ایسی کتابیں دہرائی جائیں جو دین کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ معدن المعانی کے باب ششم میں فرماتے ہیں:-

در ایام خردگی چندیں کتاب ہمارا یاد گردانیدند	بچپن میں استادوں نے بہت سی کتابیں
چنانکہ مصادر و مفتاح اللغات و جزاکی در	یاد کرائیں، مثلاً مصادر و مفتاح اللغات وغیرہ
کتاب ہا۔ و مفتاح اللغات جزوئے بیستے خواہند	مفتاح اللغات میں جزو کی کتاب ہوگی بقصد
مقدار یک جلد یاد کرانیدند و ہر بار یاد تمام	ایک جلد کے یاد کرانی، ہر مرتبہ زبانی سنتے تھے
می شنیدند بایست بجائے قرآن یاد می کرانیدند	اسکے بجائے قرآن مجید یاد کرانا چاہئے تھا۔

افسوس ہے کہ تذکرہ میں آپ کے ابتدائی اساتذہ کے نام اور ان کتابوں اور علوم کی تفصیل نہیں ہے، جن کی آپ نے

دکھنا کا بقیہ عاشر، اس طرح یہ زمانہ پڑھنے کے قصبہ فیروز شہاب الدین قوی کی فتح ہندوستان (سلسلہ) سے قبل کا واقعہ ہے، کیا مسلمان غزنویوں کے عہد ہی میں بھارہ و بنگال کی حدود میں پہنچ گئے تھے، اور انھوں نے باہا سلاسی عبادی اور قبضہ کی بنیاد ڈالی تھی؟ تاویلی حیثیت سے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔

۱۔ معدن المعانی مطبع شرن، لاہور ۱۳۴۰ھ

وطن میں رہ کر تحصیل کی۔ اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے فیروزپور کے متوسطات تک تعلیم حاصل کی اور وقت کے بٹے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔

مولانا شرف الدین ابوتواہ سے تلمذ اور سارگاؤں کا سفر تحصیل کے جو مواقع

حاصل تھے جب آپ نے ان سے فراغت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی علمی ترقی کیلئے ایک دوسرا انتظام فرمایا۔ دہلی کے اساتذہ میں سے مولانا شرف الدین ابوتواہ جو شمس الدین التمش کے عہدِ دولت ہی کے علم و تدریس کے نظامِ شمسی کے ایک روشن ستارہ تھے۔ غالباً غیاث الدین بلبن کے عہد میں رجوع عام اور جن حاسدوں کی ریشہ وانیوں کی بنا پر اشارہ سلطانی سے متحرک وطن پر مجبور ہوئے اور اس وقت ہندوستان کی اسلامی مملکت کے آخری سرحدی شہر سارگاؤں کا قصد فرمایا، راستہ میں ہمارے گزرتے ہوئے آپ نے چند روز فیروز میں قیام فرمایا جو غالباً اس وقت دہلی سے سارگاؤں جاتے ہوئے ایک کارواں کے سر اور آباد بستی تھی، اہل قصبہ کو

سنا کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مولانا شرف الدین ابوتواہ کے فیروزپور آمدی کے وقت شیخ شرف الدین احمد کے کم ۱۲ سال کے تھے تو یہ مشہور ہو گا، اس طرح یہ زمانہ غیاث الدین بلبن کا ہے جس نے ۶۸۵ھ سے لیکر ۶۸۸ھ تک سلطنت کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوتواہ نے سلطان غیاث الدین بلبن کے اشارہ سے ہجرت اختیار کی تھی۔

”رموز مملکت خورشید خرواں دانشد“

سارگاؤں مسلمانوں کے عہد میں شرقی جگہ کا دار الحکومت تھا، اب یہ ایک غیر معروف مقام ہے جو کس پیرسی میں پڑا ہوا ہے اور پننام (PAINAM) کے نام سے منسلک تھا کہیں شمال ہے بعد یا برہم پڑاؤں سے ڈوکوس کے فاصلہ پر ہے سارگاؤں کے اطراف میں کثیر تعداد میں دیوان مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا اسلامی شہر تھا، یہ اس شہر کی طرح کا متہا تھا جس کو شیر شاہ نے بنایا تھا۔

علم ہو گیا کہ دہلی کا ایک جید عالم فیروزپور ہے۔ صاحب مناقب الامصیاء کا بیان ہے کہ شیخ مولانا شرف الدین کے تہ علمی اور صلاح و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے، اور فرمایا کہ: علوم دین کی تعلیم ایسے ہی جامع علم و عمل شخص سے کرنی چاہئے آپ نے اپنے والدین سے سنا گاؤں جانے کی اجازت مانگی، اور ان کی اجازت سے مولانا شرف الدین کی ہر کالی اختیار کی اور سارگاؤں تشریف لے آئے۔ شیخ خود اپنی کتاب ”خوان پر نعمت“ کی مجلس ششم میں استاد کے متعلق اپنے تلامذہ عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

مولانا شرف الدین ابوتواہ میں جنیں دانشمند	مولانا شرف الدین ابوتواہ ایسے عالم تھے کہ تمام
کہ تمام ہندوستان مشارالہ بودند و ہر کس	ہندوستان میں ان کی طرف انگلیاں اٹھتی تھیں
در علم ایشان شبیہ نہ بود۔	اور علم میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

سارگاؤں پہونچ کر آپ حصول علم میں ہمہ تن منہمک ہو گئے۔

صاحب مناقب الامصیاء کا بیان ہے کہ آپ کو مطالعہ اور اسباق میں اتنا انہماک تھا اور وقت کی اتنی قدر تھی کہ طلبہ اور حاضرین کے ساتھ عام دسترخوان پر حاضر ہونا اور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا گوارا نہ تھا کہ میں یہ کچھ زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مولانا شرف الدین ابوتواہ نے آپ کا انہماک اور طبیعت کا تقاضا دیکھ کر اس کا انتظام کر دیا کہ آپ کا کھانا آپ کی خلوت گاہ میں پہونچ جایا کرے۔

صاحب مناقب الامصیاء مذکورہ شاعر شیعہ فردوسی کی تصنیف ہے، جو حضرت شیخ شرف الدین احمد میری کے بنی اعلام میں سے تھے۔ آپ شیخ عبد العزیز ابن مولانا محمد تاج فقیر کے پوتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب شیخ شرف الدین کے حالات کا قدیم ترین اور خاندانی ماخذ ہے۔

خوان پر نعمت ۱۵۱ (طبع احمدی)۔

صاحب مناقب الامصیاء ۱۵۱ و ۱۵۲

شیخ کا یہ زمانہ شدید انہماک اور کیسوی میں گذرا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سناہ گاؤں کے زمانہ قیام میں وطن سے جو خطوط پہنچتے تھے ان کو آپ کسی خریطہ میں ڈالے جاتے تھے اور اس خیال سے پڑھتے نہیں تھے کہ طبیعت میں اشتیاق اور تشویش پیدا ہوگی اور حصول مقصد میں خلل واقع ہوگا۔

شیخ نے سناہ گاؤں میں مولانا کی خدمت میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی، علوم وغنیہ اور علوم نافعہ کی تکمیل کے بعد فاضل استاد کی خواہش ہوئی کہ وہ ان جن علوم کی بھی تحصیل کر لیں جن کے اس زمانہ کے نوجوان اور حوصلہ مند طالب علم کرتے تھے، مثلاً علم کیا وغیرہ۔ شیخ نے معذرت کی اور عرض کیا کہ مجھے علوم وغنیہ ہی کفایت کرینگے۔

مولانا شرف الدین ابوتوانہ نے اس جوہر قابل کی پوری قدر دانی اور سرپرستی فرمائی اور اپنی صاحبزادی سے شیخ شرف الدین کا نکاح کر کے ان کو اپنی دامادی میں لے لیا سناہ گاؤں ہی کے زمانہ قیام میں شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ ذکی الدین پیدا ہوئے۔

بعض سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ فراغت کے بعد جب آپ نے خطوط کا خریطہ لکھوا تو جو پہلا خط ہاتھ میں آیا اس میں آپ کے والد ماجد شیخ یحییٰ کی وفات کی اطلاع تھی اس اطلاع سے ماں کا خیال آیا اور محبت فرزند کی نے جوش کیا اور آپ اپنے اپنے استاد سے وطن کو واپسی کی اجازت طلب کی اور صاحبزادہ شیخ ذکی الدین کے ساتھ فیروز شریف لائے۔

شیخ یحییٰ فیروز کا انتقال باتفاق مورخین ۱۱ شعبان ۶۹۹ھ میں ہوا اسلئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی واپسی ۶۹۹ھ کے کسی مہینہ میں ہوئی اس سے زیادہ کی تاخیر کی گنجائش اسلئے نہیں ہے کہ شیخ نجیب الدین فردوسی نے (جن کے ہاتھ پر آپ نے دہلی جا کر بیعت کی) ۶۹۱ھ میں انتقال فرمایا،

لہ سیرۃ الشرف ص ۴، نزہۃ الخواطر، جلد ۲ ص ۷

لہ سیرۃ الشرف ص ۷

اسلئے فیروز دہلی اور دہلی پونچنا یہ سب زیادہ سے زیادہ ۶۹۱ھ کے آخر یا ۶۹۲ھ کے اوائل میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس زمانہ میں سفر کی صعوبت اور سناہ گاؤں سے دہلی تک کی مسافت کو دیکھ کر اس بیان کے تسلیم کرنے میں فردا شواہکی محسوس ہوتی ہے اور یہ واقعہ بھی غرابت سے خالی نہیں کہ آپ نے ۶۹۹ھ تک خطوط ملاحظہ نہ فرمائے ہوں اور والد کے انتقال کے بعد ہی خریطہ کھولنے کی نوبت آئی ہو اور اتفاق سے پہلا خط ان کے انتقال کی اطلاع ہی کا ہاتھ لگا ہو، لیکن خواہ مراجعت وطن کا محرک محض ایک خط کے اتفاقی مطالعہ کو نہ قرار دیا جائے، لیکن متنازعہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ۶۹۹ھ سے پہلے فیروز دہلی نہیں ہوئی، کیونکہ اس واپسی کے موقع پر کسی تذکرہ نگار نے بھی والد سے ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ "منہا قب الامفیا" (جو ایک خاندانی ماخذ ہے) میں ہے :-

ازاں جا قصد فیروز کرد بخدمت مادر آید	وہاں سے فیروز کا قصد کیا، ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے
..... پس را تسلیم مادر کرد	بچے کو ماں کی دادی کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کو
وگفت ایں را بجائے من دانید و	میری جگہ پر رکھئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ جہاں
مرا بگذارید ہر جا کہ خواہم بروم پندارید کہ	چاہوں جاؤں یہ مجھے لے گا کہ شرف الدین مرچا
شرف الدین مرد، بعدہ طرف دہلی رفت	اسکے بعد دہلی تشریف لے گئے اور شاہج دہلی
و شاہج دہلی را دریافت۔	کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بہر حال آپ کی بلند ہمتی، صادق طلب اور عشق اکہی کی دہلی چھکاری نے اس کی اجازت نہ دی کہ آپ ظاہری علم کی تکمیل پر قناعت کر کے فیروز قیام کر لیں اور ظاہر اظہار کی طرح محض درس و تدریس میں مشغول ہو جائیں، آپ نے کمسن صاحبزادے ذکی الدین کو اپنی والدہ صاحبہ کے حوالہ کیا، اور عرض کیا کہ اس کو میری یادگار اور

لہ مناقب الامفیا ص ۱۳، مطبع نورالآفاق کلکتہ

خانہ کا چشم و چراغ جہاں کر اپنے پاس رکھے اور دل بہلائے، اور مجھے دہلی جانے کی اجازت دیجئے کہ مقصد حقیقی حاصل کروں۔

سفر دہلی و انتخاب شیخ
بہر حال ۱۹۹۱ء کے آخر یا ۱۹۹۲ء کے آغاز میں آپ نے دہلی کو کوچ کیا، بڑے بھائی شیخ جمیل الدین ہمراہ تھے، اندازہ ہوتا ہے کہ متحر استاد کے فیض تعلیم اور اپنی جودت طبع سے آپ میں معاصر علماء و مشائخ کو ناقدانہ اور متحفظانہ نظر سے دیکھنے کی عادت ہو علوم ظاہری کے میاں پر جانچنے کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ دہلی پہونچ کر آپ نے مشائخ وقت کے یہاں حاضری دی اور ان کو اس نظر سے دیکھا کہ کس کو اپنا حاضر طریق بنایا جائے، لیکن جیسا کہ سوانح نگاروں کا بیان ہے، بزرگان دہلی میں سے کوئی آپ کی نظر میں نہیں جنما، مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق آپ نے سب کے ہاں حاضری دینے کے بعد فرمایا: اگر شیخی اہمست ماہم شیخیم (اگر یہی سیری مریدی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں) صرف حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ متاثر ہوئے، حضرت کی اور آپ کی کچھ علمی گفتگو بھی ہوئی، آپ نے سوالات کے معقول جواب دیئے، حضرت خواجہ نے اعزاز و اکرام فرمایا، اور یانوں کی ایک تھال عنایت فرمائی، اور فرمایا:-

سیر غیبت نصیب دام مانیت ..
ایک شاہین بلند پرواز ہو لیکن ہمارے حال کی
تسمت میں نہیں ہے ..

دہلی سے پانی پت آئے، اور شیخ ابو علی (عشرت الدین) ظہیر پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں بھی اپنا مقصد نہیں پایا، فرمایا:-

شیخ است اما مغلوب مال است بر تربیت | شیخ ہیں لیکن مغلوب اکمال، دوسری تربیت

دیکرے نمی پردازد | نہیں کر سکتے

شیخ نجیب الدین فردوسی

دہلی اور پانی پت سے مایوس واپس آنے پر بڑے بھائی شیخ جمیل الدین نے خواجہ نجیب الدین فردوسی کا تذکرہ کیا اور ان کا طریق اور مناقب بیان کئے، شیخ نے کہا کہ:- جو دہلی کا قطب تھا (خواجہ نظام الدین اولیاء) اُسے ہم کو پتے دیکر واپس کر دیا، اب دوسرے کے پاس جا کر کیا کریں گے؟ بھائی نے کہا کہ:- ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے۔ بھائی نے جب زیادہ اصرار کیا تو ان کی ملاقات کا ارادہ کر لیا اور دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی میں شان سے پہونچے، کہ مٹھ میں پان دبا ہوا تھا، کچھ پان رومال میں بندھے ہوئے تھے۔ جب خواجہ نجیب الدین فردوسی کے دولت خانہ کے قریب پہونچے تو ایک دہشت سی طاری ہوئی، اور بدن پسینہ پسینہ ہو گیا، تعجب ہوا، اور کہا کہ میں اس سے پہلے دوسرے مشائخ کے ہاں حاضر ہوا، لیکن یہ کیفیت کہیں نہیں ملی، جب حضرت شیخ کے ہاں پہونچے اور شیخ کی ان پر نظر پڑی تو فرمایا کہ:- مٹھ میں پان اور رومال میں بھی پان کے پتے، اور دعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں؟۔ یہ سُننے ہی آپ نے پان کو مٹھ سے نکال دیا، اور ایک رعب کی حالت میں مودب بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گزر جانے کے بعد بیعت کی درخواست کی، خواجہ نے قبول فرمایا، اور اہل سلسلہ کر لیا، اور اجازت دے کر رخصت فرمایا۔

باب دوم

ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ

اور اسکے مشائخ کبار

خواجہ نجم الدین کبریٰ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی صاحب عوارف المعارف
والامام طریقہ سہروردیہ کے علم معظم اور شیخ طریقت خواجہ ضیاء الدین
ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۶۲ھ) کے خلفاء کبار میں سے ایک بزرگ ابوالنجیب
احمد ابن عمر مشہور خواجہ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خوارزم وطن تھا، تصوف و طریق میں آپ مرتبہ عالی
رکھتے تھے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی بھی روحانی رشتہ سے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر اور اپنے
مرشد کا جانشین و قائم مقام جان کر آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ عوارف المعارف (جو اپنے

سے آپ کا لقب کبریٰ اس بنا پر جو کہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ریخت و مناظر میں و مقابل کو شکست دیتے تھے آپ کا لقب
الطامۃ الکبریٰ (بڑی آفت) پڑ گیا۔ کثرت استعمال سے الطامۃ محذوف ہو گیا اور الکبریٰ رہ گیا۔

(آخر نمبر الاصفیاء ص ۲۵۹)

مصنف کے زمانہ کے بعد سے لیکر اس وقت تک طالبین طریقت کا دستور اعلیٰ اور حرز جان ہی جب تصنیف فرمائی
تو شیخ نجم الدین کی خدمت میں پیش کی آپ نے ملاحظہ فرمایا اور قبول عام اور بقائے دوام کی دعا فرمائی۔
حضرت شیخ نجم الدین پر توحید و فنا اور عشق و محبت آپ کی کیفیت کا غلبہ تھا۔ معارف و حقائق کے
بیان میں پائے بلند رکھتے تھے۔ مناقب الاصفیاء میں ہے :-

سخن پر توحید و معرفت و در قواعد	توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے اصول
طریقت و حقیقت بیان بدیع گفتمے تصنیفاً	و قولہ کے بارے میں بڑی بلند باتیں اور
ادب عربی و فارسی و نظم و نثر بسیار است	لطیف نکتے ارشاد فرماتے عربی و فارسی اور
از ملام تصنیفات او تبصرہ و رسالہ در بیان	نظم و نثر میں انکی تصنیفات بہت ہیں انھیں
طریق سلوک دریں زمین ہستند	تصنیفات میں ایک کتاب تبصرہ و رسالہ
مشہور است۔	طریق سلوک کے بیان میں ہندوستان میں مشہور ہے۔

صاحب مناقب الاصفیاء نے آپ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جن میں عشق و سرشاری کی عجیب کیفیت
اور سوز و گداز اور محویت و استغراق کا عجیب عالم نظر آتا ہے، یہاں صرف چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں
ایک غزل میں فرماتے ہیں :-

در چنین حیرت کہ من دارم چه گویم و صفت خویش
آتشم خاکم نسیم آب دریا چہستم؟
عاشم دیوانہ ام اندر فراقم یا دصال
نیمم ہستم نہ بر جاہلم نہ بے جا چہستم؟

لے مناقب الاصفیاء ص ۹۵

دریغے شبہم ہزاراں کوہ و صحرا میں عجیب

شبہم یا ساحلِ یاکوہ و دریا چہستم؟

بے نشان شد نشان و بے زبانی شد زبان

بے نشان و بے زبانی گویاں و مینا چہستم؟

دوستانم نجم خوارزمی ہیں خوانسار و من

والہ و مدد پوش و حیراں ناچیم یا چہستم؟

دوسری غزل میں فرماتے ہیں۔

نہ از طوی خبر دارم نہ از سغلی اثر دارم + وطن بجائے دگر دارم کہ ایں جانمست آستانہ

نہ در گنج مناجاتم نہ در کوئے خراباتم + غلامِ محفل طامتم کشیدہ رطلِ مستانہ

بیاد آں جام جان افزا بر باز خاطر سودا + بروں شوازمین و از مادرائے یار فرزانہ

چوں آتش گرچہ چالاکم نہ از بادم نہ از خاکم + جوں آب از این و آں پاکم بگفتم ستر مستانہ

الے نجم گر خواہی مسلم ماہ تا ماہی

بسوئے حضرت شاہی قدم بردار مردانہ

۱۰۔ ارجمادی الاول ۱۱۱۰ھ کو خوارزم میں تاتاریوں سے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ خلفاء میں شیخ

محمد الدین بغدادی (مصنف مصداق العباد کے شیخ) شیخ سعد الدین محمود، بابا کمال بنیدی، شیخ رضی الدین عسلی لائے۔

شیخ سیف الدین باخری شیخ نجم الدین رازی، شیخ جمال الدین بکی اور مولانا بہاء الدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ خواجہ فرید الدین عطار کو بھی آپ سے ارادت تھی۔

ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد

آپ کا طریقہ طریقہ کبرویہ مکمل ہے، یہ متین طریقہ ہے۔
پونچا۔ ایک امیر شہ علی ابن الشہاب ہمدانی کشمیری (متوفی ۶۷۵ھ)

کے ذریعہ جو شیخ شرف الدین محمود ابن عبد اللہ المرقاتی کے خلیفہ تھے، ان کو شیخ علاء الدین سمنانی سے اجازت

تھی، اور وہ تین واسطوں سے خواجہ نجم الدین کبریٰ سے اجازت رکھتے ہیں۔ سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

یا سیدہ میں کشمیر تشریف لائے اور ان کی تبلیغ و مساعی تیل کے کشمیر کی بیشتر آبادی مسلمان ہوئی۔ یہ سلسلہ

کبرویہ ہمدانیہ کشمیر میں گیارہویں صدی تک سرسبز رہا، اس سلسلہ کے ایک بڑے شیخ مولانا یعقوب صہبانی کشمیری

(متوفی ۱۲۳۰ھ) تھے، جو اپنے زمانہ میں حدیث و تفسیر کے ایک بڑے عالم علامہ ابن حجر عسقلانی کے تلامذہ اور

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے اساتذہ میں سے ہیں، یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک زندہ اور موجود

رہا ہے۔

طریقہ کبرویہ کے ہندوستان پہنچنے کا دوسرا ذریعہ امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد بنی (متوفی ۶۷۵ھ)

تھے، جو خواجہ نجم الدین کبریٰ کے خلفاء میں تھے، آپ سلطان قطب الدین ایبک یا سلطان شمس الدین التمش کے

زمانہ میں ہندوستان آئے، اور عرصہ تک دہلی میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہے، پھر کوہا (مانک پور)

فتح کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کے بیک واسطہ خلیفہ شیخ علاء الدین چوہدری (متوفی ۱۲۳۰ھ) تھے۔

ان کے سلسلہ میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ سلسلہ جنیدیہ کے نام سے دکن کے بعض

مقامات میں اب بھی موجود ہے۔

۱۲۔ آپ کی نسل میں ہندوستان میں بڑے بڑے علماء و مشائخ پیدا ہوئے جن میں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی کے بڑے

خلیفہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید محمد شہید، حضرت مولانا خواجہ محمد نصیر آبادی مشہور ہیں۔ مولانا سید محمد

مصنف "نزهۃ الکواطر" کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک شاخ فردوسی کہلائی۔ حضرت خواجہ نجم الدین کرینی کے ایک جلیل القدر خلیفہ خواجہ سیف الدین باخرزی تھے، اُن کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سمرقندی شاخ فردوسی میں سے پہلے ہندوستان آئے، اور یہاں قیام اختیار فرمایا اور طریقہ فردوسی کی بنیاد رکھی۔

خواجہ بدر الدین کے طریقہ کی خصوصیت فنا اور مضمحلان ترک ارادہ و اختیار و انخار خوارق و کرامات ہے۔ اس وقت سلسلہ چشتیہ کو ہندوستان میں قبول عام حاصل ہو رہا تھا، اور اُس طریقے کی بنیاد پڑ رہی تھی جس کی قسمت میں ہندوستان کا صاحب ولایت بننا تھا حضرت

سلسلہ اس وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نجم الدین کرینی کو خلافت دیتے وقت حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو الغیب نے فرمایا تھا کہ: شاہد شاخ فردوسی ہستیہ، لیکن حضرت شیخ رکن الدین فردوسی سے پہلے فردوسی کی نسبت نظر نہیں آتی، عام طور پر اس سلسلہ کے شاخ اور ان کا سلسلہ گزریہ کہلاتا ہے، اس لقب کی شہرت دراصل حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے زمانے سے ہوئی، اُس وقت اس سلسلہ کے شاخ فردوسی کہلائے، صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے

وہ لکھتے ہیں: - خواجہ رکن الدین در ہند چنان برآمد کہ بعض دہم رسید شجرہ مغل پران اسکہ بنام آوردند چنان فردوس گفتند دیوستانان این شجرہ را در ہند بنام اومی خوانند فردوسی می گویند کہ القاب، تانزل من السماء ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

(مناقب الاصفیاء ص ۱۲۵)

یا ان کا فضل خاص ہے جس کو چاہے ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا آفتاب ارشاد نصعت النہار پڑھا۔ خواجہ بدر الدین سمرقندی کو ایسے ہی زمانہ اور ایسے ہی ماحول میں ایک ایسے طریقے کی بنیاد رکھنے کا کام کرنا پڑا جس کے اندر عام کشیش و رجوع عام کا سامان کم تھا، اور جس کے شاخ انخار و حال کو اظہار حال پر وقت و تازہ دیتے تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء جو خود فردوسی ہیں لکھتے ہیں: -

طریقہ شطار و مجاہد حق داشت بزبان حال ہمیشہ گفتے طلب علوم دین لازم گیر بیدان عمل کنند عمل را خاص برے خدا اگر داند کہ علم بے عمل سود نہ دارد و عمل بے احسان ثمر ندارد و طالب کرامت مہم است شہید استقامت در نیابت کرم بخونہ کہ الاستقامت کل الکلام تا مکاشفہ یقین شود و نبیاد بنا قواعد طریقت در ہند اسود را زود از متابعان او شد پیش از ان عوام و خواص الا من شاء اللہ شیخی مرابنا بر اظہار خوارق غایت و کرامت کردہ بودند معلوم است در ہند خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ در ہند بسیار محققان و اہل طریقت بودند چنانچہ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا شیخ الاسلام شیخ نجم الدین عمری شیخ الاسلام دہلی

ان کا طریقہ شطار و مجاہد تھا، ہمیشہ زبان حال سے فرماتے تھے، طالب علوم دین لازم گیر بیدان عمل کنند عمل کو خدا اگر داند کہ علم بے عمل سود نہ دارد و عمل بے احسان ثمر ندارد و طالب کرامت مہم است شہید استقامت حاصل کرامت ہے تا کہ ہم صاحب مکاشفات یقینی ہو جاؤ۔ ہندوستان میں طریقہ فردوسی کے اصول و قواعد کی بنیاد خواجہ بدر الدین سمرقندی اور اُن کے پیروؤں کے ہاتھوں سے پڑی، اس سے پہلے عوام و خواص الا من شاء اللہ اظہار خوارق و کرامت کی بنیاد پر پوری مریدی کرتے تھے معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کے زمانہ میں ہندوستان میں بہت سے محققین اہل طریقت تھے جیسے شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ الاسلام شیخ

خواجہ نظام الدین اولیاء کے عہد میں ہوا۔

خواجہ نجیب الدین فردوسی
خواجہ نجیب الدین فردوسی شیخ غلام الدین دہلوی کے صاحبزادے اور
خواجہ رکن الدین فردوسی کے برادر زادہ اور خلیفہ ہیں زندگی بھر

اپنے شیخ اور علم نامہ دار کی خدمت میں رہے پھر ان کی وفات کے بعد ان کے سجادہ کو آباد رکھا اور سلسلہ فردوسی
کی شاعت اور استحکام اور توحید و عشق الہی کی تبلیغ و اشاعت عام کے لئے ایک ایسے محقق مجتہد الفہام
اور باقی طریقہ کی تربیت کی جس نے نہ صرف ان کے پیران عظام کے نام کو زندہ اور نابندہ رکھا بلکہ نصف
صدی سے زائد تک مشرقی ہندوستان کو اپنے روحانی فیض اور حرارت عشق سے گرم و معمور رکھا اور اپنی
تحقیقات عالیہ مقامات علیہ اور علوم نادرہ کی بنا پر عین القضاء بہدائی خواجہ فرید الدین عطارؒ اور
مولانا جلال الدین رومیؒ کی یاد تازہ کر دی۔ صاحب مناقب الاصفیاء ان کے متعلق لکھتے ہیں :-

اختیار گم نامی داشت از شہرت و اہل	گنای کو اپنے لئے پسند فرمایا تھا، شہرت اور
شہرت بری بود، اولیائی تحت قبائی	اسباب شہرت بری تھے اولیائی تحت قبائی
در شان او سلم بود	اولیاء اللہ خلق کی محبت سے ایسے مستور ہوتے ہیں کہ
مریدان اہل معنی داشت، مولانا	سوائے خدا کے کسی کو ان کی خبر نہیں ہوتی ان کی

لے خزانہ الاصفیاء کی تاریخ سلسلہ سچ میں ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے خلیفہ شیخ نجیب الدین فردوسی
کا سن وفات ۸۹۱ھ ہے اور یہ مدت غلات دیاس ہے کہ وہ اپنے خلیفہ دجانشین کے بعد ۳۳ سال تک
زندہ رہے ہوں اور حضرت شیخ شرف الدین امیر نے ان کو تہذیب و ان کے خلیفہ سے بیعت کی ہو اس لئے صاحب
زہرہ ان کو اطر کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ساہو سی صدی کے اخیر میں ہو

عالم اندیشی جامع فتاویٰ تستار خانی
یکے از مریدان سے بود نظر ہائے با معنی از
مناقب خواجہ نجیب الدین فردوسی ہمہ
ستور بود رحمتہ اللہ علیہ

تمام کمالات پر وہ نمایاں تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

لے اس سے مراد مولانا فرید الدین عالم ابن اعلا حقانی اندر تہی ہیں فتاویٰ تانا نارخانیہ مشہور میں تصنیف کر کے اپنے
دوست امیر کبیر تانا خاں کے نام سے موسوم کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی کہ اس کے نام سے موسوم ہو مگر اس کو قبول
نہیں کیا۔ وفات غالباً ۸۹۰ھ میں ہوئی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو زہرہ انوار و جلد ثانی۔

لے مناقب الاصفیاء ۱۲

باب سوم

مجاہد و خلوت، قیام و سکونت

اور

ارشاد و تربیت

منائب الاصفیاء میں ہے کہ خواجہ نجیب الدین فردوسی نے بیعت کرنے کے بعد دہلی سے واپسی تحریری اجازت نامہ بھی جو الہ کیا تیج شرف الدین نے عرض کیا کہ مجھے تو ابھی خدمت والا میں کچھ روز بیٹے کا بھی اتفاق نہیں ہوا اور میں نے سلوک کی تعلیم بھی ابھی جناب سے حاصل نہیں کی میں اس اہم ذمہ داری اور نازک کام سے کیسے سہمہ و برا ہو سکوں گا ۱۶ خواجہ نجیب الدین نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشارہ فیضی سے ہوا ہے اور ان کی تربیت نبوت کی طرقت سے ہوگی۔ اسکے بعد ان کو رخصت فرمایا اور کہا کہ۔

عبدالستار میں کوئی خبر نہ ملے تو واپس نہ ہوں۔

چنانچہ ایک ہی دو منزل ملے کی تھی کہ حضرت خواجہ صاحب کی وفات کی اطلاع ملی، آئیے حسب وصیت

مغربی رہا اور منیر کی طرف روانہ ہوئے

شورش عشق | آپ خواجہ نجیب الدین سے رحمت ہوئے تو دل پر ایک چوٹ سی تھی عشق آنکھی کی حرارت رگ پہلے میں سرایت کر چکی تھی۔ زمانے ہیں۔

میں چوں کہ خواجہ نجیب الدین فردوسی پوسنم | میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسی سے ملا
جنہ نے درویشی نہ کیا وہ شد کہ چہرہ و آں | ایک سال اور درویشی میں بیٹھ گیا جو
حزن زیادہ ہی شد | دن بدن بڑھتا ہی جاتا رہا۔

جب آپ پہنچا ہوئے اور بعد کی جنگھار سنی تو دل میں ایک ہوک اٹھی اور صبر و ضبط کا بار نہ رہا، گریبان چاکر جنگل کی راہوں اور روپوش ہو گئے، بھائیوں اور سفر کے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا کچھ سراغ نہ ملا۔ آخر اجازت نامہ اور خواجہ نجیب الدین کے تبرکات لے کر واپس آگئے اور یہ سب چیزیں والدہ صاحبہ کے حوالہ کیں۔

راجگیر کے جنگل میں | منقول ہے کہ آپ بارہ برس تک پہنچا کے جنگل میں رہے کسی کو خبر نہ ہوئی، اسکے بعد آپ کو راجگیر کے جنگل میں بھی دیکھا گیا لیکن کسی کو ملاقات کی

۱۷ منائب الاصفیاء ص ۱۳۳

۱۸ ۱۳۳

۱۹ پنیا منیر سے تقریباً تیس میل سڑک صلح شاہ آباد (آدھ) میں ہے۔ اس وقت ای۔ آئی۔ ریلوے کا اسٹیشن ہے

۲۰ منائب الاصفیاء ص ۱۳۳

۲۱ ڈاکٹر ہندو گزٹ میں لکھا ہے: راجگیر کے پہاڑوں کا متوازی اضلاع کی صورت میں جنوبی و عربی سمت کو چلے گئے ہیں

جن کے درمیان ایک تنگ واہی ہے جس کو بگڑا مکھن نامے اور دے قطع کہتے ہیں یہ پہاڑ جو کسی جگہ ہراڈٹ سے نیا

بلند ہیں میں ظہیر الشان چٹانوں سے مرکب اور گھنی گھنی چٹانوں سے مزین ہیں اور ایک خاص قدیمی (عصر ۱۹۵۰ء پر)

توبت نہ آئی یہ سہارا اور جنگل ہر فرد اور قوت کے مٹانے والوں کا گوشہ عزلت رہا ہے گو تم بدھ نے بھی برسوں یہاں بیٹھ کر حیران جمایا جس وقت مخدوم صاحب یہاں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے اُس وقت یہاں ہندو جوگی بھی جا بجا خلوت نشین تھے کتابوں میں ان ہندو جوگیوں کے ساتھ آپ کے متعدد مکالمے منقول ہیں۔
 رام کوہ میں ایک گرم بھرنے سے متصل آپ کا بھراہ اب بھی موجود ہے اور "مخدوم کشن" کے نام سے بھی ایک بھرنہ مشہور ہے۔

برابر برس کا عمر ریاضات و مجاہدات، خلوت و مراقبہ، تیر و گشتگی اور بے خودی اور سستی میں گزارا، جنگل کی چٹیاں غذا کا کام دیتی تھیں اس زمانہ کی ریاضتوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ اپنے مرید قاضی زاہد سے فرمایا کہ میں نے جو ریاضتیں کی ہیں اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا۔ آپ کے بیان کے ہوئے ایک واقعہ اور انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ریاضتوں اور رخصت شائق پر زیادہ مطمئن نہیں تھے غسل کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں آپ نے عیسیت کے خلاف سمجھتے ہوئے شریعت کی دی ہوئی رخصت پر عمل نہیں کیا تھا، سخت سردی میں ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ فرمایا کہ: (اس بلا عمر و دست شغف کا خلعت یہ ملا کہ اُس دن فجر کی نماز

(۱) کا بعد ماشرہ دیکھی دیکھے ہیں کہ ان پر اکثر مذہب بودہ کے آثار قدیمہ ملتے ہیں۔
 جنرل کنگم نے ہیں کہ چینی تاج ہریون بیانگ (HIVEN TSIANG) نے جو کچھ لکھا (KAPOTICA) پر مبنی کا ذکر کیا ہے وہ بھی ہے گرم جھرنے یہاں بہت ہیں۔
 ڈاکٹر ہین ہیلن (BUCHANEN HEMILTON) کہتے ہیں کہ یہ راہگیر وہی آج گریسا جو بودہ گوتھا کا مسکن تھا اور قدیم گدہ کا پایہ تخت تھا یہ راہگیر ڈولٹ مرچیل پڑنے شہر سے واقع ہے۔

(سیرۃ الشرف باختصار ص ۶۵ و ۶۶)

تعداد ہو گئی

بہار کی سکونت و خانقاہ کی تعمیر

اسی زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اویسا کے ایک غلیہ اور اسی کے منہام مولانا نظام الدین بہار میں رہتے تھے جو مولانا نظام مولیٰ کے نام سے مشہور تھے اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ راہگیر کے جنگل میں گئے اور مخدوم صاحب سے اُن کی ملاقات ہوئی تو اُن کو بھی ملاقات کا شوق ہوا انھوں نے اور اُن کے بعض بھی معتقدین نے جا کر ملاقات کی اور وقتاً فوقتاً جنگل میں جا کر مخدوم صاحب سے ملنے مخدوم صاحب سے ان کی طلب صادق اور افلاص دیکھا تو فرمایا کہ:۔۔۔ جنگل خطرناک ہے کچھ تھکے آئے سے منکر پیدا ہوتی ہے تم لوگ شہر ہی میں رہو میں تمہارے دن ستر آجایا کروں گا اور جامع مسجد میں ملاقات ہو جایا کہے گی لوگوں نے یہ خوب زور دیا کہ مخدوم صاحب تمہارے دن تشریف لاتے اور ایک گرمی مولانا نظام الدین اور اُن کے دو ستر دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر جنگل کو واپس چلے جاتے تھے ایک مدت اس طرح گزری تو اُن معتقدین نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی ایسی جگہ بنائی جائے جہاں آپ جہد کی نماز پڑھ کر کچھ دیر استراحت فرمایا کریں۔ چنانچہ بیرون شہر جہاں آج آپ کی خانقاہ واقع ہے انھوں نے دو چیمبر ڈال دیئے جب آپ جہد کی نماز سے فارغ ہوتے اس جگہ دوستوں کے ساتھ نشست فرماتے اور کبھی ایک دو روز ٹھہر بھی جاتے۔ اسکے بعد مولانا نظام الدین نے مجھ الملک صوبہ دار بہار سے اجازت دیکر اپنے مال مزرکی میں سے ایک چوتھ عمارت بنوا دی جب دو عمارت تیار ہوئی تو وہاں آپ نے ایک دہوت کی جس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے موصوفین شریک ہوئے اور انھوں نے مخدوم صاحب سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی آپ نے سجادہ کو زینت بخشی اور مولانا نظام الدین اور حضرت خواجہ کے مہربان کی طرف

سیرۃ الشرف ص ۶۵

نہ کے فرمایا کہ :-

دوستو! تمہاری نشست و برخاست نے مجھے اس بُت خانہ میں بٹھایا ہے

یہ واقعہ ۱۲۲۱ھ اور ۱۲۲۲ھ کے درمیان پیش آیا۔ یہ سلطان عیاض الدین تغلق کا عہد حکومت ہے۔

۱۲۲۲ھ میں سلطان تغلق اپنے والد کا جانشین اور سربراہی سلطنت ہوا، سلطان کو شاخ و صوفیا

اور اہل قلوب کو گوشہ عزلت سے باہر لانے اور نمایاں طریقے پر خلق خدا کی خدمت و رہنمائی پر آمادہ کرنے کا

برائشوق تھا، اور اس میں وہ بڑا ساعی و مجتہد ہا کرتا تھا۔ اسی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے

خلیفہ ارشد حضرت خواجہ نصیر الدین چوانؒ دہلی کو لشکر شاہی کی معیت پر مجبور کیا۔ حضرت خواجہ کے دوسرے

خلفاء مولانا محمد الدین زراویؒ و مولانا شمس الدین کھنؒ وغیرہ کو سبروں پر چڑھ کر قہر کر کے اور جہاد کی ترغیب

دینے پر مجبور کیا۔ شیخ قطب الدین منور ہنسویؒ کو ان کے گوشہ خلوت سے نکال کر دہلی طلب کیا، جب اس کو

پہچ لوہوں کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ مخدوم صاحب سالہا سال جھگڑ میں رہنے اور خلافت سے انقطاع رکھنے

کے بعد شہر میں تشریف لے آئے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے ہیں تو اس نے مجدد الملک صوبہ دار

بہار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے، اور پرگنہ راجگیہ فقیر خانقاہ کے خرچ کیلئے

ان کے حوالہ کیا جائے، اور اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے، اسی کے ساتھ ایک مصلیٰ لبغا کا

۱۳ مناقب الاسفیاء ص ۱۳۵

۱۴ مولوی سید غمیر الدین احمد مصنف مسرۃ الشریعہ نے بہت سے قرائن اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مخدوم صاحب

کی حکومت پذیری کا زمانہ مابین ۱۲۲۱ھ اور ۱۲۲۲ھ کے تھا۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے مسرۃ الشریعہ ص ۱۳۵)

۱۵ تفصیل کی کتاب میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے تذکرہ کے باب ششم میں مذکور ہے۔

خدمت میں بھیجا۔

جب یہ فرمان شاہی مجدد الملک کو پہنچا، تو وہ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

بادشاہ نے جو کچھ لکھا ہے میری کیا مجال کہ میں اس کی تعمیل کروں، لیکن اگر آپ اس کو قبول نہ فرمائیں گے

تو اس کو میری حکم عدولی اور کوتاہی پر محمول کیا جائے گا۔ ۱۱۰۰ بادشاہ کا طرز عمل سب کو معلوم ہے، خدا جانے

میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مخدوم صاحب نے جب مجدد الملک کی تجویزی کو ملاحظہ فرمایا اور اس کا اصل

دیکھا، تو بادل ناخواستہ اس کو قبول فرمایا، لیکن سلطان کی وفات کے بعد جب سلطان فیروز شاہ تغلق تخت نشین

ہوا، تو اپنے جاگیر سے قطع تعلق فرمایا۔ خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی، اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہو گئی۔

سیرۃ الشریعہ ص ۱۳۵

خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی، اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہو گئی۔ مجدد الملک نے تمام لشکروں

اور ارباب تصوف اور مریدان شیخ نظام الدین کی دعوت کی شروع مجلس سے آخر تک ہمتا

کے محض میں سماع و تار ہا، ایک مقام علیحدہ جس میں ایک مجروح اور ایک رواق تھا، مخدوم کیلئے

درست کیا گیا تھا، اور وہی مصلیٰ لبغا رہی جو بادشاہ نے بھیجا تھا وہاں بھیجا گیا، مخدوم

اس پر متمکن ہوئے، ایک مسافر درویش جو مجلس میں حاضر تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر مخدوم کے

مجروح میں آیا، مخدوم اس کی جانب مخاطب ہوئے اور اپنے فرمایا کہ :- یہ منزل اور مقام

تمہارا ہے، میں تو مجدد الملک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں کہ اطاعت اولی الامر سے چارہ نہیں ہے

اور یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے، میں تو اسلام ہی کے داعی نہیں، چچا ایک مصلیٰ کے

داعی ہوتا :-

۱۶ مناقب الاسفیاء ص ۱۳۵

اُس فقیر نے کہا:-

”مخدوم! تم کو خافہ اور مصیبت کی وجہ سے کون پہچانتا ہے، تم کو جو پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے، ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قوت باطن اور آپ کے طفیل سے آئے ہیں یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہو گا اور قوت پکڑے گا۔“

مخدوم نے فرمایا کہ:-

”جو فقرا کی زبان سے نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔“ اور یہ مصرع پڑھا۔

”اے را کہ خود سلطان بود اور ہر چہ گوید آں بود“

افادہ و ارشاد اکہ سے کم ۲۳۷ سے لیکر ۲۳۸ (جس میں آپ کی وفات ہوئی) تک نصف صدی سے زائد کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت و ارشاد اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں گذرا۔ شیخ حسین معز شمس لہجی کے بقول اس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض اقوال کے مطابق کم سے کم تین سو آدمی عارف کامل اور واصل بن ہوئے۔ متعدد ہندو فقیر اور مزارع جو گویوں کے قبول اسلام اور آپ کے ہاتھوں تکمیل و تحقیق تک پہنچنے کے واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

ارشاد و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ اور مرکز آپ کی وہ مجلسیں تھیں جن میں مشائخ کے دستور کے مطابق ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی اجازت تھی، اہل عقیدت اور اہل طلب ان مجالس میں شریک ہوتے، جن لوگوں کو کوئی بات دریافت کرنی ہوتی وہ دریافت کرتے اور جواب شافی پاتے۔ ان مجالس کا کوئی مستقل و تعین موضوع اور ان کی گفتگو کوئی مسلسل درس کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالنا ارشاد فرماتے، یا کسی بات کے فرمانے کی کوئی مناسب تقریب یا تحریک پیدا ہوتی تو حسب حال کچھ فرماتے۔ یہ مجالس بڑے گہرے معارف و حقائق اور تصوف کے

دریق نکات و لطائف پر مشتمل ہوتی تھیں۔ زین بدر علی جو آپ کے ملفوظات کے جامع ہیں ”سعدی المعانی“ کے غلبہ میں لکھتے ہیں کہ:-

”دہر مجلس و محلہ البتہ از طالبان صادق و مریدان واثق و بسندگان موافق کہ حاضر بودند ہر کسے در خورد حال و کار خود ایراد سوالی از طریقت و انکسار بیسان از شریعت و درخواست اشارتے از حقیقت و طلب انظار روز معرفت عرض می داشتند۔ بندگی مخدوم نامور و شیخ دین پرورد و تعالیا سوال سائل جواب شافی و بیسان کافی بجارات و پذیر و اشارات بے نظیر ارزانی می داشت، از ہر عبارتے صد مرانی غیبی مستفاد و از ہر اشارتے ہزار لطیفہ لایبی مراد، از ہر معنی مفہومات بے نہایت و از ہر لطیفہ ادراکات بے غایت، از ہر مفہومے حالات بے شمار و از ہر ادراک مقامات بسیار، از ہر حالتے ذوقے کہ آں رامیزان بیان نہ سجد و از ہر مقامے خبرے کہ در جہاں نشان نگنجد۔“

ہر مجلس اور ہر موقع پر طالب صادق اور مریدین راسخ الاعتقاد اور حاضرین مجلس جو مناسبت رکھتے تھے وہ طریقت کے بابے میں کوئی سوال یا شریعت کی کسی تعلیم کی وضاحت کی درخواست کرتے اور معرفت کے اسرار و رموز سننا چاہتے تھے حضرت مخدوم ہر سائل کو جواب شافی مرحمت فرماتے اور بڑے و پذیر طریقے پر اُس کی تشفی کرتے، آپ کے ارشادات بڑے بڑے لطیف نکات اور بڑے قیمتی فوائد و لطائف پر مشتمل ہوتے اور ہر سائل اور سوال کے حسب حال ایسی تقریر فرماتے کہ اس سے ایسا ذوق پیدا ہوتا جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا اور ایسے مقامات کا پستہ چلنا جن کی اس محدود عالم محسوسات میں گنجائش نہیں۔

تلف

نشان میں تو ان دید جز بد و پاک : کہ آفتاب شناسی بہ بے بصر نہ رسد
 بہیں دگر نہ علامت یہ گانہ ازاں کہ : زبان تپ زدہ راعنہ بر شکر نہ رسد
 بعض تربہ دنیات بافتہ کی کتاب بھی مجلس میں پڑھی جاتی، اخذ دوم ایک ایک مسئلہ کی تشریح فرماتے۔
 محرمات حدیث تفسیر تفتوت سب پر گفتگو ہوتی، اہل مجلس بالخصوص اہل علم استفادہ کرتے۔
 ارشاد تربیت کا دوسرا ذریعہ (خصوصاً ان لوگوں کیلئے جو کسی اور مقام پر ہوتے) آپ کے مکتوبات
 تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے علاوہ (جن کے مکتوبات ایک زندہ و عادیہ کارنامہ اور علوم و معارف کا
 بیش بہا خزانہ ہیں) شاید کسی نے اپنے قلم اور ذہن پر اسے اور خطوط و مکتوبات کے ذریعہ اننا عظیم الشان
 انقلاب انگیز اور دیرپا وسیع اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا، جیسا آپ نے نہ صرف تفتوت کے ذخیرہ میں
 بلکہ علوم و معارف، نکات و لطائف کے عالمگیر ذخیرے میں مکتوبات کا یہ مجموعہ خاص امتیاز رکھتا ہے،
 اور اپنی تاثیر ادب و تشاہد کی قوت و جہتگی اور زندگی کے لحاظ سے پورے فارسی ادبیات میں کم کتابیں اس بلاد
 کی ہوں گی۔ ان مکتوبات نے حضرت مجددؑ کے زمانہ میں بھی اصلاح و تربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی،
 اور ان خوش قسمت افراد کے علاوہ بھی جن کے نام اصناف غلطہ دکھائے گئے تھے صد با اشتیاق نے ان سے
 شیخ کامل و محقق کے انعام و توجہات کا فائدہ اٹھایا۔ حضرت مجددؑ کی وفات کے بعد ہر صدی میں ہزاروں
 انسانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ خانقاہوں میں ان کا درس دیا گیا، اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح و
 تفسیر کی، اور صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی ان میں ایسی تاثیر و زندگی موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے
 کہنے والے نے ابھی لکھا ہے، اور ان کے الفاظ تاثیر و تشریح کی طرح دل کے پار ہر جاتے ہیں۔

باب چہارم

صفات و خصوصیات

فنایت آپ کی سب نمایاں صفت جو آپ کا مزاج و مذاق بن گئی تھی، اور جس کے بارے میں
 آپ بالکل بے اختیار تھے، وہ صفت سستی اور فنایت تھی جو مجاہدہ و ریاضت کے
 اعلیٰ ترین ثمرات اور سالک طبعی کے بلند ترین کمالات میں سے ہے۔ آپ کے مکتوبات کے لفظ لفظ اور
 آپ کے ارشادات کے حرف حرف سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا :-
 ”آخر ما جیب تمت استہی“

سلسلہ اکبر و یہ کے مشائخ کا یہ شعار خاص اور امام طریقہ حضرت شیخ نجم الدین گبرائی کی یہ سیرت تھی جس کے
 آپ پورے طور پر وارث ہوئے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک موقع پر مشائخ عصر جمع تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی تمت کا
 اظہار کیا۔ جب آپ کی باری آئی تو فرمایا کہ :-

میرزا آرزو یہ ہے کہ نہ اس دریا میں	آرزوئے من آنست کہ ام من
میرزا نام و نشان رہے نہ	نہ دریں جہاں باشد و نہ

دراں جہاں : | اُس دنیا میں ۔

اس فنائیت میں نفسی کا اظہار آپ کے اس جلسے ہوتا ہے : —

”ہر تلبیس شیطان ماند و ام نہ از خود خبرے نہ از اسلام اثرے“

ایک مکتوب میں اپنے حال زار پر نوحہ و ماتم کی ضرورت و فضیلت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر اپنا

حال اور اپنی کیفیت کا اظہار ہے۔ فرماتے ہیں : —

گفتہ عارفانست کہ خاتم تھا کہ بیچ
آواز سے نزدیک خدائے تعالیٰ محبوب تراز
آواز نوحہ کردن بر خوشنیت نیست پس امر
شاید کہ صدیقان اس راہ و خداوندان میں
نوحہ گری از خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ
بیاموزند، بے برادر ہر کہ اورادر ہر خلعتی
بر خوشنیت ماتم و نوحہ گری نیست بطلے
است پر از غفلت بقیامت مردار است
پراز حسرت، ایں چہ طعنا و فاسد است
کہ امر و ہر کہے را فستادہ است
جاہ و حشمت و نعمت از امر و نہی می باید
و عز و ناز و دیسای باید و عزت

عارفین کا قول ہے کہ خدا کی قسم، پھر خدا کی قسم !
خداوند تعالیٰ کو اپنے آپ پر رونے کی آواز کے
زیادہ کوئی آواز پیاری نہیں ہے پس چاہئے کہ
آج اس راہ کے صدیق اور دین کے پیشوا و امام غلامی
خواجہ ادیس قرنی رضی اللہ عنہ سے سیکھیں۔
اے بھائی ! جو کوئی ہر غفلت اپنے آپ پر ماتم اور
آلودہ خان نہیں کرتا، وہ ایک مدعی ہے جو قیامت
سے غافل ہے اور ایک مردار جس کا دل حشمت سے
بھرا ہوا ہے، یہ کیا بھوئی خواہشات ہیں کہ آج
ہر سر میں الکی سوا ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیاوی
جاہ و جلال ہونا چاہئے، اور ہمارے احکام کے
امر و نہی کا نفاذ ہونا چاہئے اور دنیا کی ناز و

و تماشائے علی الدوام می باید و بایں | ہونی چاہئے اور عزت اور اس کا ہمیشہ اظہار دینا

ہمہ آشنائی با حضرت خداوندی باید : | چاہئے اور پھر اس کے ساتھ خداوند کیساتھ

آشنائی بھی ہونی چاہئے، خدا کی قسم یہ ناممکن ہے۔

دُبَّارِ عی

جاں باز کہ توسل او بدستان نہ ہست : شیر از قدح شرع بہستان نہ ہست

آں جا کہ ہم می ہمہ مرداں نوشتند : یک جہ از ازاں بخود پرستان نہ ہست

ایک دوسرے مکتوب میں جس میں خود شکنی اور نفس دشمنی کی نصیحت فرمائی ہے، وہ سراسر اپنا حال

اور اپنی تصویر ہے، اور یقیناً یہ مکتوب اس مرتبہ کمال پر پہنچنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ مردانِ خدا اور

کاملین طریق خود کسی مقام پر پہنچے بغیر اس مقام کی دعوت کو نفاق اور لِمَ تَعْمَلُونَ مِمَّا قَلَّ عَمَلُونَ

کا مصداق سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے : —

سچوں حلقہ برد زنی و برد را کی خاک افک
جکہ تو اپنے یا اپنے مولیٰ کے دروازہ پر حلقہ زنی

باید بود از ہمہ دعویٰ پاک باید بود،
اور اس دروازہ پر آگیا تو کسی کو کسی اور تمام

اگر ہزار تاج ملکا نہ بر سر نہی چہرہ گدائی
دعاویٰ سے پاک نہ ہو جانا چاہئے، اگر تو

درنگ بے نوائی کہ خاک را اصلی است
ہزاروں شالہ نہ تاج بھی اپنے سر پر رکھ لو

چہ کنی گردی کہ بروئے نشیند، بآب
لیکن جو خاک کی اصلیت ہے یعنی چہرہ گدائی

برخیزد، اما رنگ و روئے بآب برنخیزد
اور رنگ بنوائی اس کو تو کیا کرے گا، اگر جو

اوپر ہی اوپر چٹھہ جایا کرتی ہو پانی سے دھل جایا کرتی ہو، لیکن اصلی رنگ روپ پانی سے دھل نہیں سکتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں بغیر کسی اشارے و کنایہ کے صاف صاف اپنی ہی طرف منسوب کر کے اپنی برائی کا شکوہ اور ماتم فرماتے ہیں :-

۱۔ اندر ان و لوثان و اکہ بستہ گان دنیا	ہم شامت زدہ صاحب بار اور آلودہ جو کہ
۲۔ اسیر عادیتم و زنا و داران راہ غفلت	ذیل کے بند اور خواہش عادت کے قیدی اور
۳۔ جز عادت پرستی کا رے نہ و جسز	راہ غفلت کے - زنا و داران ہیں ہمارا کام عادت پرستی
۴۔ غفلت گری شہری نہ راہ مردان دین	کے سوا کچھ نہیں اور غافل کی سوا کہیں ہمارا شہر
۵۔ رفتن و دعویٰ توحید کروں از بے باکی	نہیں ہمارا مردان خدا کے راستہ پر چلنا اور توحید
۶۔ دنیا بینی است و جہود و ترسا و کلیسا	کا دعویٰ کرنا جیسا کہ اور اندھے پن کی جیسے ہے
۷۔ و تہانہ را از مانگ است	یہودیوں اور آتش پرستوں کو اور کلیسا اور تہانہ کو

ہم سے شرم آتی ہے۔

آپ سے جو مناجات منقول ہے وہ آپ کی دل کی کیفیت کی پوری ترجمان اور آپ کے جذبات اور احساسات کا بھانپنا ہے۔ فرماتے ہیں :-

خالقا بپسارہ را ہم ترا + ہجو ہوئے تنگ در چاہم ترا
 نے تے نے دلتے نے حاصلے + نے نوائے نے قرائے نے دلے
 دیں زدستم رفت دنیا گم شدہ + صورتہ و ماندہ یعنی گم شدہ
 من نہ کافر نے مسلمان زادہ ام + در میان ہر دو حیراں ماندہ ام
 نے مسلمان نہ کافر چوں گنم + ماندہ سرگردان و مضطرب چوں گنم

۱۔ مکتوب سی ام۔

یارب اشک و آہ بیاریم ہست + گزندارم پنج ایں باریم ہست
 ہم تن زندائیم آلودہ شدہ + ہم دل محنت کشم فرسودہ شدہ
 ماندہ ام و چاہ زندان پائے نسبت + در چنیں چاہم کہ گیر و جز تو دست
 پاک کن از راہ صحن جان من + پس بشو از اشک من و یوان من
 گرچہ بس آلودہ در راہ آدم + غصہ کن گر حبس و از چاہ آدم
 اس فنائیت کا قدرتی و لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مدح و ذم خلائق آپ کے حق میں یکساں تھے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں اور در حقیقت اپنا ہی واقعہ سناتے ہیں :-

۱۔ اہل معرفت را از مدح و ذم و قدح حشاق	اہل عرفان کو مخلوق کی تعریف و ثنا اور ہجو
۲۔ چیزیاں کہ نزدیک ایشان مدح و قدح	و تروید سے بھلا کیا تھا ان کے اُنکے نزدیک تو
۳۔ خلق ہر دو یکے است نہ ممدوح حشاق	مخلوق کی ہجو و ثنا برابر ہے ایجاد نہیں جو
۴۔ ممدوح است و نہ مذموم مطلق مذموم است	مخلوق کے نزدیک اچھا ہے اور بُرا وہ نہیں جو
۵۔ ممدوح حق ممدوح است و نہ مذموم حق	مخلوق کے نزدیک بُرا ہے بلکہ ممدوح وہی ہے جو
۶۔ مذموم است	حق تعالیٰ کا ممدوح ہے اور نہ مذموم وہی ہے جو

حق تعالیٰ کا مذموم ہے۔

کسی نادہی کے قدیم شاعر نے گویا آپ ہی کے متعلق کہا ہے :-

گرفتار گشت خود بردیاں

نہ از مدحت خبر دارد نہ از ذم

اس نیستی و از خود فرستگی کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ مقبولین بارگاہِ اُسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہے اشک بنا پر آپ سے کرامات اور خوارقِ کثرت سے سرزد ہوتے تھے لیکن اپنے اس مزاج و حال کی وجہ سے

اظہار کرامت سے بڑا متفرق تھا، اور کسی ایسی چیز کو پسند نہیں کرتے تھے جس سے آپ کے مرتبہ و مقبولیت
غذا و شراب کا اظہار ہو۔ صاحب مناقب الامیناء لکھتے ہیں :-

اگرچہ اکثر کارہائے دینی بر خرق	اگرچہ آپ کے کاموں کا دار و مدار خرق عادت
عادت و کرامت بود اما از اظہار آس	اور کرامت پر تھا لیکن آپ کرامت کے
کرامت نیز از بود شکستگی و بینوایی ظاہر	اظہار سے بیزار تھے اور شکستگی اور بینوایی
کردہ اگر کے استمداد در کاسے و حاجتے	ظاہر کرتے تھے، اگر کوئی شخص کسی کام
خواستے حوالہ میران جلال دیوانہ	یا کسی حاجت کیلئے مدد طلب کرتا تو
کردے	اُس کو میران جلال دیوانہ کے سپرد کر دیتے۔

یہ وہ دور تھا جس میں بزرگوں کی کرامات و خوارق کا گھر گھر چرچا تھا، اور عوام انہیں کو خدا رسیدگی
اور برگزیدگی کی علامت سمجھتے تھے۔

مناقب الامیناء میں ہے کہ ایک مرتبہ چند آدمی کچھ لمبی ہوئی کھچیاں لیکر آپ کے پاس آئے،
اور کہا کہ مشہور مقولہ ہے کہ: "الشیخ یحییٰ و یسمیت" شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے،
آپ کلمہ دیجئے کہ یہ کھچیاں زندہ ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا کہ: "میں خود در ماندہ ہوں، دوسرے کو
کیا زندہ کروں گا؟"

صوفیائے کرام کے اخلاق مشکوٰۃ نبوت کے نور سے فیضیاب اور منور ہوتے ہیں،
اسلئے ان حضرات کے اخلاق اسی ذات گرامی کے اخلاق کا پرتو ہے،
جس کے متعلق قرآنی شہادت ہے کہ: "انہد لعلی خلق عظیم" صاحب مناقب، امیناء

نے لکھا ہے کہ: "اخلاق شیخ شریف الدین مانند اخلاق نبی بود"

آپ کے نزدیک اخلاق نبویہ سے آراستہ ہونا اور سیرت نبوی کے سانچہ میں ڈھلنا جتنا ضروری
تھا، اس کا اندازہ آپ کے مکتوبات کے ان اقتباسات سے ہوگا۔ درحقیقت یہ خود آپ کا حال تھا
جس کو ایک اصول کے طور پر بیان فرمایا جا رہا ہے :-

"وایں اخلاق است کہ در طریقت	اور اصل اخلاق یہ ہیں جو کہ طریقت میں ہیں
شعار را بایں موم گشتہ کہ در ہمہ احوال	کا شعار بن گیا ہو کہ وہ اپنے احوال میں شریعت
اقتدا بشریعت دارند و اخلاق خویش را	کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اخلاق کو
برحک سنت استمان کنند و ہر کہ در شریعت	سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جو کوئی
محقق نباشد نہ را از طریقت پیچ	شریعت کی تحقیق نہیں کر لیتا اُسے طریقت
فائدہ نبود	(تقصوف) سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :-

ہر کہ بتابعیت شرع راسخ تر نیکو خوی تر	جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا راسخ زیادہ
دہر کو نیکو خوی تر بر در گاہ خداوند عزیز تر	اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہو اور جتنا خوش خلق
چون خلق نیکو میراث آدم است و تھفہ	زیادہ ہو بارگاہ خداوند تعالیٰ کا محبوب زیادہ
خداوند عالم است کہ بدودادہ است	جبکہ اچھا اخلاق آدم علیہ السلام کی میراث
لابد پیچ پیرایہ ذریت نباشد مومن دا	اور خداوند عالم کا عطا کردہ تحفہ ہے پس
نیکو تر از خلق نیک و حاصل خلق نیکو اتحال	لازمًا مومن کیلئے اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی

فرمان خداوند است و متابعت شرع رسول
 ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 حرکات و افعال سید کائنات علیہ
 افضل الصلوات والسلام
 ہمہ پسندیدہ ہوئے است و ہر کہ متابعت
 فرمے دار دبا بد کہ در معیشت چنان زندگانی
 کند کہ او کردہ است

اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہو اُسے چاہئے کہ
 اپنی زندگی اس طرح گزارے جس طرح آپ نے گزاری ہے۔

آپ کے حالات اور آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے ان اخلاق میں بھی کامل اتباع نبوی کی
 پوری پوری کوشش کی، اور آپ کے اخلاق، خلق خدا کے ساتھ برتاؤ، اس کے حال پر رحمت و شفقت،
 مخلوق کے عیوب کی پردہ پوشی اور بندگان خدا کی دیکھائی و دلدادگی میں آپ صاحب خلق عظیم کے ایک
 متبع اور اخلاق نبوی کا ایک نمونہ تھے۔

رحمت و شفقت | آپ بڑے نرم دل، بندگان خدا کے حق میں بڑے کریم و شفیق، دوست پرور اور
 دشمن نواز تھے۔ عارف اور مرشد خدا کا مقام و طہارت زندگی بیان کرتے ہوئے
 آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی اپنی تصویر ہے۔ فرماتے ہیں :-

”رحمت و شفقت اور ہر جہہ تائب خود بخود
 اس کی رحمت و شفقت کا آفتاب ہر ایک پر

بخلق دہد خود بنوشد بخلق پوشاند بزخم
 مردمان ننگ و دیکھا ایشان نہ بیند
 شفیع ظالم خود بود جبارا بونا پیش آید
 دشنام را بدعا و ثنا مقابلہ کند ایں
 دانی چہ نیست از بہر آن کہ فرمے محفوظ است
 از راحت دل فرمے جز بار راحت بر خلق
 نوزو، اور در شفقت چوں آفتاب بود
 بر دشمن پہچان تا بد کہ بر دوست در تواضع
 چوں زمین بود جہمہ خلق پائے برے نمند
 اور با کس خصوصیت نہ دست تصرف فرمے
 از خلق کوتاہ بود، ہمہ خلق عیال فرمے بود
 او عیال کس نہ بود و در سخاوت چوں دیا بود
 دشمن را پہچان بخشد کہ دوست را
 عین رحمت شدہ بر کافہ خلق شرق
 و غرب زیرا کہ آزاد بود ہر جہہ بیند
 از یکجا بیند دیدہ اش دیدہ جمع بود
 و ہر جزوے از اجزائے فرمے را
 پہچین حلقے پوشا نشد و ہر کہ
 بدیں صفت نبود اورا در طریقت بچہ

پہکتا ہی خود نہیں کھاتا، لوگوں کو کھلاتا ہے
 خود نہیں پہنتا لوگوں کو پہنتا ہے، لوگوں سے
 اُسے جو تکلیف پہنچتی ہے اُس کی طرف نگاہ
 نہیں کرتا اور ان کے ظلم کو نہیں دیکھتا، اپنے پر
 ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہے، جفا کا بدلہ
 دفا سے دیتا ہے، اگلی کا جہاب دعا و ثنا
 سے دیتا ہے، تو جانتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں
 کرتا ہے؟ اسلئے کہ وہ محفوظ ہے، اُس کے
 دل کی فضا سے سوائے بارِ راحت کے خلق پر
 کوئی ہوا نہیں چلتی، وہ شفقت میں آفتاب
 کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح دوست پر
 پہکتا ہے اُسی طرح دشمن پر پہکتا ہے۔
 تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام
 مخلوق اُس پر پاؤں رکھتی ہو، وہ کسی کے ساتھ
 جھگڑا نہیں کرتا، مخلوق پر دست درازی
 کرنے سے اُس کا ہاتھ کوتاہ ہوتا ہے، تلہم
 مخلوق اُس کی عیال ہوتی ہے، لیکن وہ کسی کا
 عیال نہیں ہوتا، سخاوت میں دریا کی طرح
 ہوتا ہے، دشمن کو اُس کی قدر نوازتا ہے، جس کو

قدس نبود

دست کو مشرق و مغرب کی جملہ مخلوقات پر

رحمت ہی رحمت بن کر برتا ہے کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے؛ جو کچھ دیکھتا ہے
ایک ہی جگہ سے دیکھتا ہے (یعنی تمام مخلوق کو اُسی ذات پاک سے منسوب
سمجھتا ہے) اُس کی آنکھ اہل جمع کی آنکھ ہوتی ہے، اسکے وجود کے
اجزا میں سے ہر ایک جز کو اُسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے اور جو ان
اوصاف سے موصوف نہ ہو اُس کو طریقت میں کوئی مرتبہ و معقام
حاصل نہیں ہوتا۔

اس رحمت و شفقت کا نتیجہ تھا کہ کسی بندہ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ مصافیہ کا
قدیم زمانہ سے شیخ سعدی کے اس قول پر عمل رہا ہے کہ: "آزاد دن دل دوستان جہل است و کفارہ
یہیں سل"

ایک مرتبہ اس فیصل کاروزہ رکھے ہوئے تھے، ایک شخص بڑے اہتمام سے آپ کی خدمت میں ایک
تھلہ لایا اور کہا کہ میں بڑے شوق سے یہ آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔ آپ نے
اُسی وقت تناول فرمایا اور فرمایا:

"روزہ توڑنے کی قضا ہے، لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں"

اس کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ حتی الامکان پردہ پوشی سے کام لیتے اور اگر کسی کے متعلق کسی گناہ یا کوتاہی کی
اطلاعات ملتی تو اس کی تاویل فرماتے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی اور آپ نے اُس کے

۱۰ مکتوب بہت و چہارم۔

بچے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کسی نے آپ سے عرض کیا کہ: "یہ شخص شراب خوار ہے؟" آپ نے فرمایا کہ
"ہر وقت نہیں پیتا، لوگوں نے کہا کہ: ہر وقت پیتا ہے" فرمایا: "رخصان میں نہیں پیتا ہوگا"

معرفت حقیقی اور عشق کامل کا نتیجہ قدرتِ طور پر دیکھے دوں
دنیا سے بے لوثی اور بے تعلقی

ایک مکتوب میں دُشعر لکھے ہیں: "وہ بالکل اپنا ہی مال ہے۔"

من پاکباز عشقم تجھ غرض نہ کارم : پشت دینا ہنرم پست من اندام
نہ بند خلق باشم نہ از کے ہر ام : مرغ کشادہ بالمر برگ نفس اندام
آپ نے مجاہد الملک کے پاس خاطر سے اور اُس کو محمد تعلق کے عتاب سے بچانے کیلئے خانقاہ کھیلے جو جاگیر
بادل ناخواستہ قبول فرمائی تھی وہ فقیر دوست اور کریم النفس بادشاہ فیروز تعلق کے عہد میں واپس کر دی
اور اگر سیرۃ الشریف کی وہ روایت صحیح ہے تو مولانا قلوبا کے حوالہ سے کبھی گئی ہے تو وہ ملی شریعت
لے جا کر پروانہ جاگیر بادشاہ کے حوالہ کر دیا، اسکے بعد خانقاہ کی تعمیر و توسیع سے کوئی تعلق اور جوہر نہیں
رکھی، اگر کوئی اس کا مشورہ دیتا تو طبع عالی پر گراں گذرتا۔ صاحب گنج لائبنی لکھتے ہیں کہ:-

"شیخ عید الدین مخدوم کے دوست تھے، غلاتوں میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔"

ایک بار آدھی رات گڈے مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، شب تھی

مخدوم باہر نکل آئے اور صحن میں دیوار کے قریب بیٹھ گئے، شیخ عید الدین

بھی ایک ساعت بیٹھے رہے، تھوڑی دیر بعد بولے کہ اگر یہ چوترا کچھ بڑا ہے

تو صحن مصفا نظر آئے، مخدوم اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے

۱۰ مناقب الاصفیاء، ۱۳۱ (غالباً یہ واقعہ رمضان کا ہوگا)۔

جاتا تھا کہ اس نیم شب میں امور دینی میں کچھ مشکل پیش آئی ہوگی اُس کے
حل کے لئے آپ تشریف لائے ہیں، لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ میں برسر
خط تھا، آپ فرماتے ہیں کہ چوترا بڑھاؤ، یہ کہتے کہ اس بتخانہ کو چُن کر
ویران کر دو۔

علوئے ہمت آپ کا ایک بڑا امتیاز اور ترقیافت و کمالات کا لازماً آپ کی جبلی بلند ہمتی اور
علو جو صمد ہے جو آپ کے حالات زندگی اور مکتوبات کی سطر سطر سے ظاہر ہوتا ہے
آپ نے اپنے اہل تعلق اور احباب و خدام کو ہمیشہ علوئے ہمت اور وسعتِ لب کی ترغیب و تاکید
کی ہے، یقیناً اس پر سب زیادہ عمل آپ ہی کا ہوگا، ایک خط میں بڑے دلوالہ انگیز طریقہ پر علوئے ہمت کی
تعلیم دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

ہر چند تو پستی ہمت بلند دار لے برادر
ہمت برماں پہنچ چیز سے فروز نیاید
آسمان زمین عرش و کرسی و بہشت و نرغ
بارہمت ایشان نکشد این است گفت

اسی واسطے کہا گیا ہے ————— ثنوی

نے درخ و بہشتانہ : این طائفہ اچنیں سرشتند
پنگ در حضرت ندائے زودہ : ہرچہ آن نیت کہ پشت پائے زودہ
تا بجا ادب لازم دے راہ : کے ہی در سر لے الا اللہ

ہمت ایں مردان فضاے پاک و مہولے
با وسعت بے خس و نماشاں نوہ تار شے
پر واز کند و تیغ فضلے پاک تر از فضاے
پاک ربوبیت نیست و تیغ محرابے با ہمت
تراز صحرائے وحدانیت نیست ہمت ایشاں
گرد کعبہ و بیت المقدس گرد و بآسمان
وزمین طوائف کند سبحان اللہ عز و جل
عجب کائنات است مرنے در جاسے خود
نشستہ و پائے در امن کشیدہ و سرور
زانو نہادہ و سر اواز کون و مکان در گذشتہ
وز ہے ہمت کہ آں راجز در آب و خاک
نیایابی ازین جا گفت است

ان مردان خدا کی ہمت اسی پاک فضا اور ایسے
وسیع صحران کی طالب ہو جس میں خس و نماشاں کا
نام و نشان نہیں تاکہ یہ لوگ اس میں پرواز
کریں اور کوئی فضا "فضائے ربوبیت"
سے زیادہ پاک اور کوئی صحران "صحرائے
وحدانیت" سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔
مردوں کی ہمت کعبہ اور بیت المقدس کے
گرد نہیں گھومتی، اور آسمان و زمین کا طواف
نہیں کرتی سبحان اللہ! کیا ہی عجیب
کام ہے! ایک مرد اپنی بکد پر بٹھا ہوا ہی پاؤں کے
دامن میں بیٹھنے ہوئے اور سر کو زانو پر رکھے ہوئے
در انحالیکہ اس کا "سر" (ہمت) کون و مکان

سے بھی آگے گزر گیا ہے، کیا ہی مبارک ہمت جو کہ تو اس کو سوا
پانی اور مٹی (یعنی آدم کے) اور کہیں نہ پائے گا اسی لئے کہنے کا ہے۔

حقاکہ بزہ نیادری کرد
چرخ فلک لے پسر کا نام

صاحب سیرۃ الشریف نے صحیح لکھا ہے :-

آپ کی آنکھ ہمیشہ نمایاں رہی رہتی تھی، کیونکہ یافتہ آپ کو اپنی شے دکھائی دیتی تھی، اور دوست حوصلہ اور بلندی ہمت کی وجہ سے ہر دم دہر آن اعلیٰ ترین پیش نظر رہتا تھا۔

دوسروں پر بھی اسی وسعت حوصلہ اور بلندی ہمت کی فرمائش کی :-

”فی البطل اگر ہر دو عالم را برد تو آرزو گویند
اگر بالفرض دونوں جہانوں کو تیرے درازہ پر
تراست ہر تصرف کہ خواہی بکن ہوشیار باش
لے آئیں اور کہہ دیں کہ یہ سب کچھ تیری ملکیت ہے
از آنچہ فوق الدنیا والآخرة ہست محبوب گریز
جس طرح چاہے اس میں تصرف کر، پھر بھی
قطع طریق نشود ہم گو کہ عارفان گفتہ اند
ہوشیار رہ، ایسا نہ ہو کہ جو کچھ دنیا و آخرت کے
ما فوق ہے وہ پردہ میں ہو جائے اور اس تک پہنچنے کا راستہ قطع ہو جائے

تو بھی وہی کہ جو عارفوں نے کہا ہے ۔

دنیاست بلاخانہ و عجبانی ہوس آباد

الحاصل ایں ہر دو بیک جوتناہیم

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

”ہر آئینہ چوں حوصلہ وسیع بود در دہر بگنجد و اگر تنگ بود نہ بگنجد بروں افستہ

این نکتہ دریں باب الی طلب اصلی فوہست“

تجربہ و تفرید اہل تجربہ و تفرید انقطاع عن المخلوق اور انس مع الحق کے اس معتام تک پہنچ جاتے ہیں جہاں کسی نامحرم کا پہنچنا یا اس کی بلندیوں کا ادراک کرنا

عالمیوں کے لئے مشکل ہے، اسلئے جب تک وہ خود ہی اپنا حال نہ بتائیں یا اس منزل کا نشانہ نہ دیں اس کا سرانگہا مشکل ہے، پھر چونکہ ان مردانِ خدا کو خلوت در انجمن اور سفر در وطن کی دولت حاصل

ہوتی ہے، اور دست بکار و دل بیار کی تصویر ہوتے ہیں، منصب ارشاد و تربیت کی ذمہ داریاں اور اجتماع نبوی کی شان ان کو ہمیشہ خلایق کے درمیان رکھتی ہے، اسلئے اور بھی ان کے اصل مقام سے نا آشنا کی پیدا ہوتی ہے۔ تجربہ و تفرید کون سا مقام ہے اور جو لوگ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں انکی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اس کو خود ان ہی کی زبان سے سنے، افس جوش و بلاغت کے ساتھ اور کس شہادی و مستحق کی کیفیت میں بیان کرتے ہیں :-

”تجربہ از خلایق و خلایق بود و تفرید از خود

درد غمائی نہ بہشت بائے نہ باکس

شمارے نہ در سینہ بازارے نہ با بیج

مخلوق کارے نہ تہش از درد و عیش

برگشتہ و از کونین رمیدہ و با مرد

آرمیدہ و با وجود کونین بے دوست خوشی

و بے وجود عالمین با دوست ناخوشی نہ

عزیزت گفتہ است لا ر حشہ

مع الله ولا راحة مع غیر الله

چنانکہ گفتہ اند ہر کہ از خداوند محبوب است

در عین بلا درنج است اگرچہ کلید

خزائن ممالک در دست دارد و ہر زندہ

پوشے و گدے کہ اور ابا حشہ و نہ

خود کاریت بادشاہ دو جہان است

”تجربہ تمام تعلقات اور مخلوقات سے

الگ ہوتا ہے اور ”تفرید“ اپنے آپ کو

بھولنے کا نام ہو کہ نہ دل میں کوئی ”غبار“

اور نہ پیچھے پر کوئی بوجھ ہو، نہ کسی کے ساتھ کوئی

حساب و کتاب ہو، اور نہ سینہ میں

ادنیٰ و تعلقات کا کوئی بازار ہو، نہ کسی

مخلوق سے کسی قسم کا کوئی کام ہو، اس کی

ہمت کا (شاہ بازار) عرش سے آگے گزر گیا،

اور دونوں جہانوں سے گزر کر اپنے مطلوب کے

ہلکار ہو، دونوں جہانوں کے ہوتے ہوئے

بغیر دوست کے کوئی ناخوشی نہ ہو، اور دونوں

جہانوں کی عدم موجودگی میں دوست کیساتھ

ہوتے ہوئے کوئی ناخوشی نہ ہو، ایک عزیز

نے خوب کہا ہے : ”اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے

ہر چند ان شب نہ ادرے۔ کوئی راحت نہیں ہے اور غیر اللہ کے ساتھ

ہوے ہوئے کوئی راحت نہیں ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو کوئی

خدا سے محبوب اور ہے وہ عین مصیبت و بے بسی میں پڑا ہوا ہے

اگرچہ کئی ملکوں کے خزانوں کی کنیوں کا مالک ہو اور ہر دلق پوش اور

گدا اگر اس کا خدا سے تعلق نہ ہو وہ دونوں جہانوں کا بادشاہ ہو اگرچہ

رات کا کھانا بھی اُسے میسر نہ ہو۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

دوست بغیر وجود کے بھی موجود ہیں اور بچکانے

موجود ہوتے ہوئے بھی غیر موجود ہیں لیکن

شرط یہ ہے کہ تو تمام عالم سے بھاگے اور

اپنے آپ میں آئے دل کو اپنے سے اٹھا کر اپنے

آپے اٹھ دھو ڈالے جیسا کہ اسی بے لوث

کیا ہے اپنے ہی دل کی کہف (غار) بنائے اور

اپنے ہی دل میں گر اپنے آپ پر چار کبیر کہہ کر

اپنے نفس کے گویے دل سے باہر نکال دے

تاکہ مجھے مخلوقات پر ظاہر کریں جیسا کہ صحابہ

کو ظاہر کیا گیا (قرآن شریف میں یہ آیت ہے)

”دوستان بے وجود باوجود و بھگانگان

باوجود بے وجود اند و لیکن شرط آنست

کہ از ہر عالم بگریزی در بر خود برآئی و دل

از خود برداری دوست از خود بشونی چنانکہ

اصحاب کہف کردہ اند و از دل خود کہف

سازی و در دل برآئی و پیار کبیر بر خود بگوئی

و سگ نفس را از دل خود ببرد کنی اترا

بر خلق جلوہ کنند چنانکہ اصحاب کہف اگر د

لواظعت علیہم لکنت منہم فواد

و ملکت منہم و عباء

۱۔ مکتوب شخصیت و دوم۔ ۲۔

اگر تو ان کے حال سے مطلع ہو جائے تو تو بھی کو بھاگ آئے اور تیرا دل

اُن کے رعب سے بھر جائے اگر تو ان کو بھاگ کر دیکھے۔

امر بالمعروف اور مسلمانوں کے

حالات و معاملات کی فکر

ایکسے تجرید و تغرید کے اس بلند مقام کے باوجود جس میں

دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں

آپ کو خلق خدا کے مال پر رحمت و شفقت اور مسلمانوں کے

حالات و معاملات کی فکر اور اس سے تعلق خاطر رہتا تھا اور صرف اسی لئے آپ شاہان وقت سے کبھی کبھی

خط و کتابت فرماتے اور ان کو عدل گستری اور دادگری مظلوموں کی حمایت و حفاظت کی طرف متوجہ کرتے

ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفر آبادی کا مال تلف ہو گیا تو آپ کے سلطان اشرقی فیروز شاہ کو ایک خط تحریر فرمایا

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چند حکایتوں اور احادیث

نقل کرنے کے بعد جو ظالموں اور مظلوموں کے متعلق ہیں تحریر فرمایا:

مہمندان کہ درازان دست و مر دست

کہ چاہ مظلومان و دمانہ گان دست عدل

انصاف اراں در گاہ در عالم پدید آمد است

بدین سعادت رسیدہ کتبیر علیہ السلام

فرمودہ است ”عدل یک ساعت جبراً

شخصت سال عبادت“

اللہ کا شاہی کہ آج وہ عظم و کرم ذات جو کہ

مظلوموں اور بیچاروں کا آسرا ہے اور عدل و

انصاف کی بارگاہ سے دنیا میں ظالم ہر ہر ہے

اس سعادت تک پہنچ گئی ہے جس کے متعلق

سید علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”ایک گھڑی کا

عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔“

آپ کے علوم دینیہ کی تحصیل اور دیر کی تکمیل شاگردوں میں کی تھی اس لئے قدرتنا آپ کو بھلا اور وہاں کے حالات

۱۔ سید اشراف علی نقوی۔

حالات سے خاص دلچسپی تھی اور وہ ان کے سلسلوں کے حالات کی فکر و ہتمام رہا کرتا تھا۔ ولایت مظفر چکی
رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں جو سلطان غیاث الدین شاہ بہمنی کے نام سے تحریر فرماتے ہیں :-

شیخ شرف الحق والدین راقدس سر العزیز	شیخ شرف الحق والدین قدس سرہ العزیز
بہرہ ہمد وقت می دید کہ در باب اس ملک	بہرہ ہر وقت اس ملک کے بارے میں بے حد
میں عنایت داشت و خداے تعالیٰ را	عنایت و نوازش فرماتے ہوئے دیکھتا تھا اور
میں عنایت برائیں زمین و بریں ملک بود	اور اصل اخلاص و نفعی کی اس سرزمین پر
دست کہ شیخ شرف الدین را کہ لشکر آہی ہو	اس ملک پر نوازش تھی کہ شیخ شرف الدین
بر سر این زمین داشت	کو جو کہ لشکر آہی تھے اس میں پر آباد رکھا۔

اس راہ کے سوا کہیں اپنے کرامات و مقامات میں جس قدر ترقی کرتے ہیں ان پر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور آپ کے اتباع کامل کی اہمیت و ضرورت کا انکشاف
اور زیادہ ہو جاتا ہے اور ان کے لئے یہ بات بدیہی بن جاتی ہے کہ وصول اور مقبولیت آپ کے اتباع کامل
اور سنت و شریعت میں فتاویٰ کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بارے میں آپ کا جو عقیدہ اور یقین تھا اسکی
توضیح کے لئے یہ مکتوب کافی ہے :

قال اللہ تعالیٰ خل ان کستم	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میرے رسول
عجبون اللہ خانہ ہونی یحبکم اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر تم اللہ کو دوست
وید این حروف است درین معنی عزیز	رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ بھی تم کو
نی گوید	دوست رکھے گا اس معنی کی تائید کر رہا ہے

اس بارے میں ایک عزیز لکھتا ہے

(مثنوی)

ادبیل تو ہیں تو راہ بخوبی : اوزمان تو ہیں تو یادہ گوئی

ہرچہ او گفت گفت مطلق دان : ہرچہ او کرد کردہ حق دان

خاک ادبایش بادشاہی کن : آن ادبایش ہرچہ خواہی کن

ہر کہ چون خاک نیست بردارو : گرفتہ است خاک بر سر او

انہیں جہاں معلوم می شود کہ جسے نااہل و

مصلوب گمان فاسد ہوا و جہل خود در راہ

محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نامی روند لاجرم

انہیں حدیث ہوئے نصیب ایشان نہ رفتن

بے راہبر کمال است کہ گفت راست

کے بغیر سید عبادتہ چلنا کمال ہے اسی لئے کہا گیا ہے

(رباعی)

کو رہرگز کے تو اندر رفت راہ ست : بے عصاکش کو در رفتن خطا ست

راہ دور است و پر آفت لے پسر : راہ دورانی بسیار راہ دور

اس اصول پر آپ کا جس شدت سے عمل اور اتباع سنت کا جس قدر اہتمام تھا اس کا اندازہ اس سے

ہو سکتا ہے کہ عین وفات کے دن جبکہ آپ کی عمر ایک سو اکیس سال کی تھی اور ضعف و ناپاقتی اپنی

آخری حد کو پہنچ گئی تھی آپ نے جو آخری وضو کیا تو اس میں اتباع سنت اور صل بالعرفیت کا پورا

اہتمام کیا شیخ زین بدر عربی وفات نامہ میں لکھتے ہیں :-

پیرا میں حسین مبارک سے اُتار کر دھوکے لئے پانی طلب فرمایا اور اسی میں چڑھا
سواک مانگی اور بسم اللہ پڑھا اور بلند پڑھ کر وضو شروع کیا آپ ہر محلہ
ہر محل میں اویسہ مولیٰ پڑھتے جاتے تھے دونوں ہاتھ کمینوں تک دھوئے
مگر منہ دھونا سہو ہو گیا شیخ خلیل نے یاد دلایا آپ نے از سر نو وضو کیا
تسمیہ اور اویسہ جس طور پر کہ آتے ہیں ہر محل میں باعتبار اتمام پڑھتے تھے
اور حاضرین تعجب کرنے لگے کہ اس حال میں بھی اس قدر احتیاط ہے
قاضی زاہد نے داہنہ پاؤں دھونے میں ہاتھ بڑھا کر مدد کرنی چاہی آپ نے
روک کر فرمایا کہ ٹھہرو اور اپنے سے وضو کیا پھر کنگھی طلب کی اور پیش مبارک
میں شانہ کیا اور جانماز مانگی اور دو رکعت نماز پڑھی :-

اتباع سنت کے اہتمام کے ساتھ قدرتا آپ بدعات سے بچنے اور نفور تھے بدعت سے احتیاط تھی
بڑھی ہوئی تھی کہ ایک موقع پر فرمایا کہ :-

ایس ودر حمد جائے کہ سنت و بدعت	یہاں اور جہاں کہیں بھی سنت اور بدعت
پیش می آید ترک سنت اولی است	دونوں سامنے آجائیں سوقت سنت کا چھوڑنا
از امتیان بدعت کہ برایتان سنت	اولیٰ بر بدعت کے ارتکاب سے کہ سنت پر عمل
ایتان بدعت است :-	کرنے سے بدعت کا ارتکاب ہوتا ہے

لے وفات نامہ شیخ زین بدر عربی :-

لے خوان پر نعمت مجلس سوم، اس باب (چہام) کے فارسی اقتباسات کا ترجمہ محب عزیز صوفی محمد حسین صاحب
کے قلم سے ہے جس کے لئے مصنف ان کا ممنون ہے :-

باپ حسین وفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور ان کے کمال و مقامات
کے متعلق جو کچھ ان کے معاصر تذکرہ نویسوں نے آنے والی نسلیں کے لئے قلمبند کیا وہ اگرچہ خود بہت ناکافی اور
تشہر تفصیل ہے اور ان متفرق و منتشر حالات سے ان کی عظمت کا صحیح تصور نہیں ہو سکتا لیکن یہ حالات بھی
اگر خدا نخواستہ مفقود ہو جاتے اور صرف ان کی وفات کا سال جو ان کے خلیفہ خاص اور واقعہ کے شاہین
شیخ زین بدر عربی نے تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے محفوظ رہ جاتا تو ان کی عظمت اور مرتبت کا اندازہ کرنے کیلئے
کافی تھا تاریخ اسلام میں متعدد اکابر و ائمہ کی وفات کا واقعہ اور دنیا سے رخصت ہونے اور موت کے
استقبال کی کیفیت کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے نہ صرف ان حضرات کی عظمت و تعلق مع اللہ
اور ایمان و یقین کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس سے اسلام کی صداقت بھی عیاں ہوتی ہے کسی اُمت کے
اکابر اور کسی مذہب کے پیشواؤں کی آخری زندگی کے واقعات اور ان کے دم واپس کے حالات اس قدر
مؤثر یقین افروز اور دلورہ انگیز تاریخ میں نظر سے نہیں گزرتے جیسے سند تاریخ نے ان اکابر اسلام
کے محفوظ کئے ہیں ۔

حضرت مخدوم میری کی وفات کے جو حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں اُن سے اُن کی بے نظیر استقامت
بجز اتباع شریعت، اُمت محمدیہ کی فکر، اس کے لئے وسوسہ اہل اسلام سے محبت اور انکی خیر خواہی
اور زندگی کی نازک ترین ساعت میں بھی اُن کا خیال اور ان کے لئے دعا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید
اور یقین و اعتماد کے ساتھ اس کی بے نیازی اور کبریائی کا ڈر، سلامتی ایمان و حُسن عاقبت کی فکر اور
اہتمام بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ابن یسین نے جس طرح دنیا سے جانے اور جس حضور و مشاہدہ، مسرت و مبہم کیساتھ محبوبِ حقیقی
کے پیام و قاصد کا استقبال کرنے کا نقشہ کھینچا تھا وہ حضرت مخدوم کے وقت وفات کی سچی
تصویر ہے۔

منگر کہ دل ابن یسین پر خوں شد : بنگر کہ ازیں سر لے فانی چوں شد
معصفت کفن و پابرہ و دیدہ بدست : با یک جہل خندہ زناں بیرون شد
شیخ زین بدر عربی فرماتے ہیں :-

”چهار شبہ کا دن تھا اور ہر شوال ۱۲۸۲ھ کی تاریخ میں حاضر خدمت ہوا، نماز فجر کے بعد اس
نے حجرہ میں جس کو ملک الشرق نظام الدین خواجہ ملک نے تعمیر کیا تھا سجادہ پر تکیہ سے سہارا
لگائے بیٹھے تھے شیخ جلیل الدین حقیقی بھائی اور خادم خاص اور بعض دوسرے اجاب
اور خادم جو متواتر کئی راتوں سے آپ کی خدمت کے لئے جاگتے رہے تھے جن میں سے
قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین (جو خواجہ مینا کے بھانجے تھے) مولانا ابراہیم، مولانا
آمن قاضی میاں، ہلال و عقیق اور دوسرے عزیزِ ماضی تھے۔ اپنے زبان مبارک سے فرمایا
لا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔ پھر حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا :-
تم بھی کہو۔ لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور سب نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم

پڑھا۔ اور پھر آپ نے مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا: سبحان اللہ! وہ ملعون بوقت
بھی مسئلہ توحید میں لغزش دینا چاہتا ہے، خدا کا فضل و کرم ہے، اس کی طرف کیا توجہ
ہو سکتی ہے؟ پھر آپ نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم پڑھا شروع کیا،
اور حاضرین سے بھی فرمایا تم بھی پڑھو۔ اس کے بعد آپ اپنے اوجیر و وظائف میں مشغول
ہو گئے۔ چاشت کے وقت ان سے فارغ ہوئے، کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا
میں مشغول ہوئے با و از بلند الحمد للہ الحمد للہ کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم فرمایا
المسنة للہ المسنة للہ کئی بار دل کی خوشی اور اندرونی فرحت کے ساتھ اسی کو بار بار
دہراتے رہے۔ فرماتے جاتے تھے :- الحمد للہ الحمد للہ - المسنة للہ
المسنة للہ۔

بعد ازاں مخدوم حجرہ سے صحن حجرہ میں تشریف لائے، اور تکیہ کا سہارا لیا، تھوڑی
دیر کے بعد دست مبارک پھیلائے، جیسے صاف فرمانا چاہتے ہوں، اپنے قاضی شمس الدین
کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دیر تک لے رہے، پھر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، خادم کو نصرت
کرنے کا آغاز انھیں سے ہوا، پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا
ہم وہی ہیں، ہم وہی ہیں۔ پھر فرمایا :- ہم وہی دیوانے ہیں، ہم وہی دیوانے ہیں۔ پھر
تواضع اور خاکساری کی خاص کیفیت طاری ہوئی، اور فرمایا :- نہیں، بلکہ ہم اُن دیوانوں کی
جو تیوں کی خاک ہیں۔ پھر حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ فرمایا اور ہر ایک کے ہاتھ
دار بھی کو بوسہ دیا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار رہنے کی تاکید فرمائی اور
بلند آواز سے پڑھا :- لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب
جمیعا۔ پھر یہ شعر پڑھا :-

خدا یا رحمت دریاے عام است

از انجا قطرے بر ما تمام است

اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا، کل تم سے سوال کریں تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ لائے ہیں، اگر مجھ سے بھی پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، اس کے بعد کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا:۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له واشہد ان محمداً عبداً ورسولہ۔ یہ الفاظ بھی ادا کئے:۔ رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً وبالقرآن اماماً وبالکعبۃ قبلۃ وبالعمومنین اخواناً وبالحنۃ ثواباً وبالنار عند ابابار میں اللہ کو رب ماننا ہوں سلام کو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، قرآن کو اپنا پیشوا، کعبہ کو قبلہ، اہل ایمان کو اپنا بھائی، جنت کو اللہ کا انعام، اور دوزخ کو اللہ کا عذاب تسلیم کرتا ہوں، اور اس عقیدہ پر مطمئن ہوں)۔ اس کے بعد اپنے مولانا تقی الدین اودھی کی طرف متوجہ ہو کر اپنا ہاتھ پھیلا یا اور فرمایا:۔ عاقبت بخیر ہو۔ اور ان کے حال پر بڑی عنایت و مہربانی فرمائی، پھر زبان مبارک سے فرمایا:۔ آسوں! مولانا آسوں حجرہ کے اندر تھے، وہ سُن کر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے، اپنے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، اور چہرہ مبارک پر ہنسنے لگے۔ فرمایا:۔ تم نے بڑی خدمت کی، تمہیں نہیں چھوڑوں گا، خاطر جمع رکھو، ایک ہی جگہ رہیں گے، اگر قیامت کے دن پوچھیں گے کیا لائے؟ تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً، اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، دوستوں سے کہو خاطر جمع رکھیں، اگر میری آبرو ہے گی تو میں کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ہلال اور عقیق کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا

تم نے ہم کو بہت خوش رکھا، ہماری بڑی خدمت کی، جیسے ہم تم سے خوش رہے ہیں تم بھی خوش ہو گے اور ہمیشہ خوش رہو گے، تین مرتبہ اپنا ہاتھ میاں ہلال کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا یا اُمراء رہو گے۔ اس وقت آپ کے دونوں پاؤں میاں ہلال کی گود میں تھے، اور ان کے حال پر بڑی عنایت تھی۔

اس عرصہ میں مولانا شہاب الدین ناگوری آئے، اپنے کئی بار ان کے سر، چہرہ، وار بھی اور دستار کو بوسہ دیا۔ آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے، اور الحمد للہ الحمد للہ کہتے جاتے تھے، آپ نے ہاتھ نیچے کر لیا اور درود پڑھنے لگے۔ مولانا شہاب الدین کی بھی آپ کے چہرہ مبارک پر نظر تھی اور درود پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد اپنے مولانا شہاب الدین خواہر زادہ خواجہ معین کا نام لیا اور فرمایا میری بڑی خدمت کی، مجھ سے بہت اتحاد تھا بڑی خوبی کے ساتھ میری صحبت اٹھائی، عاقبت بخیر ہو۔ اس وقت مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جو نیپوری کا نام لیا، اور فرمایا کہ:۔ ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آپ نے بہت خوش ہو کر مسکراتے ہوئے اور اپنی تمام انگلیوں سے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ مظفر میری جان ہے، میرا محبوب ہے مولانا نصیر الدین بھی اسی طرح ہیں، خلافت اور مقتدائی کے لئے جو شرائط و اوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں، میں نے جو کچھ کہا اس سے ان غریبوں کو فتنہ و خلق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا۔ اس موقع پر مولانا شہاب الدین نے:۔ پیش کیا،

۱۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ یہاں پر جو عبارت ہے وہ کچھ میں نہیں آئی۔

اور عرض کیا:۔ مخدوم اسے قبول فرمائیں؟ فرمایا:۔ میں نے قبول کیا، یہ کیا ہے میں نے تو تمہارا سارا گھر قبول کیا۔ اس کے بعد ان کو کلاہ عطا ہوئی، انھوں نے تجدید بیعت کی درخواست کی، آپ نے قبول فرمایا۔

اس دوران میں قاضی مینا حاضر خدمت ہوئے، میاں ہلال نے تعارف کرایا اور عرض کیا:۔ یہ قاضی مینا ہیں؟ فرمایا:۔ قاضی مینا، قاضی مینا! قاضی مینا نے کہا:۔ حضرت حاضر ہوں! اور ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ نے ان کا ہاتھ اپنے چہرہ درپیش مبارک اور رخسار پر پھیرا اور فرمایا:۔ خدا کی تم پر رحمت ہو! ایمان رہو اور با ایمان دنیا سے جاؤ، ازراہ شفقت یہ بھی فرمایا کہ:۔ مینا ہمارے ہیں۔ اس دوران میں مولانا ابراہیم آئے، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی دائرہی پر پھیرا اور فرمایا کہ تم نے میری اچھی خدمت کی اور پورا ساتھ دیا، با آبرو رہو گے۔ مولانا ابراہیم نے عرض کیا:۔ مخدوم... مجھ سے راضی ہیں؟ فرمایا:۔ ہم سب سے راضی ہیں، تمہیں بھی ہم سے راضی ہونا چاہئے، جو کچھ ہے میری طرف سے۔ اس کے بعد قاضی شمس الدین کے بھائی قاضی نور الدین حاضر ہوئے، آپ نے قاضی نور الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ ان کی دائرہی چہرہ و رخسار اور ہاتھ کو کئی بار بوسہ دیا، آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ:۔ تم ہماری محبت میں بہت بے ہو اور ہماری بڑی خدمت کی ہے، انشاء اللہ کل ایک ہی جگہ رہیں گے، اس کے بعد مولانا نظام الدین کو ہی حاضر ہوئے۔ فرمایا:۔ غریب اپنا وطن چھوڑ کر ہمارے جوار میں آگیا تھا، یہ کہہ کر کلاہ مبارک اپنے سر سے اتار کر ان کو عطا فرمائی،

لے یہاں پر بطور اور نئی نسخہ میں مسجداً البیاض کا نظارہ، شاید اس کے معنی یہ ہوں کہ آج صبح کے وقت۔

اور جس عاقبت کی دعا فرمائی اور فرمایا حق تعالیٰ تمہیں مقصود تک پہنچائے۔ پھر سب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔ دوستو! جاؤ اپنے دین و ایمان کا غم کھاؤ اور اسی میں مشغول رہو!۔

اس کے بعد کاتب سطور زین بدر علی نے دست مبارک کو بوسہ دیا، اپنی آنکھ، سر اور بدن پر پھیرا۔ ارشاد ہوا:۔ کون ہے؟ میں نے عرض کیا:۔ گدائے آستانہ توجہ کرتا ہوں اور عرض کرتا ہے کہ مجھے از سر نو خلائی میں قبول فرمایا جائے؟ فرمایا:۔ جاؤ تم کو بھی قبول کیا، تمہارے گھر اور تمام اہل خاندان کو قبول کیا، خاطر جمع رکھو، اگر میری آبرورہی تو کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا:۔ مخدوم تو مخدوم ہیں، مخدوم کے غلاموں کی بھی آبرو ہے۔ فرمایا:۔ امیدیں تو بہت ہیں۔

قاضی شمس الدین آئے اور حضرت مخدوم کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ مولانا شہاب الدین ہلال و عقیق نے عرض کیا کہ:۔ مخدوم! قاضی شمس الدین کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا:۔ قاضی شمس الدین کے بارے میں کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے، کئی جگہ میں اس کو فرزند کہہ چکا ہوں، خطا میں نے اس کو بھادرم بھی لکھا ہے، ان کو علم درویشی کے اظہار کی اجازت ہو چکی، انھیں کے خاطر اتنے کہنے اور لکھنے کی نوبت آئی، ورنہ کون لکھتا؟۔

اس کے بعد برادر و خادم خاص شیخ خلیل الدین نے جو پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا:۔ خلیل! خاطر جمع رکھو، تم کو علماء و درویش چھوڑیں گے نہیں، ملک نظام الدین خواجہ ملک آئے گا، اس کو میرا سلام دو، وہ پہنچانا، میری طرف سے بہت معذرت کرنا اور کہنا کہ میں تم سے راضی ہوں اور راضی جا رہا ہوں، تم بھی راضی رہنا۔ فرمایا کہ جب تک ملک نظام الدین ہے تم کو نہ چھوڑے گا۔

شیخ خلیل الدین بہت متاثر تھے آنکھوں میں آنسو تھے، حضرت مخدوم نے جب ان کی دل شکستگی دیکھی تو بڑی شفقت سے فرمایا:۔ خاطر جمع رکھو اور دل کو مضبوط رکھو۔ اس کے بعد فرمایا:۔ کون ہے؟۔ ہلال نے عرض کیا کہ:۔ مولانا محمود صوفی ہیں۔ آپ نے بڑے گہرے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ:۔ بیچارہ غریب ہے، مجھے اس کی بڑی فکر ہو، بیچارے کا کوئی نہیں، اس کے بعد ان کے لئے حسن عاقبت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد قاضی خاں خلیل حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا:۔ بیچارہ قاضی ہمارا پُرانا دوست ہے، ہماری صحبت میں بہت رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جزائے اور عاقبت بخیر کرے، اس کے فرزند بھی ہمارے دوست ہیں، سب کی عاقبت بخیر ہو، اور حق تعالیٰ دونوں سے رہائی دے۔

اس کے بعد خواجہ معز الدین شرف بہ خدمت ہوئے۔ فرمایا:۔ عاقبت بخیر ہو۔ پھر مولانا فضل اللہ نے قدوسی کی۔ فرمایا:۔ بھلے بھلے اللہ عاقبت بخیر کرے، فتوح باورچی روتا ہوا آیا اور قدموں میں گر گیا۔ فرمایا:۔ بیچارہ فتوح جیسا کچھ تھا میرا ہی تھا، اس کے حق میں بھی دعائے عاقبت فرمائی۔ اس کے بعد مولانا شہاب الدین نے شرف قدوسی حاصل کیا، ہلال نے تعارف کرایا کہ مولانا شہاب الدین حاجی رکن الدین کے بھائی ہیں۔ فرمایا:۔ انجام بخیر ہو، ایمان کا غم کھاؤ، اور رحمت حق کے امیدوار ہو کر پڑھو لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔

کچھ دیر کے بعد نماز ظہر کے قریب سید ظہیر الدین اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، آپ نے سید ظہیر الدین کو بغل میں لے لیا، اور بڑے لطف و شفقت کے ساتھ فرمایا:۔ میں جو عاقبت عاقبت کہتا تھا یہی عاقبت ہے، اس کے بعد میں مرتباً کو بغل میں لیا اور آخری بار یہ آیت پڑھی:۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔

اور حاضرین کو رحمت و مغفرت خدادادی کا اُمیدوار بنایا، اس کے بعد وہاں سے اٹھے اور حجرہ میں تشریف لے گئے، اور سید ظہیر الدین کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے اور ان سے کچھ دیر باتیں فرمائیں۔ اس کے بعد سلطان شاہ پرگنہ دار را بگیر اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر خدمت ہوا، اور ایک روغن کا سرریا ج پیش کیا، ارشاد ہوا کہ مولانا نظام الدین بھی لائے تھے، پھر شربت او پان پئے کر معذرت کی۔ اس کے بعد خلیل کے بھائی منور نے عرض کیا کہ توبہ و بیعت کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا:۔ آؤ، اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر توبہ و بیعت سے شرف فرمایا، پھر قینچی طلب کی، قینچی سے بال تراشے اور کلاہ پہنائی، اور فرمایا:۔ جاؤ دو گناہ ادا کر دو۔ اس طرح اس کے بیٹے نے بھی بیعت کی، اس کو بھی یہی حکم ہوا۔

اسی اثنا میں قاضی عالم احمد مفتی مولانا نظام الدین مفتی کے بھائی جو مریدان خاص میں سے ہیں آئے، اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، اسی درمیان میں ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی، آپ نے فرمایا:۔ پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو؟ حاضرین نے عرض کیا ابھی چھوٹا ہے، سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا، میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہے، انھوں نے اس لڑکے کو بلایا، اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی، سید ظہیر الدین نے بھی جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا اور مودب بیٹھ گیا، اس نے سورۃ فتح کے آخری کلمے کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ پڑھنی شروع کیں، حضرت مخدومؒ کی تکیہ کے سہارے آرام فرما رہے تھے اٹھ بیٹھے، اور معمول قدیم کے مطابق باادب دوزانو بیٹھ گئے، آؤ

بڑی توجہ سے قرآن مجید سننے لگے، اور کاجب لیغیظ بھرا الکفار پر ہونچا تو مرغوب ہو گیا اور اس سے پڑھانہ جا سکا، آپ نے اس کو آگے کے لفظ کی تلقین فرمائی، جب لڑکے نے قرات ختم کی تو آپ نے فرمایا کہ: اچھا پڑھتا ہے اور خوب ادا کرتا ہے لیکن مرغوب ہو جاتا ہے اس موقع پر آپ نے ایک مغربی درویش کا ذکر کیا کہ کبھی اُس کی طبیعت حاضر ہوتی تھی، اور قرآن مجید سننے کا ذوق ہوتا تھا، اور کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور قرآن مجید سننے کا ذوق نہیں ہوتا تھا۔

اس کے بعد قاضی عالم کو شربت اور پان دینے کو ارشاد ہوا، اور معذرت فرمائی۔ آپ نے پیراہن جسم سے اتارنا چاہا اور وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین سمیٹی، مسواک طلب فرمائی، آواز سے بسم اللہ پڑھی اور وضو شروع فرمایا اور ہر موقع کی ادھیڑھیں، کینوں تک دونوں ہاتھ دھوئے، منہ دھونا بھول گئے۔ شیخ فرید الدین نے یاد دلایا کہ منہ دھونا رہ گیا، آپ نے از سر نو وضو کرنا شروع کیا، اور بسم اللہ اور وضو کی دعائیں جس طرح سے آئی ہیں بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مفتی سید ظہیر الدین اور حاضرین مجلس دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ایسی حالت میں یہ احتیاط؟ قاضی زادہ نے پاؤں دھونے میں مدد کرنی چاہی، حضرت مخدوم نے اُن کو روک دیا، اور فرمایا: کھڑے رہو اس کے بعد خود سے وضو پورا کیا، وضو مکمل کرنے کے بعد گنگھی طلب فرمائی اور دائرہ میں گنگھی کی اس کے بعد مصلیٰ طلب فرمایا، نماز شروع کی، اور دو رکعت میں سلام پھیرا، تکان ہو جانے کی وجہ سے کچھ دیر آرام فرمایا۔ شیخ جلیل الدین نے عرض کیا کہ: حضرت سلامت حجرہ میں تشریف لے چلیں، ٹھنڈک کا وقت ہو گیا ہے؟ آپ کھڑے ہوئے، جوتیاں پہنیں، اور حجرہ کی طرف چلے، آپ کا ایک ہاتھ مولانا زاہد کے کاندھوں پر تھا دوسرا مولانا شہاب الدین کے کاندھوں پر حجرہ میں

آپ ایک شیر کی کھال پر لیٹ گئے۔ یہاں ٹوڑنے بیعت تو بہ کی درخواست کی، اپنے ان کی ہاتھ بڑھا دیا اور اُن کو تو بہ و بیعت سے مشرف کیا، اور اُن کے سر کے بال دونوں جانب سے تھوڑے تھوڑے تراشے، اُن کو کلاہ پہنائی اور فرمایا جاؤ دو گنا ادا کرو، یہ آخری بیعت تو بہ تھی جو آپ نے کرائی، اس موقع پر ایک عورت اپنے دو لڑکوں کے ساتھ حاضر ہوئی، اور شربت قدوسی حاصل کیا۔ نماز عصر کے بعد مغرب کی نماز کے نزدیک خدام نے عرض کیا کہ: حضرت چار پانی پر آرام فرمائیں؟ آپ چار پانی پر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔

نماز مغرب کے بعد شیخ جلیل الدین، قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین، قاضی نور الدین ہلال اور عتیق اور دوسرے ارجاب و خدام جو خدمت میں مصروف تھے چار پانی کے چاروں طرف بٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم نے کچھ دیر کے بعد آواز بلند بسم اللہ کہنی شروع کی، کئی بار بسم اللہ کہنے کے بعد زور زور پڑھا لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اس کے بعد بار بار بلند آواز کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا، پھر کلمہ شہادت اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہدان محمدٌ عبدہ و رسولہ اس کے بعد فرمایا: لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پھر کچھ دیر تک کلمہ شہادت زبان پر جاری رہا، پھر کئی بار فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ محمدٌ رسول اللہ۔ اس کے بعد بڑے اہتمام سے اور دل کی بڑی قوت اور بڑے ذوق و شوق سے محمدٌ محمدٌ اللہم صل علی محمد و علی آل محمد الخ پھر یہ آیت پڑھی: ربنا انزل علینا ما ائدنا من السماء تا آخرا رضیت یا اللہ ربنا و

بالاسلام و بنا و بوحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا کے بعد
 میں مرتبہ کلمہ طیبہ کا اور فرمایا، پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے ذوق و شوق
 کے ساتھ جیسے کوئی دعا اور مناجات کرتا ہے، فرمایا، اللہم ائمتہ محمد
 اللہم ارحم ائمتہ محمد اللہم اغفر لائمتہ محمد اللہم تجاوز
 عن ائمتہ محمد اللہم اغث ائمتہ محمد اللہم انصر من نصر دین
 محمد اللہم فرج عن ائمتہ محمد فرجا عاجلا اللہم اخذل
 من خذل دین محمد یرحمک یا ارحم الراحمین ان الفاظ پر
 آواز بند ہو گئی، اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے :- لا خوف علیہم
 ولا هم یحزنون لا الہ الا اللہ اس کے بعد ایک بار بسم اللہ الرحمن
 الرحیم کہا، اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ یہ واقعہ شبِ پنجشنبہ ۶ شوال ۱۳۸۲ھ
 عشا کی نماز کے وقت کا ہے، اگلے روز پنجشنبہ کے دن نمازِ پاشت کے وقت تدفین
 عمل میں آئی۔

نماز جنازہ و تدفین نماز جنازہ حضرت شیخ اشرف ہانگیر مہمانی نے پڑھائی جو انتقال کے بعد
 پہنچے تھے۔ لطائف اشرفی میں حضرت مخدوم صاحب کے خود

۱۔ از سال وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی، مطبع مفید عام، اگرہ ۱۳۲۱ھ

۲۔ لطائف اشرفی حضرت نظام الدین یعنی الملقب بنظام حاجی غریب ایمنی کی مرتب کی ہوئی ہے، جو حضرت
 اشرف ہانگیر کے مرید تھے اور آپ کی صحبت میں تیس سال رہے تھے، یہ حضرت اشرف ہانگیر کی سوانح حیات
 بھی ہے اور آپ کی تعلیمات کا مجموعہ بھی۔ ۱۲

دمیت اور بیگونی فرمانے اور حضرت شیخ اشرف ہانگیر کے وہاں پہنچنے اور حسب وصیت نماز پڑھانے کا واقعہ
 تفصیل سے مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم صاحب کی وصیت و اطلاع کے مطابق جنازہ تیار
 کر کے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور ان کا انتظار تھا شیخ اشرف ہانگیر دہلی سے بگلار سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ
 حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق لاہوری پنڈوی کی خدمت میں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں بہار شریف
 میں اس وقت پہنچے جب حضرت مخدوم کا جنازہ تیار کر کے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور امام کا انتظار تھا،
 آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔

قبر کئی ہے اور اس پر کوئی گنبد نہیں ہے۔ سوریوں کے عہد سلطنت میں اسکے گرد و پیش مکانات، مسجد
 اور حوض و فوارہ بنا لیکن بخیال اتباع شریعت جس کا حضرت مخدوم کو بڑا اہتمام تھا، قبر اپنی حالت
 اصلی پر چھوڑ دی گئی۔

اولاد و اعتقاد صاحب سیرۃ اشرف لکھتے ہیں :-

”مخدوم کی مجلسی اولاد کا سلسلہ اس وقت ایک پوتی سے جاری ہے، آپ کے صاحبزادہ
 شاہ ذکی الدین نے آپ کی حیات ہی میں ایک لڑکی بار کر نام چھوڑ کر قضا کی۔ اس لڑکی کا
 بیواہ سید وحید الدین رضوی خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی سے ہوا، اس کے خدائی سے
 ایک لڑکی طہرانام پیدا ہوئی، جو شہاب الدین علوی طوسی سے بیاہی گئی، ان کے دو بیٹے شیخ
 عظیم الدین و شیخ امام الدین ہوئے، ایک زمانہ کے بعد جب فرزند ان حسین ثانی نوشہرہ توحید نے

۳۔ لطائف اشرفی مطبوعہ تالعات دہلی ۱۳۹۵ھ ص ۹۴

۴۔ سیرت اشرف

خلع خلافت کیا تو مجاہدان درگاہ حضرت بارکہ کی اولاد کو لاکر سجادہ خلافت خانقاہ پر ٹھکان کیا،
ان میں سے پہلے بزرگ جو سجادہ پر بیٹھے وہ شاہ یکے تھے علیہ

مخدوم صاحب کے بھائیوں سے خاندانی سلسلہ چلا، اور ان کی اولاد اب بھی خیر اور صوبہ بہار میں
موجود ہے۔

ممتاز مریدین و خلفاء صاحب سیرۃ الشرف کہتے ہیں :- مخدوم کے مریدوں کی فہرست
نہایت طویل ہے۔ نوشتہ توحیدان کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتاتے ہیں

یہ تعداد بالآخر سے خالی نہیں معلوم ہوتی، بایں ہمتا حاضر در کہا جائے گا کہ کثیر تھی، اور اس میں ستر شریف
و علامہ بھی شریک ہیں۔ مخدوم کے میرز مستفیدوں میں یہ تھے :-

”مولانا مظفر جلی، ملک زادہ فضل اللہ، مولانا نصیر الدین جو پوری، مولانا نظام الدین درو بخاری
شیخ عمر، طلب الدین، نور الدین، شیخ سلیمان، خواجگی، خواجہ احمد، امام تاج الدین، حسین معز جلی
الملقب بہ نوشتہ توحید، مولانا قمر الدین، مولانا ابوالقاسم، مولانا ابوالحسن، قاضی شرف الدین
قاضی منہاج الدین درو بخاری، مولانا تقی الدین اودھی، مولانا شہاب الدین ناگوری،
شیخ خلیل الدین، مولانا رفیع الدین، مولانا آدم حافظ، زین بدر عربی، قاضی مسد الدین،
شمس الدین خوارزمی، شیخ معز الدین، مولانا کریم الدین، خواجہ حافظ جلال الدین، خواجہ

سید شرف الدین شہا، صاحب سیرۃ الشرف کو مخالف ہوا ہے کہ یہ وہ شمس الدین خوارزمی ہیں جو سلطان غیاث الدین
بلبن کے عہد میں شمس الملک کے خطاب کے لقب ہو کر منصب صدارت پر مامور ہوئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ شمس الملک مستوفی
الملک مولانا شمس الدین خوارزمی جو عہد بلبن میں منصب صدارت پر فائز تھے انھیں صدی ہجری شروع ہونے سے
پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اویا انھیں کے شاگرد تھے۔ یا تو صاحب سیرۃ الشرف کو نام میں
مخالفہ ہوا ہے۔ یا حضرت مخدوم سے جن کو شرف استفادہ حاصل تھا وہ کوئی دوسرے شمس الدین خوارزمی تھے :-

حمید الدین سوداگر، شیخ مبارک، زکریا غریب، قاضی خان، نجم الدین شاعر، قاضی بد الدین مظہر آبادی
مولانا لطف الدین، احمد سفید بان، شیخ ذکی الدین، مولانا نظام الدین خال زادہ مخدوم،
مولانا احمد آمون، مولانا زین الدین، شیخ شعیب، سید شہاب الدین، عماد عالمی، حاجی رکن الدین
مولانا ابو عبد الدین خواہر زادہ، شیخ نجیب الدین فردوسی، سید بلال الدین خواہر زادہ، شیخ نجیب الدین
فردوسی، شیخ رستم و شیخ وجہ الدین و شیخ وحید الدین (بہر سہ یا ان شیخ نظام الدین دلیا) مولانا
حسام الدین امام ہیبت خانی وغیرہم

تصنیفات حضرت مخدوم شیخ شرف الدین بھلی میری کا شمار کثیر التصنیف بزرگوں میں ہے، لیکن آپ کی
بہت سی تصنیفات اور رسائل امتداد زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے ضائع ہو گئے اور

ان میں بہت سی کتابوں کے نام بھی سیر و سوانح میں محفوظ نہیں ہے، جو کتابیں ملتی ہیں یا تصنیفات میں
ان کے نام نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں :-

”راحت القلوب، اجوبہ اقوال، کنز، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، رسالہ ایک،
معدن المعانی، لطائف المعانی، اشارات، مع المعانی، خواہن پر نعمت، تحفہ غیبی، رسالہ
در طلب طالبان، محفوظات، زاد سفر، عقائد شرفی، فوائد مریدین، بحر المعانی، صغیر النظر،
کنز المعانی، گنج لایقینی، مونس المریدین، شرح آداب المریدین“

لیکن آپ کی سب سے بڑی یادگار اور آپ کے علوم و تربیت اور مقام تحقیق و اجتہاد کا سب سے بڑا منظر آپ کے
”مکتوبات“ ہیں، اور ”مکتوبات“ صدی و دیگرہ کے نام سے ملتے ہیں۔

سیرۃ الشرف ۱۱۱ د ۱۱۲ + سیرۃ الشرف و زہدۃ الخواطر وغیرہ۔

باشیستم مکتوبات

مکتوبات اُن کا علمی ادبی پایہ حضرت محمدؐ کی زندگی و یادگار اور اُن کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے جو نہ صرف

اس عصر کی تصنیفات میں بلکہ معارف و حقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ علم کی گہرائی، تحقیقات کی ندرت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواقِ صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنت کے صحیح و دقیق فہم، مقامِ نبوت کی حرمت و عظمت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجدانگیر نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے اہم مسائلِ محمد و علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت محمدؐ کے مکتوبات نام ربانی کی نظیر نظر نہیں آتی۔ ان مکتوبات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے متفکین و عارفین کے علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے اور انھوں نے معرفتِ الٰہی، ایمان و یقین، مشاہدہ و ادراک، تصفیہ و قلب و تزکیہ نفس، روح کی لطافت و ذکاوت، اخلاق کی باریکیوں اور نفسِ انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات و فتوحات حاصل کیں اور اُن کی ذکاوت اور قوتِ فکریہ کے طائر بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا

اور کن کن مضامین میں پرواز کی۔

علوم و معارف کے علاوہ یہ مکتوبات زورِ مسلم، قوتِ بیانی اور حسنِ انشا کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور اُن کے بہت سے نمونے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اور "ادبِ عالی" میں شمار کئے جائیں۔ دنیا کی اکثر زبانوں اور علم و ادب کے بارہ میں یہ زیادتی کی گئی ہے کہ صرف اُن شخصیتوں کو ادیب، صاحبِ سلوب و انشا پر دراز تسلیم کیا گیا ہے اور انھیں کی تحریر اور سبکِ فکر کو ادب کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جنھوں نے ادبِ انشا کو ایک چشہ یا ذریعہ اظہارِ کمال کے طور پر انتخاب کیا، یا جو قدیم زمانہ میں سرکارِ دربار متعلق تھے اور کوئی تحریری خدمت اُن کے سپرد تھی یا جنھوں نے انشا میں مناسبت اور تکلف سے کام لیا، اس کا نتیجہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں انشا پر دراز صاحبِ سلوب کی حیثیت سے ہمیشہ عبدالحمید الکاتب، ابوالفتح الصابی، ابن العسکری، صاحبِ ابن عباد، ابوبکر خوارزمی، ابوالقاسم حریری اور قاضی فاضل کا نام لیا جاتا ہے، حالانکہ ان کی تحریروں کا بڑا حصہ مصنوعی زندگی اور روح سے محروم اور تاثیر سے خالی ہے، ان کے مقابلہ میں امام غزالی، ابن جوزی، ابن شداد، شیخ محمد الدین بن عربی، ابو حیان توحیدی، ابن قیم، ابن خلدون کیسے بڑے انشا پر دراز کمالات کے سہی ہیں اور ان کی تصنیفات میں صمیم اور طاقتور انشا، خیالات و جذبات کے اظہار اور انسانی تاثرات و احساسات کی تصویر کے نہایت دلکش اور دل آویز نمونے ہیں لیکن ان بے گناہوں کا گناہ یہ ہے کہ انھوں نے کبھی ادبِ انشا کو اپنا مستقل پیشہ یا اظہارِ کمال کا ذریعہ نہیں بنایا، اور اُن کی اکثر تحریروں کا موضوع دینی یا علمی ہے۔

دکھپ اور عبرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک ہی مصنف دو کتابیں لکھتا ہے، ایک تو سراسر تکلف اور تھن سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور دوسری سادہ اور بے تکلف، اس کے زمانہ کی سوسائٹی اور ادبی حلقے پہلی تصنیف کی داد و تحسین کی صداؤں سے گونج جاتے ہیں، اور شاید وہ مصنف خود بھی اسی کتاب کو حاصلِ زندگی اور سرمایہٴ نازش و افتخار سمجھتا ہے لیکن حقیقت پسند زمانہ اور انقلاب روزگار اپنا صحیح فیصلہ صادر کرتا ہے، پھر تکلف تصنیف کتب خانوں کی زینت ہو کر رہ جاتی ہے اور دوسری کتاب کو بقائے دوم کا

خلعت عطا ہوتا ہے اور وہ گلشن بے خزاں کی طرح سد بہار بن جاتی ہے۔ ابن جوزی کی مائے ناز تصنیف جس کا انھوں نے بڑے فخر کے ساتھ "المذہب" (حیرت میں ڈال دینے والی کتاب) نام رکھا تھا پردہ خدائیں ہے لیکن ان کی بے تکلف کتاب "صید الخاطر" جس میں انھوں نے نہایت سادہ طریقہ پر اپنی زندگی کے تجربے اور روزمرہ کے تاثرات قلمبند کئے تھے، اور جس کو شاید وہ خاطر میں بھی نہ لاتے ہوں، آج مقبول عام اور ادب کے طالب علموں کا مرکز توجہ بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان کے فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو یہاں کے ادب و انشا پر ظہوری، ابوالفضل اور نعمت خان عالی بچائے ہوئے نظر آتے ہیں، حالانکہ اگر انشا کے لئے جذبات و حقائق کے موثر انھار کو معیار قرار دیا جائے تو ان کی تحریروں کا بڑا حصہ جن میں لغظی صنائع و بدائع اور لفظی رعایتوں کا زور ہے، اپنی قیمت کھو دیتا ہے اور بہت تھوڑا حصہ ادب و انشا کے فطری معیار پر پورا اترتا ہے، ان کے مقابلہ میں ایسی بہت سی تصنیفات لائق اعتنا ٹھہرتی ہیں جن کو عام طور پر موضوعین ادب اور خوش گوشت و لذت پسندانہ ناقدین نے ہمیشہ نظر انداز کیا حضرت شیخ شرف الدین عینی، میر تقی میر اور حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی کے "مکتوبات" کا بڑا حصہ، عالمگیر کے "رتعات"، شاہ ولی اللہ صاحب کی "ازالۃ الخفا"، اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی "تخفۃ العاشق" کے بہت سے کوفے فارسی ادب و انشا کا کیسا بے نوبہ ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زبان میں ادب کا جو دائرہ کسی پیش رو نے کھینچ دیا اسکے حدود و اربعہ سے باہر نکلنے، دوسرے علوم و فنون کے ذخیرے کو کھنگالنے اور نئے ادبی شاہکاروں کو دریافت کرنے کی دوسری عام طور پر گوارا نہیں کی گئی اور اس طرح صدیوں تک ان ادبی جواہرات پر خاک پڑی رہی۔

ادب و انشا کے سلسلہ میں عام مورخ و نقاد اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں کہ تحریر کی قوت کلام کی تاثیر اور قبول عام و بقائے دوام کے لئے سب سے زیادہ معاون عنصر لکھنے والے کی اندرونی کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ کسی حقیقت کے انھار کے لئے اس کی بے پنی اور بے قراری ہے۔

ایسے کسی شخص کو جو اس اندرونی کیفیت سے سرشار اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کے لئے مضطرب و بے قرار ہو جب قدرت کی طرف سے ذوقِ سلیم بھی عطا ہو، الفاظ و اسالیب بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم و ادب، عقل و استدلال اور حسن بیان کے ساتھ سوز و درد اور خون جگر بھی شامل ہو تو اس کی تحریر میں ایسا اثر اور ایسا زور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی اس کی تازگی و زندگی اور اس کی تاثیر و قوتِ تسخیر قائم رہتی ہے۔

تحریر و تقریر کو بہتر کامیاب بنانے کے لئے جتنی صفات اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں ناقدین ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور ہر عمدہ میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا مؤثر اور ناقابلِ فراموش عنصر یا عامل صاحبِ کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے۔ ادب و انشا کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ اور گہرے نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کو دو قسموں پر تقسیم کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں یا اظہارِ خیال جو اندرونی تقاضے اور داعیہ اور کسی طاقت و عقیدہ یا یقین کے ماتحت وجود میں آئیں، اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، کوئی دنیاوی منفعت یا کسی صاحبِ اقتدار یا صاحبِ ثروت انسان کی رضامندی نہیں تھی، بلکہ وہ خود اپنے ضمیر یا عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی جس میں اہل حکومت اور اہل ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحبِ ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو۔ ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین آسمان کا فرق ملے گا۔ پہلا ادب "ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے، وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کا موضوع دینی اور اخلاقی ہے تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر پڑتا ہے، ہزاروں دلوں کے

دل میں اسکے پڑھنے سے اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسکے برخلاف دوسری قسم کا ادب داد و تحسین اور علاؤنی سرور و خوش وقتی کے سوارِ جوارِ قلب پر اپنا کئی دیر پا اثر نہیں چھوڑتا، اس کی زندگی اور عمر محدود و منحصر ہوتی ہے پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے، دوسرے ادب میں صنعت اور اہتمام۔ ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہو تو ان دونوں قسموں میں وہی فرق ہے جو ایک مثیلی حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی نے ایک شکاری کتے سے پوچھا کہ: ”ہرن بھگنے میں تم سے کیوں بڑھ جاتا ہے“ اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟ اس نے جواب دیا اسلئے کہ وہ اپنے لئے دوڑتا ہے اور میں اپنے آقا کے لئے“۔

تاکدین ادب نے وقت، ماحول، فضا اور طبیعت کے فراغ کو ادب و شاعری کے لئے بہت زیادہ سارا گارو و غنہ تسلیم کیا ہے اور بہت ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ لب جو، کنار دریا، گوشہ، عین، فصل، ہمارا، نیم سو، صبح کا سہانا وقت، ان کی شاعری اور ان کے ادب کے لئے محرک بن جاتا ہے، اور ان میں بہت سے لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اس طرح حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ روح کی لطافت اور دماغ کا سکون ادبیات کے لئے بہت معاون ہے۔

بعض اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی ملاوت اور قوت ہے، وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت و سستی کا نتیجہ ہے، اور اس کے لئے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، ان کی خوشی و سرگوشی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ ان کے دل میں ہوتا ہے۔ خواجہ میر درد نے جو خود صاحب دل اور صاحب درد تھے، اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔

ہائے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ

کچھ عجب سستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

غرض اس باطنی کیفیت، یقین و مشاہدہ، دعوت کے غلبہ اہل عصر و اہل تعلق کو تھائی سے آگاہ کرنے اور منزل مقصود پر پہنچانے کے جذبہ، اخلاص و دردمندی، روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اس کے تحت

ذوقِ سلیم اور زبان پر قدرت نے حضرت شیخ شرف الدین کو ایک بلند ادبی مقام عطا کیا ہے، اور انھوں نے اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کیلئے ایک مستقل اسلوب پیدا کر لیا ہے جو انھیں کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور معارف و تھائی، دعوت و اصلاح کے وسیع ذخیرے میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوت و تاثیر میں ان کی نظیر ہوں۔

مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوب الیہ جو قاضی شمس الدین عالم قصبہ چور کے نام کے مکتوب کا مجموعہ ہے، اس مجموعے میں نو مکتوبات ہیں، کہیں ”مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ“ کے نام سے چھپا ہے، اور کہیں ”سعدی مکتوبات“ کے نام سے، اور کہیں ”مکتوبات سعدی“ کے نام سے، اس کے مرتب حضرت مخدوم کے معتمد خاص شیخ زین بدر عینی ہیں، وہ اس مجموعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

”بندہ ضعیف زین بدر عینی کہتا ہے کہ قاضی شمس الدین عالم قصبہ چور نے جو حضرت کے ایک

مرید ہیں، بار بار اس مضمون کے عریضے ارسال خدمت کئے کہ یہ غریب موانع کی بنا پر حضرت مخدوم

کی مجلس میں حاضر ہوں اور شرفِ صحبت سے (جو علوم و معارف کے حصول کا ذریعہ ہے) محروم ہے،

اور حضرت مخدوم سے دور ایک دوسرے مقام پر پڑا ہے، اس کی درخواست ہے کہ علم سلوک کے

ہر باب میں بندہ کے فہم و استعداد کے مطابق کچھ جز تحریر میں لے آیا جائے تاکہ یہ دور افتادہ اس

لے چہ حضرت مخدوم صاحب کے عہد میں ایک مرکزی اور معدن مقام تھا، اس زمانہ میں ضلع شاہ آباد کشمیری پٹنہ کا ایک غیر مشہور دیہات ہے۔“

استفادہ کر سکے۔ یہ درخواست جو بڑے اخلاص و کماح سے کی گئی تھی منظور ہوئی، اور حضرت مخدوم نے مراتب و مقامات سالکین اور احوال و معاملات مریدین کے سلسلہ میں بقدر ضرورت کچھ قلمبند فرمادیا، اور اس طرح توبہ و ارادت، توحید و معرفت، عشق و محبت، گردش و روش، کشش و کوشش، بندگی و عبودیت، تجرید و تفرید، سلامتی و ملامتی، پیری و مریدی کے بہت سے ضروری اور مفید مضامین و ہدایات، سلف کی حکایات اور ان کے احوال و اعمال کا بہت سا ذخیرہ تحریر میں آگیا۔ یہ خطوط سلسلہ کے مختلف ہمینوں میں بہارِ قلم چوسے بھیجے جاتے رہے۔ غلام و حاضرین خانقاہ نے ان مکتوبات کی نقل رکھ لی، اور ان کو مرتب کر لیا تاکہ اصحاب توفیق، طالبین صادق اور بعد میں آنے والوں کے کام آئیں۔

قامنی سر نشانہ شد و خود جہانیاں : سرمایہ ہا برند ہمہ زین نقو و غیب

یارب ازیں نقو و سرہ دانی بر بخش : مارا کہ قلب و ناسرہ مستیم پر ز عیب

ایک دوسرا مختصر مجموعہ "مکتوباتِ جوانی" کے نام سے علاحدہ بھی شائع ہوا ہے، اور "سہ صدی مکتوبات" (شائع کردہ کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور) کے مجموعہ میں بھی شامل ہے، یہ ان مکتوبات کا باقی ماندہ حصہ ہے جو شیخ مظفر کے نام ان کے عرائض کے جواب میں لکھے گئے، اور ان میں زیادہ تر راہِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور اس راہ کی ترقیات و کیفیات کا بیان ہے، اور ان سے شیخ مظفر کے علو استعداد اور انعاماتِ اکیہ کا اندازہ ہوتا تھا۔ شیخ مظفر نے وصیت کی تھی کہ یہ مکتوبات انھیں کے ساتھ دفن کر دیئے جائیں، اتفاقاً کچھ مکتوبات پر بعض غلام کی نظر پڑ گئی اور انھوں نے اس کی نقل لے لی۔ یہ مجموعہ "مکتوباتِ جوانی" کے نام سے موسوم ہے، اس مجموعہ میں اٹھائیس مکتوبات ہیں۔

مکتوبات کا ایک تیسرا مجموعہ وہ ہے جس میں ایک سو تین مکتوبات ہیں، اور مختلف اشخاص کے نام ہیں۔ یہ مکتوبات جمادی الاولیٰ ۱۲۶۹ھ اور رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ خاص غلام مکتوباتِ الہم کے

نام یہ ہیں :-

"شیخ عمر ساکن قصبہ انگلی، قاضی شمس الدین، قاضی زاہد، مولانا کمال الدین سنتوسی، مولانا

صدر الدین، مولانا ضیاء الدین، مولانا محمود سنگانی، شیخ محمد ظفر آبادی المعروف بدایہ،

ملک الامام ملک مفرج، مولانا نظام الدین، دادر ملک داماد سلطان محمد، مولانا نصیر الدین

امین خاں، ملک خضر، شیخ قطب الدین، شیخ سلیمان، سلطان الشرق فیروز شاہ۔

مضامین کا مآخذ

حضرت شیخ شرن الدین کبلی میرٹھی کے مکتوبات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو صاف احساس ہوتا ہے کہ یہ بلند علوم، یہ نادر نکات اور تحقیقات لکھنے

والے کی صرف ذہانت، وفورِ علم اور غور و مطالعہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور اس کے

ذوق و یقین کا نتیجہ ہیں۔ خدا کے علوئے بارگاہ، شانِ بے نیازی، اس کی دادری و کبریا، جلال و جمال،

مومن کے خون و رجا، عارفین و اہلین بارگاہ کے ناز و گداز، سرور و اندوہ، دریائے رحمت کی طغیانی،

توبہ و انابت الی اللہ کی ضرورت پر جو لکھا گیا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرم راز و اسرار حقیقت

لکھ رہا ہے۔

اسی طرح تربیۂ انسانیت کی رفعت و بلندی، قلب انسان کی عظمت و وسعت، محبت کی قدر و قیمت

انسان کی بلند پروازی، دور رس و مشکل پسندی اور غنا طلبی، علوِ محبت اور قوتِ طلبہ کے متعلق جو

طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ اعلیٰ ترین تحریرات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔

نفس کے مغالطوں، شیطان کے فریب، اخلاقِ رذیلہ اور سلوک کی گھاٹیوں کے متعلق جو کچھ ارشاد

ہوا ہے وہ سب طویل تجربے، وسیع علم اور عملی واقفیت پر مبنی ہے۔

اہلِ طریقت کی جن غلطیوں پر تنبیہ کیا گیا ہے، اور شریعت کی ضرورت، تکالیف شرعیہ کے ہمیشہ باقی

رہنے، نبوت کی ولایت پر ترجیح اور مقامِ نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اس کی قدر و قیمت

اور اخلاصیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس عصر اور ماحول کا جائزہ ضروری ہے جس میں یہ مکتوبات
لکھے گئے ہیں۔

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت ان مکتوبات کے کچھ نمونے اور اقتباسات پیش کریں گے،
جو لوگ تفصیل اور استیعاب کے خواہشمند ہیں وہ اصل مکتوبات کی طرف رجوع کریں۔



بہشت مقام کبریا

ایک مکتوب میں شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی کو بیان کرنے میں کہ کسی کو اس سے
بے نیازی سلطانِ عالم | چون و چرا کی گنجائش اور بارے سوال نہیں کیا کہ خدا تعالیٰ
وہم کیسٹون۔ وہ جس کو چاہے دولت ایمان اور نعمت قبول سے نوازے اور جس کو چاہے راند و درگاہ
اور مطر و بارگاہ بنائے جس کو چاہے خاک سے افلاک پر پونچائے اور جس کو چاہے افلاک سے
خاک پر گرا دے۔

”اگر کوئی چراچین است۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء“ (یہ اللہ کا فضل ہے
جس کو چاہے اسے نوازے) اگر تم کہو کہ ایسا کیوں ہے؟ تو جواب دیا جائے گا۔ ذلک فضل اللہ
یوتیہ من یشاء۔

کس کی بجاں ہے کہ خدا سے کہہ سکے کہ	تکے با خداوند تو اند کہ گوید چرایکے را
کیوں فلاں کو یہ دولت دی فلاں کو نہیں	ایں دولت دادی دیے راندادی چنانکہ
دی بیساکر ایک بادشاہ (اس مضمون میں)	بادشاہے راندادی کے راندادی زارت

دو جگہ رادربانی دستور بانی پیمائیں اگر
دولتے در دین کے وہ خواہد از خرابا تش
بیرون آرد و خواہد از میان جوامہ کائنات
دتر و دشمن ظالمین و مرائخوران کرا
زہرہ اک کہ گوید اھولاء من اللہ
علیہم من بیننا۔ فیصل عیاض را
اگرچہ راہ زن است بیارید کہ خواندہ
است بلعم با عوراکہ چار صد سال بر سر
سجادہ بود از درگاہ ابرائید کہ را ندہ ماست
ما عمر اکہ بت پرستی دارد می خواہیم عزایل
کہ ہفت ہزار سال عبادت دارد نمی خواہیم
کہ گوید چاکلای شل سما یفعل۔

سے نہیں ہٹا ہماری درگاہ سے باہر لے جاؤ کہ وہ ہمارے یہاں کا
نکالا ہوا ہے ہم عمر کو جو بت پرستی میں مشغول ہے چاہتے ہیں عزایل کو
جو سات ہزار سال سے عبادت میں مشغول ہے نہیں چاہتے ہیں اس کی

ہمال ہے کہ کہے کیوں۔ (بیت ۱۵)

گرگ از مرہ برو آنچہ مراد دل او بود

گو باد یہ پیمانی ہی مرد شہبازا

اگر نظر لطف انگند ہم عیب ماہر است | اگر مہربانی کی نظر دے تو ہمارے سب عیب مہربان

دہم نقصان ماکمل و ہمہ زشتی ما جمال
لے ہرادر شستہ خاک بود در عین مذلت
در رہے افتادہ و پاکوب اقدام شدہ
نظر لطف در آمد گفت۔ ای جاعل
فی الارض خلیفہ۔

جاعل فی الارض خلیفہ

ایک دوسرے کتب میں اس شان بے نیازی کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہیں :-

چشم بکشائے وحسرت آدم میں و فریاد
نوح بشنو و بے کامی تحلیل میں و حدیث
مصیبت یعقوب بشنو چاہ زندان یوسف
ماہ رو میں آد آ رہ برفرق زکریا نگر و تیغ
برگردن عیسیٰ میں بگر سوختہ دل کیا بشتہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
و عظیم الجمعین بر میں و برخوان کل شیئی
ہالاک الا وجہہ۔

ایک جگہ بارگاہ انبی کی بلندی کو بیان کرے ہوئے کہتے ہیں :-

لے ہرادر بقیقت ہاں کہ بایں بصاعت
یہ بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ان کھوٹے سنگوں

لے کتب سی ام۔ لے کتب سی و ہشتم۔

ناسرود مراد را دریں حضرت راہ نیست، انرا
کہ حوصلہ باز را آفریدہ اند در حوصلہ کج شکا
کجا گنجہ قبائے کہ بر بالائے صاحب دولتاں
دوختہ اند بر قدمایے دولتاں راست
کجا آید۔

ہی گئی ہو، ہم بے دولتوں کے حقیر قد و قامت پر کہاں رسا آسکتی ہے؟

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بیان رکے ہوئے کہ لٹلتا لی کا ٹون بھونکا پٹنا ہے اور ارادہ کسی
کا کوئی اشارہ ہوتا ہے تو خاک کو کیسے بنے اور مظلوم و مردود و مقبول بارگاہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ یہ بات
جہاں بہت ڈرتے کی ہے وہاں بڑی امید و حوصلہ کی بھی ہے۔ فرماتے ہیں:-

”ایں دولت بخش است نہ باستحقاق
بائے عظیم اگر باستحقاق بودے نصیب من تو
ذوہ نیامدے لکن علت از میان برداشتند
تا چنانکہ پاکان امید دارند بے باکان پاپاں
ہزار چندان دادند اکی سر مزہ کہ آشتیاں
مکون است روا بود کہ صدر شوک گردد
ولیکن اسباب در میان است، اگر
می خواہی کہ بجائے دیا کسے گردی لا بد از آنجا
یہ دولت بخش است نہ باستحقاق
بائے عظیم اگر باستحقاق بودے نصیب من تو
ذوہ نیامدے لکن علت از میان برداشتند
تا چنانکہ پاکان امید دارند بے باکان پاپاں
ہزار چندان دادند اکی سر مزہ کہ آشتیاں
مکون است روا بود کہ صدر شوک گردد
ولیکن اسباب در میان است، اگر
می خواہی کہ بجائے دیا کسے گردی لا بد از آنجا

نہ مکتوب چہل و یکم۔

کہ نہاد شوریدہ و آلودہ تست پیشتر باید
شد و قدمے چند باید زرد از شریعت زاد
در اسلہ و از حقیقت بہ رقتہ

تھاری نہاد شوریدہ اور آلودہ ہے، مردانہ راز قدما ٹھننے پڑیں گے

اور شریعت زاد و اسلہ و از حقیقت سے بہ رقتہ لینا پڑے گا۔

ایک دوسرے مکتوب میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

”و فضل بے علت لیکے رامی نواز: و عدل
بے علت دیکھے رامی گداز: و عمر در تھانہ
مقبول و عبد اللہ بن ابی کعب در مسجد
مخدول و حمت بر جانفش باد کہ گفت:-
فصل بے علت ایسا نواز تا ہے اور
عدل بے علت دوسرے کو کھینچتا ہے، عمر
تھانہ سے حال کر قبول بنائے جاتے ہیں
اور عبد اللہ بن ابی کعب مسجد میں مخدول رہتا ہے

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ (بیت)۔

آزاد کہ ہی سوزی می دانی ساخت

دازا کہ ہی سازی می دانی سوخت

”لے برادر مراد ترا کار با جبار سے و قہار سے
افتادہ است کہ اگر تہشت بہشت را بیند و نرغ
گرداند و نرغ را بیند بہشت، و از کجہ
کلیسا بر آرد و از تہکدہ کجہ سازد و در قدر شاو
میرے بھائی نہیں تھیں ایک جبار و قہار سے
داسطہ ہے اگر بہشت بہشت کو بیند و نرغ
قرار دے دے لا و نرغ کو بیند بہشت بنا دے
کجہ سے کلیسا بر آرد کرے اور تہکدہ کو

لے مکتوب پنجاہم۔

ہر دیکے است چہ زہرہ تمانہ است کہ
آب نشہ است خون آنست کہ دہم
و خطہ لمخط می لرزی و می ترسی بناید کہ
دست رو بے علت از پردہ غیب پیدا شود
و قہریت اورا بے علت و لطف است اورا
بے علت از لطف آلودہ طلبہ تا آب
مغفرت بشوید تا پاکی لطف از دل پیدا آید
قہرش پاکی طلبہ تا رویش بدو ہجران سیاہ
کند تا پاکی سلطان قہر از اسباب ظاہر گردد
گاہ از زبرد امن شقی بنی بیرون آرد و گاہ
از زبرد امن بنی شقی پیدا آرد و گاہ سگے را
در سخت اولیا نشانہ و گاہ ولی را در ظویر
سگان بند و لکن چون تسبیح خواہد کرد
رد نکند و چون ارد خواہد کرد بر تیج چیسند
قبول نکند۔

دامن کے نیچے سے شقی کو پیدا کرتا ہے کسی کتے کو اولیا کی صف میں
نہاتا ہے اور کبھی ولی کو کتوں کے طویل میں باندھ دیتا ہے لیکن

جب وہ کسی کو قبول کر لیتا ہے تو اس کو رو نہیں کرتا، اور کسی کو
رد کر دیتا ہے تو پھر کسی کے بدلہ میں تسبیح نہیں کرتا۔
ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

نظر قدرت و فضل او باید داشت اگر خواہ
ہزار ہزار کلیسا و تہخانہ را کجہ و بیت المقدس
گرداند و ہزار ہزار عامی و فاسق را حبیب اللہ
و خلیل اللہ خطاب کند و علت در میان نہ
داگر خواہد یک خطہ ہزار ہزار کافر را مومن گرداند
دہزار ہزار مشرک و بت پرست را موعود
گرداند و ہمتے در میان نہ دہزار ہزار غنی
را غنی دہزار ہزار خراباتی را مناجاتی کس را
زہرہ چون و چرا نہ

چون و چرا کا زہرہ نہیں ہے

ہست سلطانی مسلم ترا

نیست کس را زہرہ چون و چرا

بسا پیرے مناجاتی کہ از مرگ فرماید : مسازن خراباتی کہ زیں بر شیر زہرہ بند

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :-

”خود آن کند که خواسته است نہ ہلاک کسی میند
 و نہ نجات کسی یکے در باد یہ ترشنگی جان می او
 وی گفت چندیں در یہ ہے آب و ترشنگی
 جان می او در غیب نداشتید کہ ہزار
 ہزارہ ریو تر اور باد یہ خوشوار کہیم و یہ تیغ
 مشیت خود ہر ہلاک کنیم تا ز غیب چنڈرا
 از کلا ویدہ ایشان قوت سازیم و اگر
 معترضے زبان اعتراض برخواست ما بکشاید
 ایں مہر سیاست بر زبان او نیم کہ لایسٹل
 عما یصل زان زانغ ما صدیق صدیق
 ما فصول در میان کیست ؟“

لایسٹل عما یصل پرندے بھی ہمارے ہیں اور صدیق

بھی ہمارے بیچ میں سوال و اعتراض کرنے والا کون ؟

ایک دوست مکتوب میں یہ مضمون بیان کرتے ہوئے کہ کسی کو اپنے انجام کی خبر اور یہ معلوم نہیں کہ
 اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، اور یہ کہ دونوں طرح کے معاملوں کا امکان ہے، اور دونوں کے
 بیشمار واقعات، ایسا پڑا اثر مکتوب تحریر فرماتے ہیں جس کو پڑھ کر آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے :-

”لے برادر راہ نا امین است منزل بس دو“

میرے بھائی راستہ غیر محفوظ ہے، منزل دو

و محبوب و مطلوب نامناہی و قابلے ضعیف
 دے بیچارہ و جانے عاشق دوسرے خفاق
 بیت —————
 شاعر کہتا ہے —————

جز جان و جسک نیست شکار خورتو

زانت کہ ہر سکر نثار دسرتو

”بس خرمن طاعت کہ بوقت نزع وقد منا
 الی ما عملوا بباد بے نیازی بردہند
 و بس سینہ آباداں کہ در حالت سکرات موت
 و بد الہم من اللہ ما لہم یکنوا
 یحتسبون، خراب کنند بس روئے کہ
 در کداز قبلہ گردانند، بس اشار کہ
 در شب نختیں بیگانہ خواند کیے را گویند
 نہ کنوۃ العروس، و مگر را گویند
 نہ کنوۃ المنحوس، رفیعی آید کہ
 بر بیچ طاعت باز نگرود“

جن کے کہا جاتا ہے ”نہ کنوۃ العروس“ اور دوسرے

ارشاد ہوتا ہے ”نہ کنوۃ المنحوس“ کبھی ایسا دیکھتے ہیں

جو کسی طاعت پر بھی واپس نہیں لیتے۔ شعر

من لم یکن للوصال اهلا + فکل احسانہ ذنوب

”وقبولے می آید کہ از ہیج مصیبت
نیزدیشد“ شرعہ

فی وجهه شافع یحو اساءتہ

من القلوب و مأتی بالمعاذیر

”غلیل را از تہانہ آذر میں دیکھو ج
الحی من المیت می خواں و کفان را
در سر لے نوح بنگر و یخرج المیت
من الحی میدان اثبات آدم ہیں
کہ زیاں ذلت جو نگردد و کواہیں یہ ہیں
کہ اثبات طاعت سودداشت چنانکہ
لہم البشری خواندگان را بمراد است
لا بشری یومثن للمجرمین
رانندگان را در راہ است چنانکہ
سماہم فی وجوہہم من اتر
السجود بیان است یعرف المجرمون
بسیماہم نشان است“

اشرا السجود ہے ایسے ہی بعضات المجرمون بسیماہم ہیں۔

شاعر نے ٹھیک کہا ہے

(ربانی)

غافل نشیں ز خویش چون بچہ سے
خود نشیند غبار و شک بر خیزد
”تا توانی بادل شکنہ باش و خراب“
بہا شک تو کے دل شکستہ رکھو اور ویران

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بتاتے ہیں کہ شہنشاہ مطلق کے صفات و معاملات جمال جلال قہاری
و غفاری دونوں اپنا اپنا عمل کرتے ہیں اور یہ دونوں نعمتیں اپنے علم میں ایسی آزاد ہیں اور عالم میں
ان کے ایسے تصرفات ہیں کہ مومن کے لئے خوف و رجا را امید و بیم کے درمیان رہنے کے سوا چارہ نہیں
ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی شان و تعالیٰ لعلائیرید کی تشریح کرتے ہوئے اور اس کی شاہیں دیتے
ہوئے ہے اس زبیر سلم اور اس عقین و وثوق کے ساتھ جو انہیں کا حصہ ہے لکھتے ہیں :-

”گاہ طاعت بے علت می گوید کہ در آئی کہ
ایں جاگرد قدم کے تو تباہ دیکھ دوستان
می سازند و تبر شریف و کتبہ ہمد باسط
ذرا عیبہ بالوصید در کلام مجید
خود تا قیامت می نوازند گاہ تہرے علت
ندامی کند اہکذا اہکذا رانچا معلم ملکوت را
کہ ہفصد ہزار سال معکون در گاہ بود
لباس ملکی از سرش برمی کشند و داغ
وان علیک لعنتی بر پیشانی آدمی
کبھی لطف بے علت کہتا ہے کہ اندر آجا کہ
یہاں کتے کے پاؤں کی گرد کو بھی دوستوں کی
آنکھ کی تو تباہ بناتے ہیں اور دیکھو ہمد
باسط ذرا عیبہ بالوصید کہہ کہ
قیامت تک کے لئے کتے کا مرتبہ
بڑھاتے ہیں اور کبھی تہرے علت آواز
دیتا ہے کہ خبر دار خبر دار یہاں معلم ملکوت
کے سرے جو سات لاکھ سال معکون گاہ
رہا ہے لباس ملکی اُتار کر وان علیک لعنتی

۱۰ مکتوب ہفتاد و ہفتم (۱۰۷)

نہند گاہ عمرے را کہ بیگانہ بود در کلیسا از
پیش بت بری دارند و می گویند
انا لله سنت ام ابیت و انت
لی سنت ام ابیت گاہ بلعم بن باعور
را کہ بیگانہ بود و اسم اعظم خلعت داشت از
مسجد بیرون می کنند و در طویلہ اسکان می
بندند و می گویند مشلہ مکشل الکلب
ان تحمل علیہ یلہث گاہ ہزار
آسیا و بلاد و عمارت و دل و جگر مرید
می رانند گاہ ہزاراں ساکنان خطا
قدس را بر استقبال می فرستند و بطاعت
می خوانند گاہ کوہے می بخشند گاہ
کاہے گزاردند گاہ در صدر بہشت
نشانند گاہ بیرون کنند و بر در
نگذارند، ایں جا عقل و علم نگویند
ایں جا پیر و مرید نقش بردوارانند ایں جا
”فعال لہما یرید“ است ایں جا
یفعل الله ما یشاء و یحکم
ما یرید“ است۔

چھوڑتے، کبھی بہشت کے صدر مقام پر بٹھاتے ہیں اور کبھی ایسا باہر
نکالتے ہیں کہ دروازہ پر بھی نہیں چھوڑتے، یہاں عقل و علم نگویند
اور پیر و مرید نقش بردوار، یہاں فعال لہما یرید کا ظہور ہے، او
یفعل الله ما یشاء و یحکم ما یرید کی تعمیل۔

دریائے رحمت کا جوش

اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی و استغناء اختیار مطلق و قدرت کاملہ
اور جباری اور قہاری کے متعلق اوپر ایسے اقتباسات گذر چکے ہیں
کہ ان کو پڑھ کر انسان پر ایک لرزہ طاری ہو جاتا ہے، اور کچھ عجب نہیں کہ ایک مخلص اور صاحب یقین
کی زبان سے جس کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر و تحریر کی پوری قوت عطا فرمائی ہے، پڑھنے والے پر ایسی ہی
کیفیت طاری ہو جائے اور اس کو اپنا کہیں ٹھکانا نظر نہ آئے۔ علمائے ربانی اور نابین رسول بشیر و
نذیر کا نونہ ہوتے ہیں، اور وہ بندگان خدا کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے، بلکہ ان کا حوصلہ
بڑھاتے ہیں، اور عمل و کوشش پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہی انبیاء کی بعثت اور ان کے نابین کی دعوت
اور جد و جہد کا مقصد ہے، جمال کے ساتھ جمال، قہاری کے ساتھ غفاری کی شان بھی اسی وساحت اور قوت
کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور رحمتی وسعت کل شیئی اور قل یا عباد الذین اسرفوا
علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً انہ هو
الغفور الرحیم کی تفصیل اسی بلاغت اور خطابت کے ساتھ فرماتے ہیں :-
جس بلخ و پز و رستم نے آفتاب قمر کی تابش و سورش اور شہنشاہ مطلق کی بے نیازی اور بڑائی
کو بیان کیا تھا، اب وہ اسی زور اور بلاغت کے ساتھ دریائے رحمت کی طیفانی اور خدائے کریم و رحیم
کی آمرزش و بخشش اور نکتہ نوازی کا نقشہ کھینچتا ہے، اور اس طرح دعوت میں توازن پیدا ہوتا ہے جو
انبیاء کرام کا ورثہ اور ان کے نابین برحق کا حصہ ہے، فرماتے ہیں :-

”لے برادرچوں دریائے رحمت حق موج
کرامت و مغفرت زند تہجد زلات و معاصی
معدوم دلاشتی گردہ ہمہ غیب رنگ بہر گرد
زیراکہ زلت و محصیت لم یکن است و رحمت
لم یزل است لم یکن بالم یزل کے برابر
تواند شد اور ابا این خاک کار رحمت است
و اگر نہ این سیاہ کلیم وجود مادین خاک
ناپاک مارا کے زہرہ بونے کہ قدم بر حاشیہ
بساط مالک ملک نہائے لے بسا خرابانی
درنے؛ حدیث شیطان در رشتے مالیدہ
دورخت روزگارش در مز بلا شہوات
بیا لیدہ ناگاہ علی الفتح رؤن مبول
وصول پدید آمدہ گفتہ الحسب
بقرئک السلام ویقول لی
معذک کلالم

کے مز بل میں ناگاہ قبولیت حق کا قاصد نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ
محبوب حقیقی تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

صلائے عام

وہ اپنے مکتوب الیہ کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور اصلاح حال ترقی اور خدا کی رحمت
کا ایسا شوق دلاتے ہیں کہ گویا ماندہ شادی چنا ہوا ہے اور ساری دنیا کو
صلائے عام ہے اور بخانہ رحمت جوش پر ہے یہاں محروم رہنے کا کوئی سوال نہیں اور یہ کہ طلب
خود طالب کو سہارا دینے والا اور اپنی طرف کھینچنے والا ہے، ورنہ کہاں یہ ظہوم و جہول، حادث و منافی
انسان کہاں وہ ملک قدوس۔ لیس مکملہ تیسری۔ ۵

تو گو مارا بدن شہ بار نیست

بر کریمیاں کار باد شوار نیست

”در کرم باز است دماندہ کشیدہ بشتاب
و خود را دریاب لے برادر از آنجا کہ بشر است
طلب اوچہ تواند بوا کرم فیاض نہ خواجہ
رامی گذاردہ غلام را و نہ تو نگر را و نہ
درویش را چوں آفتاب از برج خویش
طالع گردد اگر اہل عالم کرم طلب در میان
بند نہ تازہ از نور او بدست آند نہ تواند
ولکن او خود بکرم کرم چنانچہ در کو شک
سلطانان و سرلے خواجگان بتابد در کلبہ
گدایان و راویہ اندوہ در دیشان نیز بتابد
و خاک و آب را میں این دولت را میں
کہ بچہ ہمد و بچہ ہمد و دیکر
دروازہ کرم کھلا ہوا ہے اور در تر خوان لگا ہے
جلدی کرو اور اپنے کو پالو لے بھائی بشر کیا
بشر کی طلب کیا؛ لیکن کرم بے نہا نا قاکو
چھوڑتا ہے نہ غلام کو، نہ غنی کو نہ فقیر کو،
جس طرح کہ آفتاب جب اپنے برج سے
طلوع کرتا ہے اگر اہل عالم کرم ہمت باندہ
کہ اس کے نور کا ایک ذرہ اپنے ہاتھ میں
لے لیں اس پر وہ قادر نہیں لیکن وہ خود
اپنی سخاوت و فیض عام کی بنا پر جس طرح
کو شک سلطانی پرادر سرلے امرا پر چکتا ہے
فقیروں اور بے نولوں کے کلبہ احزان کو
بھی روشن کرتا ہے تم خاک آکے مت کچھ

الی اللہ ولی الذین آمنوا و دیگر
سقاہم ربہم ملک مقرب راہیں
تشریف خلعت کہ تراہمت نیست
فرشتگان مقرب و مصوم ہستند و پاکان
و مقدسان و سبحان درو عانیان ہستند
ولیکن خود کار آب گل دیگر است۔

مصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں، بڑی تسبیح و تقدیس کرنے والے
اور بڑے روحانی ہیں، لیکن آب گل کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔

رحمت کی اس وسعت اور خود رحیم کی دستگیری، چارہ سازی اور نکتہ نوازی
کی بنا پر وہ بڑے سے بڑے عاصی اور آلودہ معاصی کو دعوت دیتے ہیں کہ

وہ رجوع و انابت کے کام لے، اور صدق دل سے توبہ کر کے اپنی قسمت اور اپنی حقیقت میں بڑی سے بڑی
تبدیلی پیدا کر لے، وہ اس موقع پر گناہ نگاروں اور ان بے قیمت چیزوں کو یاد دلاتے ہیں جن کی دیکھتے دیکھتے
قسمت بدل گئی، اور وہ بے قیمت سے بیش قیمت بن گئیں۔ گناہ کتنے زیادہ ہوں خدا کی رحمت ان سے
کیسے وسیع اور کیسے قوی اور غالب ہے۔ سودا کتنا ہی غیب دار و ناقص ہو جب نقاد خریدار نے خرید لیا
تو پھر اس میں کیا غیب رہ جاتا ہے، اور کسی کا کیا منہ ہے کہ اس میں غیب نکالے۔ فرماتے ہیں:-

”لے برادر ہر چند آلودہ و ملوٹے چنگ
تو بزن و امید دار باش کہ از سحرہ فرعون
آلودہ تر نہ، و از سنگ اصحاب کعبہ
ملوٹ تر نہ، و از سنگ طور سینا جہاد تر نہ،

لے بھائی تم کتنے ہی آلودہ و ملوٹ ہو
دامن توبہ تھام لو، اور امید دار رحمت بن جاؤ
کہ تم نہ ساحران فرعون سے آلودہ تر ہو او
اور نہ اصحاب کعبہ کے کتے سے زیادہ گندے۔

و از چوب خزانہ قیمت تر نہ، و اسلام را
اگرچہ از مبش آرنہ چہ زباں دارد و چون خواجہ
اش کا فور نام نہند، چون ملائکہ گفتند کہ مارا
بفساد ایشان طاقت نیست نہ آدم آری
اگر بردشا فرستم رد کنید و اگر بردست شما
بغرو شتم غریبی ترسید کہ مصیبت ایشان از
رحمت ما زیادت آید یا می ترسید کہ
آلودگی ایشان بر کمال قدوسی مالوثی آرد
ایں مشتے خاکپا نہند کہ در حضرت المقبول
آئند، چون قبول ما آمد مصیبت حلاوت
ایشان را چہ زباں کند۔

آلودگی ہمارے کمال قدوسیت پر داغ ڈال دے گی، یہ شست خاک میں جو
ہماری بارگاہ میں مقبول ہیں اور ہمیں قبول ہیں، انکی مصیبت آلودگی
سے کیا نقصان۔

شاعر نے خوب کہا ہے۔

”ستون خزانہ مسجد نبوی کا وہ چوبیس ستون تھا جس کے سارے سے کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد
فرماتے تھے۔ جب منبر نبوی بن گیا اور آپ نے اس پر ایستادہ ہو کر خطبہ دینا شروع فرمایا تو وہ فراق سے ٹکڑی کے اس ستون کی
پر چراہٹ کی آواز سننے لگی۔“

سراسر ماہمہ عظیم بدیدی و خریدی تو
نہے کالائے پر عیب و زہے لطف خریداری

توبہ کی تاثیر | توبہ سے انسان کی حالت میں جو تغیر اور اس کو جو ترقی اور کمال حاصل ہوتا ہے، توبہ کی کیفیت اور اس کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”توبہ ایں بود و مرید بھقت ایں جانا تب
گرد و ایں را گردش خوانند یعنی از حال
پلیدی و آلودگی بحال پاکی بگشت کلیسا بود
مسجد گشت بتخانہ بود و صومعہ گشت دیو
بود آدمی گشت خاک بود زر گشت شرب
بود روز روشن گشت آں گاہ بردل مرید
آفتاب ایمان طالع شود و اسلام
جمال خود بد و نماید و بر سر کوئے معرفت
راہ یابد“

کی وہ راہ پاتا ہے۔

۱۰ مکتوب دوم (۲)۔

۱۱ مکتوب ہست و نہم (۲۹)۔

بائشتم مرتبہ انسانیت

ایک انقلاب انگیز دعوت | کتاب کے موثر ترین حصوں میں سے ایک حصہ وہ ہے جو انسان کے مقام اور مرتبہ، قلب انسانی کی وسعت و دفعت، انسان کی صلاحیتوں اور اس کی ترقی کے امکانات اور محبت کی قدر و قیمت کے متعلق لکھا گیا ہے۔

اس موضوع پر نظم میں حکیم سنائی، خواجہ فرید الدین عطار اور مولانا روم نے بہت کچھ فرمایا ہے لیکن نثر میں حضرت مخدوم الملک بہاری کے مکتوبات سے زیادہ طاقتور، بلطف اور موثر تحریر نظر سے نہیں گذری۔ ان کو پڑھ کر انسان کے دل میں اعتماد و جوصلہ جرات و ہمت اُمید و رجاء ترقی و پرواز اور ان انتہائی کمالات تک پہنچنے کی اُنگ پیدا ہوتی ہے جو انسان کے لئے مقدر ہیں اور اس یا اس دنیا اُمیدی کم جو مسلکی و بے اعتمادی و شرمندگی کا ازالہ ہوتا ہے جو ”خود شکنی“ و ”خود بخاری“ کے بعض کوتاہ اندیش مبغضوں نے پیدا کر دی تھی۔ اور جس کے نتیجہ میں انسانیت سنگ و حار اور ایک ناقابل اصلاح فطری عیب اور ناقابل تلافی نقصان بن گئی تھی اور درود و یوار سے یہ عدا آنے لگی تھی۔

وجود کذب لا یقاس بہ ذنب

اور یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ انسان کی ترقیات میں خود انسانیت سب سے بڑھ کر سدا رہ اور ایک سنگ گرا ہے جس کو راستہ سے ہٹانا انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے " انسان اپنے کو محسوس و محسوس ملائکہ " سمجھنے کے بجائے فرشتوں پر رشک کرنے لگا تھا، اور اس ناسوتی فطرت اور خصائص انسانیت سے منحرف اور باغی ہو کر اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرنے اور فرشتوں کی تقلید کرنے کا خواہش مند نظر آتا تھا۔

اس فضا میں حضرت شیخ شرن الدین کبلی میئرٹی نے ایک نامانوس آواز بلند کی اور اس جوش اور بلاغت کے ساتھ انسانیت کی بلندی اور انسان کی رفعت و محبوبیت اور اس کے خلیفہ البشر ہونے کا اعلان کیا، اور اس مضمون کو اپنے مکتوبات میں اتنے بار دہرایا اور مختلف اسالیب و طریقوں سے اس کو بیان کیا کہ اگر اس کو یکجا جمع کر دیا جائے تو اس موضوع پر ایک ایسا ادبی ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے جس کو پڑھ کر انسان کا دل جو مصلوں اور انگلوں سے معمور ہو جاتا ہے اور انسان کے قلبِ انسرہ اور تنِ مردہ میں زندگی کی روح دوڑ جاتی ہے اور اس کو اپنی انسانیت پر ناز ہونے لگتا ہے۔

خالق کی نظر خاص ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ موجودات و مصنوعات تو بہت تھیں، اور ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر، لیکن محبوبیت و خلافت کی خلعتِ فاخرہ ضعیف البنیان انسان ہی کے جسم پر راست آنے والی تھی، وہ بیشک ملائکہ کی طرح معصوم نہیں، اس سے گناہوں کا صدور متبعہ نہیں، لیکن خالق کی نظر عنایت سب کی طمانی کے لئے کافی ہے، اور یہ پانگہ ہے کہ ترازو کے جس پڑے پر رکھ دیا جائے وہ پلڑا جھک جائے گا۔ فرماتے ہیں :-

موجودات بسیار بودند و مصنوعات بسیار	موجودات بہت اور مصنوعات بیشمار تھیں،
لیکن باہم موجودے اس کا رنہ و کباب و گل	لیکن کسی ہستی کے ساتھ وہ معاملہ نہیں تھا جو
چوں رب العزت خواست کہ نقطہ خاک را	اس ٹٹی پانی کے مجموعہ کے ساتھ تھا، جب

لباس وجود پوشاند و بر سرِ خلافت نشانہ
ملائکہ ملکوت گفتند "اتجعل فیہا
من یفسد فیہا" لطف قدیم جواب داد
"لیس فی الحب مشورۃ" عشق و مذہب
بہم جمع نشوند تسبیح و تہلیل شمارا چہ خطر اگر
قبول ما نمود و ایشان را از گناہ چہ ضرر
چوں ساقی لطف ما قدح عفو در دست
ایشان نہد "فاولئک یبدل اللہ
سیئاتہم حسنات" بے شمار است
روید و ایشان ہر گونہ روزند لیکن چوں
بایشان را خواہم بساط رحمت گستر دیم
اگر بر حبسِ خطی از معصیت پیدا آید محبت
ما از بلطف بردار دشمنان می بیند کہ
سرو کار ایشان با ما است در معاملت آن
نمی بیند کہ سرو کار ما با ایشان است در
محبت چنانکہ قائلے گفتہ است شعرے
و اذا الحبيب اتى بن ذنب واحد
جاءت محاسنہ بالفت شفیع^{لہ}

لہ مکتوب سی و ہشتم۔

رب العزت کو منظور ہوا کہ اس خالی پستے کو
وجود کا لباس پہنائے اور خلافت کے تخت پر
بٹھائے، ملائکہ ملکوت نے عرض کیا کہ :-
"آپ زمین میں ایک ایسی ہستی کو خلیفہ بنا کر
بھیجنا چاہتے ہیں جو اس میں فساد برپا کرے گی"
لطف قدیم نے جواب دیا "محبت میں مشورہ
نہیں ہوتا، اور عشق و مذہب جمع نہیں ہوتے"
تمہاری تسبیح و تہلیل کی کیا قیمت ہے، اگر انہیں
قبول نہ ہو، اور ان کو گناہوں کے کیا نقصان
اگر ہماری لطف و عنایت کا ساقی عفو
معافی کا پیانا ان کے ہاتھ پر رکھ دے۔
پس اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو بھلائیوں میں
تبدیل کر دے گا، ہاں تم ہمیشہ سیدھے راستے
میں چلنے والے ہو، اور وہ ہر طرف چلیں گے،
لیکن جب ہم نے ان کو چاہا تو رحمت کا فرش
ان کے لئے بچھایا، اگر ان کی پیشانی پر گناہ
کوئی لکیر ڈالے گا ہماری نیربانی اس کو
مٹا دے گی۔ تم یہ تو دیکھتے ہو کہ معاملات میں

ہم ان کے مطلوب ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ محبت میں وہ ہمارے
مطلوب ہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے —————
کہ محبوب کے ایک گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کے محاسن ہزار سفارشی
لاکھ کر اکر دیتے ہیں۔

امانت محبت ایک دوسری جگہ انسان کی محبوبیت اور اختصاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”مخلوقات دیگر را با محبت کار نبود کہ
ہمت بلند نہ داشتند آن کار ملاکہ کہ راست
بینی ازان ہمت کہ با ایشان حدیث محبت
نرفتن است و ایں زیر و زبرے کہ در راہ
آدمیان می بینی ازان ہست کہ با ایشان
حدیث محبت رفت کہ ”بجھم و بجھونہ“
پس ہر کراشمہ محبت بشام اور سیدہ است
کو دل از سلامت بردارد و خود را و دایع
کنذکہ المحبۃ لا تبقی ولا تذکر
بیت ۔۔۔

عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد

و ز بسلامت بسا ماں بودم

چوں نوبت درد دولت آدم درآمد خروشنے

عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد

و ز بسلامت بسا ماں بودم

دو شے در ملک افتاد گفتند چہ افتاد کہ
چندیں ہزار سال تسبیح و تہلیل مارا بباد
بر دادند و آدم خاک را بر کشیدند براگزیدند
نہ اشتہیدند کہ شہا بصورت خاک منگرید بدل
و دلیعت پاک نگرید کہ بجھم و بجھونہ
و آتش محبت درد لہا ایشاں درد است

مت دیکھو، اس پاک جوہر کو دیکھو جو ان کے اندر دلیعت ہے، بجھم

و بجھونہ۔ محبت کی آگ ان کے دلوں میں لگائی گئی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں اس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”خدا نے عروجل را ہشاد ہزار عالم است
ایں جملہ ازیں حدیث فارغ اند و خطے
و نصیبے نہ دارند الا آدمی کہ ایں کرامت
بہیج نوع از انواع موجودات دیگرانہ اند
ازیں ہاست کہ گفت آئمہ گفت“

بیت ۔۔۔

پنا ہے بلندی و پستی توئی

ہم نیستند انجہ ہستی توئی

اسی لئے کسی کئے والے نے کہا ہے ۔۔۔

پنا ہے بلندی و پستی توئی

ہم نیستند انجہ ہستی توئی

۱۔ مکتوب چل دہشتم (۳۶)۔ ۲۔ مکتوب پنجاہ و نہم (۵۹)۔

حاصل وجود

ایک دوسرے مکتوب میں آب و گل کی اس قسمت و عزت کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انسان کا حاصل وجود اور اس پورے نظام خلق و تکوین کا مقصود ہے اور اس کو

مجبوریت و اختصاص حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :-

”میں برادر دولت آب و خاک نہ اندک است
و کار آدم و آدمیاں نہ مختصر عرش و کرسی
و لوح و قلم و آسمان و زمین ہمہ طفیل
اوست استاد ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ گفت
اگر آدم را خلیفہ گفت و خلیل را... اخذ
اللہ ابراہیم خلیلا“ گفت و
موسیٰ را ”واصطنتک لنفسی“
گفت و ما را یحیٰ و یحونہ گفت
گفتہ اند اگر اس حدیث را یاد ہمارے
مناسبت ہوئے دل خود دل نبوی
و اگر خورشید محبت بر جان ہمارے آدم و
آدمیاں نہ تافتے کا آدم چوں موجودات
دیگر ہوئے۔“

اور اگر آفتاب محبت آدم و اولاد آدم کے جان دل پر ضیا پاشی نہ کرتا تو
آدم کا معاملہ بھی دوسری موجودات ہی کی طرح ہوتا۔

۱۔ مکتوب چہل و ششم (۴۶)۔

بار امانت

انسان کی بلندی اور اس کی خصوصیت اس بار امانت کا نتیجہ ہے جس کے قبول کرنے سے
آسمان و زمین اور پہاڑوں نے دست بستہ معافی مانگی اور اس ظہور و جلّ انسان نے

اس کو اپنے ناتوان کاندھوں پر اٹھالیا، اس کی بے مانگی اور بے نواہی کام آئی، خاک کے ذرہ نے سوچا کہ اگر
اس بار عظیم کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی، تو اس کے پاس کیا ہے جو بے لیا جائے گا اور خاک کے
نیچے کون سا مرتبہ ہے جس پر اتار دیا جائے گا، وہ اپنی بلند ہمتی اور خود شناسی سے اب بھی ”ہل من
مزید“ کا نعرہ لگا رہا ہے۔ ایک مکتوب میں جو اب ”زور بیان اور تاثیر کے اعلیٰ نمونوں میں سے ہے“
فرماتے ہیں :-

”آب و خاک را کارے بلند است و ممت
بس بزرگ، ہر چند فقر و فاقہ گدائی و گدائی
و بیوائی اصل اوست چون آفتاب امانت
در آسمان عرض نیافت ملائکہ ملکوت کہ
ہم قصہ ہزار سال در ریاض تقدیس تسبیح
چریدہ بودند نعرہ غنن نسبح بجد
زہ مسکین و ارزخت بیوائی بر بستند
و عجز خود معترف گشتند“ فابین ان
یحملہا“ و ہمیں آسمان گفت مرا صفت
رفت است و زمین گفت مرا خلعت ربط
است و کوہ گفت مرا صفت ثبات است
و معدن جواہر گفت بناید کہ در ما آفتے

آب و خاک کا مرتبہ بلند ہے اور رحمت
بڑی ہر چند فقر و فاقہ گدائی و بیوائی اس کے
غیر میں داخل ہے لیکن جب آفتاب امانت
آسمان وجود میں درخشاں ہوا ملائکہ ملکوت نے
جوسات لاکھ سال سے تقدیس تسبیح کے
چمنستان سے اپنی غذا حاصل کر رہے تھے
اور غنن نسبح بجد کہ ”کانعزہ بلند
کر رہے تھے عاجز و ناتوان بن گئے بس کا اظہار
اور اپنے عجز کا اعتراف کیا۔“ فابین
ان یحملہا“ اور اس بار گراں کے
اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔ آسمان
نے کہا کہ میری صفت رفعت ہے۔ زمین

وہ یاد آں ذرہ خاک میاں دست نیاز
از آستین فقر و فاقہ بیرون آورد آں باران
بجان گرفت و از دو عالم بذریعہ بند کشید گفت
مرا چیست کہ از من بتانند چیزے را
کہ خواہ کنند در خاک مانند خاک اورچہ
مانند مردانہ پیش آمد باری کہ اہل ہفت
آسمان وزمین کشیدند بر خود نہادہ
و نعرہ "ہل من مزید" زد

میرے پاس کیا ہے جس کو چھین لیں گے، جب کسی چیز کو ذلیل کرنا
چاہتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں، مٹی کو کس میں ملائیں گے۔ مردانہ دُ
بڑھا، اور اس بوجھ کو جس کو سات آسمان وزمین نہ سہار سکے ہنسنی
اٹھالیا، اور "ہل من مزید" کا نعرہ لگایا۔

ایک دوسری جگہ اسی آب و گل کی قسمت و قیمت کا ذکر کرتے ہوئے
لکھتے ہیں کہ :- شہباز محبت کو سینہ آدم کے سوا کوئی آشیانہ نہ ملا،
آسمان کی بلندی اور عرش و کرسی کی وسعت سے گزرتا ہوا اس نے دل عاشق کو اپنا نشیمن بنایا،
اسی بلاغت طراز قلم سے تحریر فرماتے ہیں :-
"آب و خاک را اندک شمر ہر چہ دارد | آب و خاک کو کم نہ سمجھو، جو کچھ کمالات ہیں

آب و خاک دارد ہر چہ آمدہ است با
آب و خاک آمدہ است و دیگر ہمہ نقش
بر دیوار اند، آوردہ اند کہ چون شہباز محبت
از آشیانہ عزت پرید بہ عرش رسید
عظمت دید در گذشت بہ کرسی رسید
وسعت دید در گذشت بہ سماں رسید
دعوت دید در گذشت بہ خاک رسید
محنت دید فرود آمد

آگے بڑھ گیا، خاک پر پہنچا محنت دیکھی اُتر آیا

اس مضمون کو کسی شاعر عارف نے انسان کا ترجمان بن کر یوں ادا کیا ہے :-

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے

میرا ہی دل ہے وہ کہ تو اس میں سما سکے

ایک دوسری جگہ انسان کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے اور اس کے حال پر اس کے پیدا کرنے والے کی
نظر عنایت اور نگاہ محبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اے برادر اور ابائیں آب و خاک سر
و کر نما است، و در خبر است کہ چون
عزرائیل آہنگ جان کے اڑیں کہند
اے بھائی خالق کا اس آب و خاک کے ساتھ
خاص معاملہ اور خاص عنایات ہیں،
ایک روایت میں آیا ہے کہ جب کُل الموت

از حضرت عزت بد و خطاب رسد کہ
سلام و تحیت ما اول بد و رساں پس دست
بجان او برد، در کلام مجید خواندہ کہ فردا
حق تعالیٰ بے واسطہ بر نمونان سلام گوید
کہ "مَلاَم قولا من ربِّ رحیم"
لا الہ الا اللہ، کلام اوزلی و سلام
اوزلی اگر ارادت قدیم اور اباس مشتے
خاکیان کرم نبوی در ازل بہ ایشان سلام
نہ کرے عزیزے بدیں اشارت کردہ است
رباعی

آں را کہ ز محبوب سلامے باشد
وز حضرت ابد و پیامے باشد
در حلقہ بند گانفش خورشید نیر
قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد

ایک دوسرے مکتوب میں انسان کی اشرافیت اس کے منصب خلافت اور اس کے
علو ہمت کا راز یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ سہرا سہی کا حامل اور نفخت من روحی
کے شرف سے مشرف ہے، رسالت، صحت آسمانی اور دولت دیدار اس کی خصوصیات ہیں، فرماتے ہیں :-

۱۰ مکتوب پنجاہ و یکم (۱۰)۔

"حق تعالیٰ از میان ہزار ہزار عالم گرد ہے
نہ آفرید از آدمی بزرگ ہمت برواں از آفت
کہ پہنچ گرد ہے را گفت و نفخت خید
من روحی مگر آدمیاں را دانند؟ پہنچ
گرد ہے پیغامبران و کتاباں فرستاد مگر
در گردہ آدمیاں، و بر پہنچ گردہ سلام نہ کرد
مگر بر آدمیاں و پہنچ کس را دولت دیدار
خود نہ داد مگر آدمیاں را و آدمیاں بزد
کہ از قوت محبت خویش و بزرگی ہمت
خویش طاقت فراق نہ داشتند، بدنیاز
دل ایشان حجاب برداشت و عقبی از
چشمہ ساں حجاب برداشت تا در دنیا
جزویرا نخواستند و در عقبی بجزوے
ننگر بستند و این توحہ در کتب ما زاغ
البصر و ملاحظی آموختند، عزیزے
گفتہ است۔

ثنوی

الائے مرغ حکمت و آں زمانے

چو خواہی یافت بہ زیں آشیانے

کہا ہے۔

حق تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں سے کوئی
گردہ انسانوں کے گردہ سے زیادہ عالی ہمت
نہیں پیدا کیا اور انسانوں کے سوا کسی گردہ
کے متعلق یہ ارشاد نہیں ہوا کہ "نفخت
خید من روحی" اور کسی گردہ میں
پنچبروں کو بھوت نہیں فرمایا، اور نہ
آسمانی کتابیں نازل کیں اور نہ کسی گردہ کو
سلام کہلایا، نہ کسی گردہ کو اپنے دیدار کی نعمت
عطا فرمائی، وہ آدمی ہی تھے جو اپنی ہمت کی
قوت اور اپنی ہمت کی بلندی کی وجہ سے
طاقت فراق نہیں رکھتے تھے، دنیا میں
ان کے دل سے حجاب اٹھایا اور عقبی میں
ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا، اسی نتیجہ ہے
کہ دنیا میں وہ اس کے سوا کسی طالب نہیں
اور عقبی میں اس کے جمال جہاں را کے سوا
ان کی آنکھوں نے کچھ نہ دیکھا اور یہ سبق
انہوں نے کتب ما زاغ البصر و ملاحظی
میں پڑھا تھا کسی شاعر عارف نے خوب
کہا ہے۔

پردہ زمینی باز کن پر
سرے ہفت در را باز کن در
چوں تو بر سر ہے حضرت نشینی
تو باشی جملہ و خود را نہ بینی

چوں تو بر سر ہے حضرت نشینی

تو باشی جملہ و خود را نہ بینی

ایک دوسری جگہ انسان کا وہ مرتبہ بیان کرتے ہوئے جس کی وجہ سے وہ مسجود ملائکہ
اور محسود غلام بن گیا۔ تحریر فرماتے ہیں :-

مے برادران کہ ترا مسجود ملک کردہ است
محسود فلک گردانیدہ است کاے عظیم است
ہر آئینہ در وجود خاکی مکہ زمین نور و مقدس
است کہ اسرار ملک و امام بشری از دریافت
آن معنی عاجز و قاصر اند چون شعاع این معنی
طلوع نہاید ملک حیران شود و فلک سرگرداں
بود اور انوار اشع و این را تفسیر از لوازم بود
و از واجبات باشد۔ خواجہ غطار رحمۃ اللہ علیہ
اشارت کردہ است۔

میرے بھائی! جس چیز نے تم کو فرشتوں کا
مسجود اور افلاک کا محسود بنا دیا ہے وہ بہت
بڑی چیز ہے، انسان اپنے وجود خاکی میں کیسا
ہی کمزور ہو معنوی اعتبار سے ایسا منور و مقدس
کہ ملکوتی اثرات اور بشری ادہام؟ اس کی
حقیقت دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہیں
جب اس معنی کی شعاع جلوہ نگیں ہوتی ہے
ملائکہ حیران اور آسمان سرگرداں ہوتا ہے
وہ تو انفع سے سرگرم زبان اور یہ ہمیت سے

رباعی
فرشتہ گر بہ بیند جو ہر تو
دگر وہ سجود آرد بر در تو
نہ مسجود ملائکہ جو ہر تست
نہ تابع از خلافت بر سر تست
خلیفہ زادہ گلشن رہا کن
ہر گلشن شو گدا طبع رہا کن
بصر اندر برے تست شاہی
تو چوں یوسف چرا در قعر چاہے

لیکن انسان اور نوع انسانی کی اشریت اور خصوصیت اس مضحکہ گوشت کی وجہ سے ہے
جس کو دل کہتے ہیں اور دل کی قدر و قیمت اور زندگی و قوت اس جوہر کی وجہ سے ہے

دل آگاہ

جس کو محبت کہتے ہیں۔ دل کے متعلق فرماتے ہیں :-

عرش بیافرید بقربان داد بہشت بیافرید
رضوان داد و دوزخ بیافرید بہ ملک داد
چوں دل مومن با بیافرید گفت۔ القلوب
بین اصبعین۔

عرش پیدا کیا مقربین کے سپرد کیا، بہشت پہلکی
رضوان کو اس کا پاسبان بنایا، اور دوزخ پیدا
کی، ملک اس کا دربان بنایا لیکن جب سے من کا دل
پیدا کیا فرمایا، دل حسن کی دوا لکھیں کہ دریاں سے

ایک دوسرے مکتوب میں دل کی وسعت و قوت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”ہیچ چیز عزیز تر از دل بوی در معرفت
خوش آنجا نہائے این ست معنی آنکہ گفت
لا یعنی سمائی ولا ارضی ولكن
یعنی قلب عبد اللہ من
آسمان معرفت باران تابست در زمین درخورد
نیامد دل بسندہ مومن بود کہ بار رخت
ما کشید آری رستم را ہم رخت
رستم کشد و آفتاب سلطنت ادب
کوہ کہ در عالم اجسام و صور ثابت تر
و عظیم تر از دھچ چیز نیست یکبار
میش نتافت کہ ذرہ ذرہ گشت
”جعلہ دکا“
دہر روز سرحد و شصت بار بر دل مومن می
تابد و او ”هل من مزید“ نعرہ می زند
و فریادی کند الغیث الغیث
تشہ ام“
پیا سا ہوں۔

دل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر چیز ٹوٹ کر بے قیمت ہو جاتی ہے، لیکن شکستہ تر، عزیز تر

”اے برادر شکستہ چیز ہیچ چیز قیمت نہ داد
گر دل ہر چند شکستہ تر با قیمت تر مومن
علیہ السلام در مناجات خود گفت :-
”اللہی این اطلبک“ فرمان شد
انا عند المنکسرۃ قلوبہم
کروں؟ جواب ملا :- میں ان لوگوں کے
پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

محبت کی فرمانروائی

دل کا سرمایہ محبت ہے، اور محبت تمام عالم اور سارے زمانوں کو محیط ہے۔

اس عالم سے اس عالم تک اس کا سکہ رواں ہے۔ فرماتے ہیں :-

”اول این حدیث است و میسانہ این
حدیث است و آخر این حدیث است
امروز این حدیث است و فردا این حدیث
است، متفقان گفتہ اند کہ این عالم
و آن عالم ہر دو برائے طلب است
حدیث محبت تینوں زمانوں پر محیط ہے
اول و آخر در بیان اسی کا دور دورہ ہے
تحققین نے کہا ہے کہ یہ عالم اور وہ عالم
سب طلب کے لئے ہیں، اگر کوئی کہے کہ
وہ عالم، عالم طلب نہیں ہے، یہ ناممکن ہے۔

۱۰ اسی کو قبضہ نے اس طرح کہا ہے :-

”بچا بچا کے تو رکھ لے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ“

۱۰ مکتوب ششم (۶)۔

اگر کسی کو یہ کہ اس عالم عالم طلب نیست
 این محال است یکے نماز در روز نیست
 اما طلب ہست فردا ہمہ شراعیہ راست
 در کشند اما این دو چیز ابد الابد بماند
 الحمد للہ والحمد للہ
 ہاں نماز روزہ نہیں ہوگا لیکن طلب ہوگی
 روز قیامت تمام احکام پر تسلیم نسخ
 پھر جائے گا لیکن یہ دُؤ چیزیں
 ابد الابد تک رہیں گی : لا الحبح للہ
 والحمد للہ ۔

۱۰ کتب چل و ششم (۳۶)

نہم تحقیقات و علوم عالیہ

بلند و لطیف علوم و مضامین | حضرت شیخ شرف الدین کے کتب بات میں ادا تحقیقات اور
 بلند و لطیف علوم و مضامین کا ایسا ذخیرہ ہے جو حقائق و معارف
 کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کتاب کے مضامین پر جامع ایسے لطیف نکتے اور ایسی تحقیقات بکھری ہوئی ہیں
 جو ذاتی تجربات کا بخیر اور سالہا سال کی ریاضتوں اور وہی علوم کا تجربہ اور جن کو پڑھ کر دہر دہر کی ایسی کیفیت
 طاری ہوتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے طبیب گیز ادبی مقالے اور وجد آفرین شعر سے ہی حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس کتاب میں بعض ایسی تحقیقات بھی ملتی ہیں جن کے متعلق علمی حلقوں میں شہرت ہے کہ وہ کئی
 وحدۃ الشہود | صدی بعد کی تحقیقات ہیں اور جس صدی (آٹھویں صدی) میں مخدوم صاحب تھے اس میں

کوئی شخص ان سے آشنا نہیں تھا۔ ان ہی تحقیقات میں سے ایک "توحید شہودی یا وحدۃ الشہود" کا نظریہ ہے۔ اس
 نظریہ اور تحقیق کا چرچا حقیقتاً گیارہویں صدی ہجری سے ہوا۔ جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کے وجود
 کے متوازی اس کی دعوت اور فصاحت پیش فرمائی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی تقریر و تبلیغ اور اس کی

اشاعت کا سہرا حضرت مجدد الف ثانی ہی کے سر ہے اور اس بارے میں انھوں نے جس تفصیل و تکمیل اور جس قوت اور
جرات سے کام لیا وہ انھیں کا حصہ تھا اور وہ اس مسئلہ میں امام اور مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ دیکھ کر تعجب
ہوتا ہے کہ وہ ڈھائی سو برس پہلے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ نسیری کے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ
اس مسئلہ کا ذکر ملتا ہے وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو ان کو محال تھا ثابہ کرتے ہیں کہ
عام طور پر جس کو وحدت وجود اور غیر حق کا عدم محض اور فنا کے کامل سمجھا جاتا ہے وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے
دوسری موجودات کا اس طرح مانہ پڑ جانا اور منسوب ہو جانا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی
روشنی مانہ اور ذات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے وہ دو غلطوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ
"نابودن دیگر است و نادیدن دیگر"

کسی چیز کا نابود و معدوم ہو جانا اور چیز چھوڑ کر نظر نہ آنا اور چیز

اور فرماتے ہیں: یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں اچھے دلوں کے قدم لڑکھڑکے اور جہاں توفیق آگیا اور
خضر کامل کی رہبری کے بغیر مادہ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔

چند اذن نور ظہور حق بر وندہ آشکارا شود	ظہور حق کے نور سے سالک پر اس طرح ظاہر
کہ ہر ذرات وجود پیش دیدہ و دے در اشراق	ہوتا ہے کہ تمام ذرات وجود اس روشنی کی
اک نور توارى شوند بر مثال متواری شدن	آب و تاب میں اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتے
ذره بازو در اشراق نور آفتاب ذره در نور	ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے
آفتاب نتوان دیدن ازاں کہ ذرہ نیست شد	ذرات ہوا چھپ جاتے ہیں اور ان ذرات کو
و نہ آنکہ ذرہ آفتاب شد بلکہ ازاں کہ بالظہور	دیکھا نہیں جاسکتا اس کا یہ مطلب نہیں کہ
نور آفتاب ذرہ را جز متواری شدن رست	ذرہ موجود نہیں اور نہ یہ کہ ذرہ آفتاب ہو گیا ہے
نیمت ہمچنین نہ آنکہ بندہ بندہ خدا گردد	بلکہ بات یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کے ظاہر

تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا
و نہ اس کہ بندہ حقیقت نیست شود نا بودن
دیگر است و نادیدن دیگر سے
پیش توحید او نہ کہ نہ است نہ نواست

ہمہ پہنچ اند پہنچ اوست کہ اوست
توچوں در آئینہ نگری آئینہ را نہ بینی زیرا کہ
مستغرق جمال خودی و نتوانی گفت آئینہ
نیمت شد دیا آئینہ جمال شد و با جمال
آئینہ شد دیدن قدرت در تقدیر است
ہمچنین بود بے تفاوت دایں را صوفیان
"الفناء فی التوحید" خوانند۔

بیت ۔

گوید آن کس دریں مقام فحول

کہ تجلی نہ داند از حلول

بیا کس را میں جانت دم بلغزیدہ است

جز بند و توفیق و عنایت از فی و بہد رتہ

پیر رسیدہ و صاحب دیدہ شدہ

و فراد نشیب این راہ گزشتہ و شربت

از قمر جلال و لطف جمال جشیدہ این بادیدہ

ہوئے پر سوائے چھپ جانے کے ذرہ کا منہ نہیں کہ
وہ اپنی صورت دکھائے۔ اسی طرح سے یہ بات
نہیں کہ بندہ خدا ہو گیا تعالی اللہ عن
ذلک علوا کبیرا اور نہ یہ کہ بندہ حقیقت میں
معدوم ہو جاتا ہے نا بود اور معدوم ہو جانا
اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز شاعر عارف نے
صحیح کہا ہے ۔

پیش توحید او نہ کہ نہ است نہ نواست

ہمہ پہنچ اند پہنچ اوست کہ اوست
جب تم آئینہ دیکھتے ہو تو آئینہ کو نہیں دیکھتے اس لئے
کہ اپنے جمال میں مستغرق ہوتے ہو اور یہ نہیں کہہ سکتے
کہ آئینہ معدوم ہو گیا اور یہ کہ آئینہ تمہارا جمال
میں گیا ہے یا تمہارا جمال آئینہ بن گیا ہے قدرت کو
مقدورات کے اندر بالکل اسی طرح دیکھا جاتا ہے
اس کو صوفیہ فنا فی التوحید کہتے ہیں ۔

گوید آن کس دریں مقام فحول

کہ تجلی نہ داند از حلول

بہت لوگوں کا قدم اس جگہ پھسل گیا ہے

توفیق آگیا و عنایت از فی و بہد رتہ کی رہنمائی

کے قطع نہ کر دے۔ | کے بغیر جو مقام تحقیق پر فائز، صاحب نظر،

اس راستہ کے نشیب و فراز سے گزرا ہوا، قہر جلال اور لطیف جمال کا مزہ

چکھے ہوئے ہو اس باریہ کو کوئی قطع نہیں کر سکتا۔

تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں | اس موقع پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ آفتاب کے سامنے دوسری

یہ ثابت کیا گیا ہے کہ روشنی معدوم نہیں ہوتی صرف آفتاب کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور اس کا وجود بھیج

نظر آنے لگتا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی، اس کے وجود کو وجود

کنہا ہی صحیح نہیں ہے وہ تو اس کے مقابلہ میں معدوم ہی ہو جاتا ہے، ایک ہی چیز ایک وقت وجود اور معدوم

نہیں ہو سکتی۔ شیخ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں، آفتاب پانی کے

چشمہ پر چمکتا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے، اس سے پانی کی صفت بدلتی ہے پانی کی ذات نہیں بدلتی، اور پانی کسی

معنی میں بھی آفتاب نہیں بن جاتا۔ فرماتے ہیں :-

”اے سخن آں بود کہ چراغ را باغین آفتاب هیچ

والیے نبود ولایت بکلی آفتاب را بود

چوں از وجود او را اثر نبود وجود او چوں

عدم او بود اگر کسی گوید کہ عدم ضد وجود بود

و وجود ضد عدم و یک چیز در یک حال ہم وجود

بود و ہم عدم محال بود، جواب آفتاب کہ ایں سخن

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جرم آفتاب کے سامنے

چراغ کی کوئی ہستی نہیں رہ جاتی، اس وقت

آفتاب ہی کا دور دورہ ہوتا ہے جب چراغ

کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں تو اس کا وجود عدم

برابر ہو جاتا ہے، اگر کوئی کہے کہ ضد وجود کا

ضد ہوتا ہے اور وجود عدم کا ضد، ادا یا ک

در عین نیست در صفات است کہ عین نگرودا

صفات بگرد، خلق نگرود، آفتاب بر آفتاب

آب را گرم کند صفات آب بگرد و بدل

شود و عین آب نگرود زیرا کہ عین آب بر جاست

آفتاب در صفات آب عمل کرد نہ در ذات

آب و در عین جاست عین نیست

لیکن پانی کی ذات اور فطرت نہیں بدلتی وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے،

آفتاب نے صفات میں عمل کیا نہ کہ ذات میں ایسی حالت میں اجتماع

عین کی کوئی بات نہیں۔

کالمین اور فطرت کی ترقی قطع مقامات ادران کی باطنی کیفیات

ہم نشینوں کو بھی ادراک نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام ادران کے کمالات کے دائروں اور اولیاء کالمین کے کمالات

اور کیفیات ایسی لطیف، نازک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اکثر اوقات اُن کے معاصر اور اُن کی صحبت میں رہنے والے

اُن سے ناواقف اور بیگمانہ ہوتے ہیں، ادران اہل وجد و شوق اور اہل جذب و سلوک کو ترجیح دیتے ہیں جو

اُن کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچتے یہ حضرات کالمین جن کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کا ظرف، علو جو صلا اور قوت

تعل عطا فرماتا ہے، نہ گریبان چاک کرتے ہیں نہ دامن تاوتار نہ نعرے لگاتے ہیں نہ وجد میں آکر رقص

کرنے لگتے ہیں، نہ اُن سے کثرت سے کرامات و خوارق کا صدور ہوتا ہے، نہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی کیفیت کا

اظهار ہونے دیتے ہیں، ان کا وہ حال ہوتا ہے جو عارف شیراز نے بیان کیا ہے۔

لے مرغ سحر عشق ز پر دانہ بیاموز : کاں سوختہ را جان شد و آواز نیام

ایں مدعیان در طلبش بے خبر اند : آن را کہ خبر شد خبرش باز نیام

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ رفتار جتنی تیز ہوتی ہے اُسی قدر اس کی حرکت نظر میں نہیں آتی، فرماتے ہیں :-
تیز آمدی کو سب محسوس کرتے ہیں لیکن نسیم سحری جو دل کی کلیوں کے ساتھ سہمی کر رہی ہے اور جن کو
حیاتِ نو بخشی ہے اس طرح چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

رفتن چوں تیز گردد دیدار بالعکس باز گردد

ز جہنی کہ آن سنگ آسیا خراس کہ

می گردد از غایت رفتن ہر کہ نظر کند گوید

کہ ایستادہ است، خواجہ جنید را

رحمۃ اللہ علیہ گفتند چرالے پیر بہار

بر غری، ادایں آیت بر خواند و تری

الجمال تحبہا جامدہ وہی تہر

مرا السحاب شمارفتن مانمی بنید

چوں رفتن تیز شود در دیدار نیاید

نسیم سحر چنساں گزرد کہ کس را

خبر نہ باشد

رواں دواں ہوں گے، تم ہماری رفتار

نہیں دیکھتے، جب رفتار تیز ہو جاتی ہے دیکھنے میں نہیں آتی، نسیم سحر اس طرح
چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔

خواہشات نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں، شکستگی مقصود ہے

صادقین خواہشات نفسانی کا سرے سے فنا ہو جانا اور اس کا استیصال کلی ضروری سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ

سالک کے لئے ضروری ہے کہ اس میں سرے سے کسی خواہش کا مادہ ہی باقی نہ رہے، شیخ فرماتے ہیں کہ مقصود

ازالہ شہوات نہیں، شکستگی شہوات ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حیا، اہم معلوم میں ثابت کیا ہے کہ

اصلاح و تربیت کا مقصود غصہ وغیرہ کا جڑ سے نکل جانا اور اس کی صلاحیت کا مفقود ہو جانا نہیں، بلکہ

اس پر قابو پانے کی صلاحیت اور اس کو مغلوب کرنے کی قوت ہے، اسلئے قرآن مجید میں تعریف کے موقع پر

”والفاقدین الغیظ“ نہیں کہا، ”والکاظمین الغیظ“ فرمایا۔ اگر سرے سے غصہ ہی نہ آتا ہوتا تو

غصہ کو پی جانے اور اس کو دبانے کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ شیخ بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں :-

جمل و حماقت آن کے است کہ چنساں

می پندارد کہ شریعت فرمودہ است کہ

از شہوت در صفات بشریت پاک می بائد

شد اصلا و این قدر نادانستہ باشد کہ

چگونہ شریعت چنساں فرماید کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چنیں می گوید

کہ بشرم در خشم شوم و اثر خشم بردے

بیاردیند و خداوند می سنسراید

آپ پر ظاہر ہو جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا

والکاظمین العظام شامی گوید آزا
 کہ خشم فرو خورد نہ آزا کہ خشم ندارد و چگونه
 فرماید کہ شہوت نمی باید کہ حضرت رسالت
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ جرم داشت
 و اگر کسی را شہوت ساقط شود علاج باید
 کرد تا باز آید کہ رحم است بر اہل دوزخ
 و جبرگی و دروغ و کافران از خشم خبر و کثرت
 توالد و تناسل و ابقا نام نیک از
 شہوت خیر و مطلوب پیغمبر آں بودہ است
 توالد و تناسل لیکن فرمودہ است کہ ای
 ہر دو را زبرد سبب باید داشت چنان
 بودہ باشد کہ در زمان شرع باشد
 مانند اسپ و فرمان رانی و سگ و فرمان
 میا و لیکن سگ باید کہ معلوم بود و اگر نہ
 در میا و آویزد و بے اسپ نیز مید نتوان
 کرد اما باید کہ ریاضت یافتہ باشد و اگر نہ
 صیاد را بیند از وی شہوت و خشم بچو
 سگ و اسپ است و سعادت آخرت مید
 نتوان کرد بے ای ہر دو اما بشرط آنکہ زبردست

ارشاد ہے۔ والکاظمین العظام
 اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کہ
 دباتے ہیں اس کی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ
 ہی نہیں اور کس طرح شریعت خواہش نفس
 کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نوبیاں تھیں
 اگر کسی کی خواہش نفس بالکل زائل ہو گئی ہو تو
 اس کو علاج کرنا چاہیے کہ پھر پیدا ہو جائے
 اسلئے کہ گمہ والوں اور اولاد پر شفقت
 جہاد میں کافروں پر غصہ اور اولاد کا سلسلہ
 اور نیک نام کا بقا یہ سب چیزیں نفس کے
 احساسات اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں
 پیغمبروں نے اس کی تنہائی ہے کہ ان کا سلسلہ
 نہیں چلے لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ
 خواہشات کو مغلوب رکھا جائے اور احکام شریعت
 کے ماتحت جس طرح گھوڑا سائیں اور کتا
 شکاری کے ہنڈی میں ہوتا ہے کتا بھی ایسا
 چاہئے جس کی تربیت ہو چکی ہو ورنہ شکاری
 ہی پر حملہ آور ہو جائے گا شکار کے لئے

باشند کہ اگر غالب باشند سب ہلاک بود
 پس مقصود از ریاضت آنست کہ تا ای ہر دو
 صفت شکستہ شوند و زبردست باشند
 و ای ممکن است
 گھوڑے کی بھی ضرورت ہے لیکن ایسا گھوڑا
 نہ کہ وہ جو کام کر لیا گیا ہو ورنہ اپنے سوار کو
 گرائے گا اسی طرح شہوت اور غصہ کتنے
 اور گھوڑے کی طرح ہیں آخرت کی سعادت کے

ان دونوں کے بغیر شکستہ نہیں کیا جاسکتا لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور قابو
 کے ہوں اگر غالب ہوں گے تو ہلاکت کا جب بن جائیں گے پس ریاضت
 اور مجاہدہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں شکستہ اور مغلوب ہو جائیں
 اور یہ ممکن ہے۔

کرامت بھی ایک بُت ہے

جیسا کہ پرگزیر چکا ہے حضرت مخدوم صاحب کے زمانہ میں ہر طن
 کرامات کا چرچا تھا اور عوام اس کو بزرگی کی شرط اور قبولیت کا
 معیار سمجھتے تھے حضرت مخدوم صاحب اس مذاق عام اور شہرت عام کے برخلاف یہ ثابت کرتے ہیں کہ کرامات
 بھی اہل اللہ کے لئے ایک حجاب اور غیر اللہ کے ساتھ شہوتی کا حکم رکھتی ہیں اور اس طرح سے وہ بھی ایک طرح
 کا بُت ہے جس کی نفی اور اس سے استغناء بعض ملامت ضروری ہوتا ہے۔

یکبار بتان کرامات است تا کافران بت
 تعلق کنند احد باشند چون ادبت ترا
 کنند اولی اگر ند بت حارفاں را کرامت است
 مگر اگر است بآئینہ خوب و معز دل گردند
 کرامات بھی ایک بُت ہے جس طرح کافر
 بُت سے تعلق رکھتے ہیں دشمن ہوتے ہیں
 جب بُت سے بے تعلق اور برات کا اظہار
 کرتے ہیں دوست بن جاتے ہیں عارفوں کا

ہاگراذکرامات ترا کنند مسترب گردند
و مومنین گردند عزیزے گفتہ است۔ سہ
بے تعلقی کا اظہار کریں مقرب و دروہل کسی
عارف نے کہا ہے۔ سہ

قطعہ

زاہدان اجنت و فردوس باید زنگاہ
عاشقان الذلت اند و قہر نڈاں است و بس
لکھن اور لعلہم و خاص نیک بد بایندہ اند
قہر اور پیش رفتن کا مرداں است و کس
اذیں جا است کہ چون حسد لے عز و جہل
مراشند و چیز سے اذکرامات پدید آور
اند دل ایشان خضوع و خشاع زیادہ
گرد و ذل و تواضع بیش آں باشد کہ
بود و ترس و خوف زیادت اراں گردے
زاہدان اجنت و فردوس باید زنگاہ
عاشقان الذلت اند و قہر نڈاں است و بس
لکھن اور لعلہم و خاص نیک بد بایندہ اند
قہر اور پیش رفتن کا مرداں است و کس
اذیں جا است کہ چون حسد لے عز و جہل
مراشند و چیز سے اذکرامات پدید آور
اند دل ایشان خضوع و خشاع زیادہ
گرد و ذل و تواضع بیش آں باشد کہ
بود و ترس و خوف زیادت اراں گردے

کشف و کرامات اور استراج :-

و برآنجہ بر صدیقان از کشف و صدق
فراست چیرے پدید می آید و از کار ہلے
مصدقین پر کشف اور فراست صاف
ہے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور

ستغیل کہ بیش خواہد آمد ایشان را روشن
نی گردد و باشد کہ بر بعضے این معنی نکشاید
و از ایں جا قدح لازم نیاید در حال
ایشان کہ قدح در حال ایشان گشتن بود
از استقامت و ہر چہ بر صدیقان کشاید
آں سبب مزید یقین ایشان باشد و اعلیٰ
بود ہر صدق محابہ و خوشے گرفتن باخلاف
کیدہ باشد و اگر بر کسے کشاید کہ اندر
یسا است شرع نباشد آں سبب مرید
بعد غرور و حماقت بود و براں حلالی مردمان
از بردست و خیر دارد و ہم چہیں می باشد
مادشتہ اسلام از گردنہ بیرون
افتد و از حدود احکام و حلال و حرام
منکر گردد و پیدار مقصود از عبادت
بحر و در خدائی نیست ترک متابعت سنت
پیش گیر و نادراں کما و زندہ است
نمود باللہ مہیا۔

ہونے والے واقعات میں سے جو واقعات ان پر
منکشف ہو جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بعض
لوگوں پر ان طرح کی چیزیں منکشف نہ ہوں
لیکن اس سے ان پر کوئی اعتراض اور
ان کے کلمات میں کوئی نقص ثابت نہیں
ہوتا، اعتراض اور نقص کی چیز مجاہدہ استقامت
سے ہٹ جانا ہے صدیقین پر اس طرح کی
جو چیزیں منکشف ہوتی ہیں وہ ان کے یقین
کے اضافہ کا سبب ہوتی ہیں اور اس سے
ان کے مجاہدہ میں اور کھپنگی اور اخلاقی حیلہ
میں اور ترقی ہوتی ہے اگر یہ حالات ایسے
کسی شخص کو پیش آئیں جو احکام شریعت کا
پابند نہیں و اس کے بعد کا سبب اور
اس کے فریب و حماقت کا ذریعہ بن جاتے ہیں
وہ اس کے دھوکہ اور غرور میں لوگوں کو مغلوب
اور حقیر سمجھنے لگتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے
کہ اسلام کا رشتہ اس کی گردن سے باہر

ہو جاتا ہے اور وہ احکام آسمی کے حدود اور حلال و حرام کا منکر بن جاتا ہے اور کچھ لکھتا ہے کہ عبادت کا مقصد ذکر آسمی کے سوا کچھ نہیں وہ سنت کی پیروی چھوڑ دیتا ہے اور الحاد و زندہ کا شکار ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منها۔

فصیلت خدمت :-

ایک کار بزرگ مرد را خدمت است در خدمت فائدہ خاصیتہا است کہ در پنج عبارت و طاعت دیگر نیست کے آنت کہ نفس مردہ شود و کبر و نخوت خواہگی را برد و لواضع و محض در پیہ آید و اورا سود بگرداند و اخلاقہارا نیکو گرداند و علوم سن طریقت در آسوز و تیرگی و گرائی نفس از پیہ برد و او لطیف و سبک روح گردد و ظاہر باطنش روشن شود و اس فوائد مخصوص است بحکمت بزرگے و پر سید مذکور را بحق چند است گفت بعد ہر مردہ از موجودات رہے است بحق اما پنج راہ نیکوتر و نزیک تر از راحت رسانیں

سلک کے لئے ایک اونچا کام خدمت ہے خدمات میں وہ فوائد اور خاصیتیں ہیں جو جو کسی دوسری عبادت و طاعت میں نہیں ایک یہ کہ نفس مردہ ہوتا ہے اور بڑائی و بڑائی کبر و نخوت نکال دیتی ہے اور تواضع و عجز پیدا ہوتا ہے خدمت اس کو مضرب اور مودب بنادیتی ہے اخلاق کو آراستہ کرتی ہے اور سنت و طریقت کے علوم سکھانی ہے نفس کی ظلمت اور گرائی کو دور کرتی ہے اور ان کے لطیف اور سبک روح بناتی ہے اور اس کا ظاہر و باطن روشن ہو جاتا ہے یہ سب فوائد خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا خدا تک پہنچنے کے کتنے راستے ہیں؟ مائیں نے جواب دیا کہ موجودات

بدلتا نیست و ما بدیں راہ یافتہ و بدیں مردہ آں را وصیت کردیم و گفتہ بزرگ آنست کہ اوراد و طاعات اس طائفہ زیادت از آنست کہ در بیاں آید و چون دناں بر فارغ شوند پنج درد و طاعت فائسل تر با فائدہ تر از خدمت کر دہ یک دیگر نیست

اور دنیا میں جتنے ذات ہیں اتنی ہی خدا تک پہنچنے کی راہیں ہیں لیکن کوئی راستہ دلہا کو راحت پہنچائے سے زیادہ بہتر اور نزدیک نہیں اور ہم سے اسی راہ سے خدا کو پایا ہے اور اپنے تعلق والوں کو ہی کی وصیت کی ہے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس گرد کے اوراد و طاعات بیان ہے باہر ہیں وہ جب

ان سب فارغ ہوتے ہیں تو پھر کوئی درد و طاعت ایک دوسرے کو خدمت کرنے سے زیادہ اہل اور مفید نہیں۔

نفس کی اصلاح کا معیار حقیقتاً اس بات کا اطمینان بہت مشکل ہے کہ نفس عموماً خدا کی اصلاح سے دست بردار اور خواہشات و شہوات کی گرفتاری سے آزاد ہو گیا ہے اور تربیت و اصلاح کے اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اب اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے حضرت شیخ شرن الدین کے نزدیک اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش سے قدم نہ اٹھائے، شریعت کے حکم پر چلے اور احکام شریعت میں رخصت و قایل سے کام نہ لے اگر نفس پر کسی خاص نفسانی خواہش اور طبیعت کا غلبہ ہے تو حقیقتاً وہ اس جانور کے مشابہ ہے جو اس خواہش کا سب سے بڑا ناسدہ اور منظر ہے۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :-

۱۰ مکتوب ہفتاد و یکم (۱۰)۔

”اے برادر نفس آدمی مکارہ و فریبندہ است
 ہر دعویٰ و دروغ کند لاف زند کہ ہوا زیر
 دست فست از فست بران باید طلبید
 و هیچ برانے نیست مگر آنکہ بسکم خود
 تدبیر زند کلم شرع رود کہ اگر ہمیشہ
 بطوع تن در تواند و اوراست می گوید
 اگر و احکام شرع رخصت و تاویل می طلبد
 موافق ہوا و شہوت آن مدبر ہنوز اسیر
 ہواست اگر اسیر خشم است سگے است
 در صورت آدمی را اگر اسیر شکم است
 بیست است و اگر اسیر شہوت ہائے زشت
 است خو کے است و اگر اسیر جامہ
 و بخل است زنی است در صورت
 مرد مگر کسے کہ خود را احکام ادا
 شرع بسیار آید و بسیار ماید
 و عنان خود بدست شریعت دہد
 تا چنانکہ آدمی گردد می تواند شستن انگاہ
 صفات ادا سیر اشدہ باشد
 پس کسانیکہ از باب بصیرت بودہ اند

دکار ہارا چنانکہ بود بدیدند تا نفس باز پس
 لگام تقویٰ از شر نفس خود فرد و نسا
 و ردند
 لگام تقویٰ دی ہے جس طرف وہ پھرتی ہے
 اسی طرف وہ پھرتا ہے اُس دقت اس کو

کہا جاسکتا ہے کہ اس کی صفات اُس کی ملکوم اور زیر فرمان ہو گئی ہیں
 پس جن لوگوں کو اندر نے بصیرت دی تھی اور جو حقائق پر نظر رکھتے تھے
 وہ دم واپس تک اپنے نفس کو تقویٰ اور خوفِ الہی کی لگام دے رہے۔

۱۰ مکتوب کو در ششم (۹۶)۔

کے مطابق آراستہ کرتا ہے اور نفس کا امتحان

باب دہم

حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت

ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ [حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ نیرخی کا تمام ترکا زمانہ یہی تھی کہ انھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا]

معرفت الہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت و اہمیت دل نشین کی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشقِ آسمانی و خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک و معرفت کے اسرار و نکات اور لطیف و بلند علوم کا اظہار فرمایا، بلکہ بعض دوسرے مصلحین امت اور محققین کی طرح اُن کا یہ بھی عظیم و روشن کارنامہ ہے کہ انھوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض انجام دیا، مسلمانوں کے دین و ایمان کو غالی صوفیوں کی بے اعتدالیوں، ملحدین کی تحریفیات اور باطنیت و زندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا، امدان مخالطوں کا پردہ چاک کیا جو بد اعتقاد صوفیوں، جالِ مشائخ اور فلسفہ و باطنیت سے متاثر اشرافین کی دھوکے و تبلیغ سے ہندوستان جیسے دور افتادہ ملک میں (جہاں اسلام بہت چمکے گاٹ کر پہنچا تھا) اور جہاں کتاب و سنت سے براہِ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے) سحر کا اثر رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب عقائد و خیالات پر ضربِ کاری لگائی جس کے پردہ میں یہاں ابھاد و زندقہ پھیل رہا تھا

اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے، اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہل سنت کے مسلک کی نہایت موثر و طاقتور و کالت اور تبلیغ کی، وہ چونکہ حقانی و معارف میں بلند ترین پایہ رکھتے تھے، اشراق اور کشف و شہود کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے تھے، ریاضات و عبادات کی طویل ترین و دشوار ترین گھاٹیاں طے کر چکے تھے، اور اس میلان میں اُن کا مرتبہ اباست و اجتہاد تک پہنچنا سب کو تسلیم تھا اسلئے اس بار میں ان کی تصریحات و تحقیقات خاص وزن اور قیمت رکھتی ہیں، امدان کی تردید بلکہ تحقیر کسی ٹپ سے بڑے صاحبِ اشراق و کشف کے لئے آسان نہیں کہ اُن کا معاملہ یہ تھا کہ۔

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ

لاحہے مدتوں آیا گیا ہوں

نبوتِ لایت سے فضل ہے [ایک ہر طرف سے نصوتوں کے بعض حلقوں میں اس خیال کی شاعت ہو رہی تھی کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے فضل ہے اور یہ کہ

ولایت تمام تر توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق کا نام ہے، اور نبوت کا موضوع دعوت ہے جس کا تعلق غلالت سے ہے اسلئے ولی رو بکت ہوتا ہے اور نبی رو بخلق اور رو بکت ہونے کی حالت رو بخلق ہونے کی حالت اعلیٰ اور افضل ہے بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط کی کہ انھوں نے یہ کہا کہ ولایت عام طور پر نبوت سے افضل نہیں بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، اور نبی جب مشغول بالخالق ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلق ہوتا ہے۔

لیکن اس کی جو بھی تاویل کی جائے اس عقیدہ و خیال سے نبوت کی تحقیر کا پتہ نکلتا تھا اسکی اہمیت و عظمت کم ہوتی تھی اور اسکا دوزندقہ کا ایک دروازہ کھلتا تھا حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ نیرخی نے اس عقیدہ کی پروردگار پر تردید فرمائی اور بڑی قوت و وضاحت سے ثابت فرمایا کہ نبوت کا مقام ولایت سے کم نہیں بلکہ اس کی پروردگار کی تمام عمر نبی کے تمام احوال و اوقات دلی کے احوال و اوقات سے افضل ہیں، بلکہ انبیاء کی ایک سانس اولیاء کی تمام عمر

افضل ہے، اسی سلسلے میں انھوں نے بڑی مہققانہ اور عارفانہ باتیں لکھی ہیں، اور چونکہ وہ خود ولایت و معرفت کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، اسلئے ان کا فرمانا محض ذہانت اور علم کے زور کا نتیجہ نہیں، تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، کہ ۔ ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ایک کتب میں لکھتے ہیں :-

”برابر عرض شمس الدین کو معلوم ہو کہ باتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام اوقات و احوال میں اولیاء و پیغمبروں کے تابع ہیں اور انبیاء و اولیاء افضل ہیں جو ولایت کی نیابت ہے، وہ نبوت کی ہدایت ہے، تمام انبیاء و اولیاء نبوتی لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں ہوتا، اہل سنت و جماعت اور اس طریق کے متخصّص میں اس سلسلہ کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، اہل محمدین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں، اور وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ اولیاء تمام اوقات میں مشغول رہتے ہیں اور انبیاء اکثر اوقات دعوت و خلق میں رہتے ہیں، پس جو شخص مشغول رہتا ہو وہ افضل ہو، اُس سے جو کسی کسی وقت مشغول رہتا ہو، ایک گروہ (جس کو صوفیہ سے محبت کا دعویٰ ہے) اور وہ اُن سے نیک گمان رکھتا ہے اور انکی پیروی کا دم بھرتا ہے، اس کا قائل ہے کہ مقام ولایت مقام نبوت سے برتر ہے، نبی کو علم وحی ہوتا ہے اور ولی کو علم اسرار و الٰہی کو ایسے اسرار معلوم ہوتے ہیں جن سے انبیاء بے خبر ہوتے ہیں، انھوں نے اولیاء کے لئے علم لدنی ثابت کیا اور اس کا استنباط حضرت موسیٰ اور خضر کے

قصہ سے کیا، انھوں نے کہا کہ خضر لدنی تھے اور حضرت موسیٰ نبی، حضرت موسیٰ لدنی ظاہر آتی تھی جب تک وحی نہ آتی، اُن کو کسی واقعہ کا راز اور کسی بات کا بھید معلوم نہ ہوتا، حضرت خضر کو علم لدنی حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ بغیر وحی کے غیب تک جان لیتے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ کو اُن کا شاگرد بننے کی ضرورت پیش آئی، اور سب کو معلوم ہے کہ اُس کا شاگرد سے افضل ہوتا ہے۔

لیکن یہ یاد ہے کہ اس طریق کے پیشوا جن کے دین پر اعتماد کیا جاسکتا ہے وہ ایسے اقوال و عقائد سے بیزار ہیں، وہ اس کو ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ کسی کام پر انبیاء سے بلند ہو سکتا ہے یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہے، باقی موسیٰ اور خضر کے قصہ کا جواب یہ ہے کہ خضر کو فضیلت جزئی حاصل تھی، اور دو خاص واقعات کا علم لدنی ہے، اور حضرت موسیٰ کو مطلق فضیلت حاصل تھی، فضیلت جزئی فضیلت مطلق کو منسوخ نہیں کرتی، جیسے کہ مریم، کہ اُن کو ایک طرح کی فضیلت حاصل تھی کہ مرد کے تعلق کے بغیر حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے، لیکن یہ فضیلت حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کی فضیلت پر غالب نہیں، اسلئے کہ ان کو فضیلت مطلقہ حاصل تھی تمام دنیا کی عورتوں پر، یاد رکھو اگر تمام اولیاء کے تمام احوال و اعمال، انفاس و زندگی کو نبی کے ایک قدم کے مقابلہ میں تصور کیا جائے تو وہ بیچ اور معدوم نظر آئیں گے۔ اولیاء جس چیز کے طالب ہیں اور جس چیز کے لئے سفر طے کرتے ہیں اور کھنٹیں کرتے ہیں انبیاء، اُس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ اس کو پا چکے ہیں، انبیاء دعوت کا کام بکلمہ اکہی انجام دیتے ہیں اور ہزاروں

و انہوں نے خدا کو خدا سیدہ اور دوسرے بنائے ہیں۔

انبیاء کی ایک سائنس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے۔

پس انبیاء کی ایک سائنس تمام اولیاء کی تمام زندگی اور عمر سے افضل ہے۔ اس لئے کہ جب اولیاء انہماک کو پہنچتے ہیں تو شاہدہ کی خبر دیتے ہیں اور حجاب بشریت سے خلاصی پاتے ہیں، اگرچہ وہ اس حالت میں بھی بشر ہی رہتے ہیں، پتھر پہلے قدم میں مقام شاہدہ پر فائز ہوتے ہیں جو اولیاء کی انتہا ہوتی ہے وہ انبیاء کی ابتدا، انبیاء کو اولیاء پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا۔ خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ انبیاء کے حالات کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: توبہ توبہ ہمارا اس عالم میں کوئی دخل نہیں۔ پس جس طرح اولیاء کا مرتبہ مخلوق کے ادراک و تصور سے بھنی ہے، اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے بالاتر ہے۔ اولیاء انبیاء کے مغایرت میں اپنے قدموں سے تیز چلنے اور دوڑنے والے ہیں اور انبیاء اولیاء کے مقابلہ میں اڑنے والے ہیں دوڑنے والا اڑنے والے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب :-

انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی اور پاکیزگی اور قرب خداوندی میں اولیاء کو رام کے دل و روان کے سر اور راز و نیاز کے برابر ہے، پس عظیم الشان فرق ہے، اس شخص کے درمیان جس کے جسم کو وہاں لے جائیں جہاں دوسرے کا

راز و نیاز پہنچ سکتا ہے۔

شرعیات کا لزوم و دوام

اسی طرح مصلحتوں کے بعض حلقوں میں ایک مغالطہ یہ پھیل چکا تھا کہ شرعیات کی پابندی اور پیروی کی ضرورت ایک خاص وقت اور ایک خاص حد تک رہتی ہے۔ جب سالک مقام تحقیق اور مرتبہ یقین پر پہنچ جاتا ہے اور اصل باللہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ شرعیات کی پابندیوں اور فرائض شرعی سے آزاد اور مستغنی ہو جاتا ہے اس عقیدہ نے اچھی خاصی مقبولیت حاصل کر لی تھی، اور بہت سے لمحوں اور بے عملی بلکہ اتحاد و زندہ پھیل رہا تھا، بعض پڑھے لکھے لوگ بھی اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی مشہور آیت "واعبد ربك حتى ياتيك اليقين" سے استدلال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عبادت و اتباع شرعیات کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہنا چاہئے جب تک یقین حاصل ہو جائے یقین حاصل ہو گیا تو پھر تمام تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں، حضرت شیخ شرف الدین نے اس گمراہ کن عقیدہ اور مغالطہ کی ذرہ دست تردید کی۔ ان کے متعدد مکتوبات اس موضوع پر ہیں جن میں انھوں نے پوری قوت اور جوش کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ شرعیات کی پابندی دم واپس تک رہتی ہے اور کسی حال اور کسی وقت میں بھی نہ تکالیف شرعیہ اور فرائض وغیرہ ساقط ہوتے ہیں اور نہ کوئی انسان اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۱۔ کتب بہرہ۔

۱۲۔ اس آیت کی صحیح تفسیر کے لئے محققین کی تصنیفات (مستند تفاسیر ملاحظہ ہوں) مشہور تفسیر یہ ہے کہ

یقین سے مراد موت ہے۔ ۱۲۔

ایک مکتوب میں

شرعیات کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے

تحریر فرماتے ہیں :-

”برادر اعز شمس الدین کو معلوم ہو کہ شیطان کبھی کبھی صوفیوں اور اہل ریاضت پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترک محبت کا مقصد یہ ہے کہ خواہشات نفس شکستہ اور صفات بشریت مغلوب ہو جائیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یادان پر غالب آجائے اور دل ظلمات بشریت سے ذکر الہی کے اثر سے صاف ہو جائے اور اسکے نتیجہ میں معرفت خداوندی کی حقیقت اس کو حاصل ہو جائے، شرعیات کی پابندی کجہ وصال تک پہنچنے کی ایک راہ ہے جو شخص کجہ وصال کو پہنچ گیا اس کو راستہ، توشے اور سواری کی اب کیا ضرورت ہے؟ اس شیطان اس گروہ کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر وہ ناز پر نہیں گئے تو وہ ان کے لئے عذاب ہو جائے گی اس لئے کہ ان کو وصول حاصل ہو چکا ہے، ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو دائی مشاہدہ میں رہتے ہیں اور ناز رکوع و سجود کا مقصد یہ ہے کہ غافل دل کو حضوری ہو جائے، ہم و خود ایک لمحہ بھر غافل نہیں ہوتے، عالم ملکوت کو آشکارا دیکھتے ہیں، انبیاء کے جوار مقدس میں رکھا جاتے ہیں ہم کو ان عبادات اور فرائض شرعی کی کیا ضرورت ہے۔“

درحقیقت یہ خود ابلیس کا حال اور اس کا واقعہ ہے اس نے اپنا کمال قرب دیکھا اور کہا کہ آدمؑ کو سجدہ سے کیا حاصل، آدمؑ اس سے کم ہیں، مجھے اس کا سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا قصہ افسانہ کے طور پر نہیں بیان کیا ہے، وہ انھیں لوگوں کی

عبرت کے لئے بیان کیا جو اس مغالطہ شیطانی میں گرفتار ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کسی مقرب کو شرعیات کی فرمانبرداری سے چارہ نہیں بزرگانِ یمن جو یہ فرمایا ہے کہ شرعیات کی پیروی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہے انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

بقا، شرعیات کا راز :-

شیطان نے یہاں ایک نکتہ اس گروہ کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے اس نے یہ باور کرایا کہ شرعیات کا مقصد صرف اتنا ہے کہ حضوری حاصل ہو جائے، لیکن یہ غلط ہے شرعیات کا اسکے علاوہ بھی مقصد ہے، مثلاً پانچ وقت کی نمازیں ایسی ہیں جیسے کسی درجہ کمال میں پانچ کیلیں لگی ہوں، اگر کیلیں الگ ہو جائیں تو وہ درجہ کمال سے جدا ہو کر گر جائے، جیسے خود ابلیس گر گیا، اگر کوئی کہے کہ یہ پانچ نمازیں کس طرح پانچ کیلیوں کی طرح ہیں جن سے کمال کا یہ درجہ تھا ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پہچاننا انسان کی طاعت میں نہیں یہ درحقیقت ایسا ہی ہے جیسے اشیاء اور ادویہ کے خواص عقل اس کی وجہ دریافت نہیں کر سکتی، جیسے سنگ متناطیس لوسہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے۔

ایک مبلغ مثال

فرائض شرعی اور شرعیات کے احکام کی پابندی میں کیا کیا ٹکٹیں ہیں اور وہ انسان کے دین و ایمان اور اپنے خالق کے ساتھ تعلق کی اور منصب بندگی کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں اور ان کے رد سے کس طرح انسان کا دین و ایمان اور اس کا تعلق برباد

ہو جاتا ہے اور وہ کس طرح نفس و شیطان کا شکار درجہ اعتبار سے ساقط اور راندہ درگاہ ہو جاتا ہے اس کی ایک تلخ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”اس کو ایسا بھوکا ایک شخص نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر محل تعمیر کیا، وہاں انواع و اقسام کی نعمتیں جمع کیں جب اس کا اخیر وقت ہوا تو اس نے لڑکے کو وصیت کی کہ اس محل میں جو ترمیم و تصرف چاہنا کرنا، لیکن ایک خوشبودار گھانس کا ایک حصہ جو میں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ چاہے خشک ہو جائے اس کو باہر نہ کرنا، جب پہاڑ کی چوٹی پر بہار آئی، تو پہاڑ و میدان سب سرسبز ہو گئے، بہت سی تازہ اور خوشبودار گھانس پیدا ہو گئی جو اس پرانی گھانس سے زیادہ تر و تازہ تھی، اس میں بہت سی گھانس اور پھول اس محل میں آئے جن کی خوشبو نے سارے محل کو مغطی کر دیا اور ان کے سامنے اس پرانی سوکھی ہوئی گھانس کی خوشبو دب گئی، لڑکے نے سوچا کہ میرے والد نے یہ پرانی گھانس اس محل میں اسلئے رکھی تھی کہ اس کی خوشبو پھیلے اور یہ جگہ اس سے مغطی ہو، اب یہ سوکھی گھانس کس کام آئے گی، اس نے حکم دیا کہ اس گھانس کو باہر پھینک دیا جائے، جس وقت محل اس گھانس سے خالی ہو گیا ایک کالے سانپ نے سوراخ سے سر نکالا اور لڑکے کو ڈس لیا اور اس کا کام تمام ہو گیا، سبب اس کا یہ تھا کہ اس گھانس کے دو فائدے تھے :- ایک یہ کہ وہ خوشبو دے، اور دوسرے اس میں خاصیت تھی کہ وہ جہاں ہوتی ہے سانپ اس کے قریب نہیں جاسکتا، گویا وہ سانپ کا تریاق تھا یہ خاصیت کسی کو معلوم نہیں تھی، لڑکے کو اپنی ذہانت پر ناز تھا وہ سمجھا کہ جو اس کے

معلومات کے دائرہ میں نہ ہو گویا کہ قدرت خداوندی کے خزانہ میں موجود نہیں ہے اس کو اس آیت کا مفہوم نہیں معلوم تھا :- وما ادریتکم من العلم الا قلیلاً وہ اپنی ذہانت کے غرہ میں مارا گیا۔

اسی طرح یہ صاحب کشف و کرامت گروہ اس مغالطہ کا شکار ہوا کہ شریعت کا جو راز ہم پر منکشف ہو گیا اور اس کی جتنی حکمت انھوں نے سمجھی اس کے علاوہ نہ کوئی راز ہے اور نہ کوئی حکمت، حالانکہ یہ ایک بڑی زبردست غلطی ہے، جو اس راہ کے سالکین کو کبھی کبھی پیش آتی ہے اور بہت سے لوگ اس کا شکار ہو ہلاک ہو چکے ہیں، ان لوگوں نے راہ شریعت کا ایک ہی مقصود سمجھا اور یہ نہیں سمجھے کہ اس میں دوسرے اسرار بھی ہیں، انھوں نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اگر دوسری حکمتیں نہ ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی نمازوں کی کیا ضرورت تھی جس سے پائے مبارک میں درم آ جاتا تھا، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ارادت واجب ہے پیغمبر پر نہیں ہے۔

علماء و مشائخ کا ملین کا اسوہ :-

وہ علماء و مشائخ و صوفی جو درجہ کمال پر پہنچے، انھوں نے سمجھا کہ شریعت کی پابندیوں میں ہر پابندی ایک راز ہے جس سے آخرت کی سعادت مربوط اور وابستہ ہے یہاں تک کہ ان بندگان نے اپنے دم واپس تک آداب شریعت

میں سے ایک ادب بھی ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خادم انتقال کے وقت دھنوکراہا تھا وہ دارشعبی میں غلال کرانا بھول گیا آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ سنت بجالائے، لوگوں نے کہا کہ حضرت ایسے وقت میں اتنی بھی رخصت نہیں فرمایا: ہم خدا تک کسی کی برکت سے پہنچے ہیں۔ بلکہ کمال کا یہی شعار تھا اور فریب خوردہ لوگ جلدی دھوکہ میں آجاتے ہیں، جس چیز کو وہ نہیں دیکھ سکے اور جو چیز ان کی سمجھ میں نہیں آتی وہ کہے اس کا وجود نہیں، فجر کی نماز دو رکعت ہے مظهر کی نماز چار رکعتیں، صبح کی نماز چار رکعتیں، مغرب کی تین، عشاء کی چار، پھر ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، ان سب میں ایک سراور خاصیت ہے جن کا حصول کمالی میں خاص دخل ہے، اور انتقال کے وقت تک ان کی پابندی کرنے کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی کمال مفید نہیں، اگر سالک ان کو تھوڑے گا اور دنیا سے چلا جائے گا، اپنے کو تباہ دیکھے گا اُس وقت کہے گا کہ وہ میرا کمال کیا ہوا؟ جواب دیا جائے گا کہ کمال کے تختے میں کیلیں نہیں تھیں مرنے کے وقت وہ جڑ سے اکھڑ گیا، جیسے کہ ابلیس کے تمام کمالات ایک نافرمانی کی وجہ سے خاک میں مل گئے۔

حضرت شیخ شرن الدین اس بارہ میں اتنے واضح الاعتقاد اور تشدد تھے کہ ایک مکتوب میں اس عقیدہ کی (کہ شریعت کی پابندی خاص حالات و مقامات پر ضروری نہیں) تردید کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:-

”وایں غلط است و مذہب طحاں آنست کہ
گویند یکے دیگرے دعا با ست و
گویند چوں حال حقیقت کشف گشت
شریعت بر خیزد و لعنت بریں اعتقاد
باد بریں مذہب است۔“

یہ غلط ہے اور طحاں کا مذہب کچھ کہتے ہیں
ایک دوسرے کے فیہودائی اور کہتے ہیں
جب حقیقت تک سالی ہو گئی اور کشف شہود
حاصل ہو گیا تو شریعت کا حکم اٹھ گیا،
لعنت ہے اس عقیدہ اور اس مذہب پر

وہ تمام متخصنین مونیہ کی طرح شدت کے ساتھ اس بات کے قائل اور داعی ہیں کہ
شریعت کی شرط
سلوک و طریقت شریعت کی ویرانہ اور پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک مکتوب
میں فرماتے ہیں:-

”جو شخص طریقت میں شریعت کا تاج نہیں ہو گا اُس کو طریقت سے کوئی فائدہ
حاصل نہیں ہو گا، یہ طحاں کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز ہے، وہ
کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو گئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی،
خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر، ظاہر بے باطن نفاق ہے، اور باطن بے ظاہر زندقہ
ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے اور باطن بے ظاہر جوس، ظاہر ہمیشہ باطن کے
ساتھ ہو سکتا ہے، ظاہر باطن کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کو
عقیدہ نہیں کر سکتا۔“

اتباع محمدی سے چارہ نہیں | حضرت مخدوم مکتوبات میں بڑے جوش و خروش اور بے شک و شبہ

علیہ و آلہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں آپ کی پیروی کے بغیر نہ نجات ممکن ہے نہ حقیقت تک سالیٰ،
نکالات و سعادت اخروی کا حصول۔ ایک مکتوب میں خلد ان کلمہ تحبون اللہ فاتبعونی
یحبکم اللہ کی تلقین و تفسیر کرتے ہوئے کسی پیشرو شاعر عارف کے یہ اشعار جو خود ان کے دلی جذبات و
کیفیات کے ترجمان ہیں نقل کرتے ہیں۔

اودیل تو بس تورہ بخوئی + اوزبان تو بس تو یا وہ گوئی
ہرچہ او گفت ز راز مطلق داں + ہرچہ او کرد کردہ حق داں
خاک او باش بادشاہی کن + آن او باش ہرچہ خواہی کن
ہر کہ چون خاک نیست بردارو + گز فرشتہ است خاک بر سر او

۱۰ مکتوب پانزدہم۔

سلسلہ فردوسی کی اشاعت اور اس کے بعض مرکز

حضرت مخدوم الملک کے بعد سلسلہ فردوسی نے کیا ترقی کی اس کی تفصیل کسی کتاب میں مرتب طریقے سے
نظر سے نہیں گزری۔ آپ کے بعد مولانا مظفر بخٹی (مدفون عدن) جانشین ہوئے اور بہلہ کی خانقاہ میں یہ سلسلہ
جاری ہوا۔ اپنے دور میں مخدوم شاہ شعیب فردوسی بن مخدوم جلال میری بن عم مخدوم الملک کے
شیخو رہ ضلع مونگیر (بہار) میں خانقاہ قائم کی آپ کے خاندان کے افراد سے اب تک یہ سلسلہ وہاں قائم ہے۔
مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی ایک کتاب 'بزرگان فردوسیہ کے حالات میں' مناقب لاصفیاء ہے جو طبع
ہو چکی ہے اور اس کتاب میں اس سے خاص مدد ملی گئی ہے۔ مخدوم الملک کے بعد میری میں
سلسلہ فردوسی نے ترقی کی جن میں آپ کے خاندان کے مخدوم شاہ دولت میری توفی ۱۰۱۷ھ مشہور بزرگ
گئے، آپ کے ایک مرید و خلیفہ امام اللہ صدیقی عاصی سندیلہ پوٹی سے سلسلہ جاری ہوا۔
تقریباً دسویں صدی میں تنویر ضلع پٹنہ میں فردوسیہ سلسلے کی ایک خانقاہ قائم ہوئی اور اب تک سلسلہ
جاری ہے۔ سوہرہ بہار میں کوئی خانقاہ ایسی نہیں جہاں یہ سلسلہ نہیں ہے اور جہاں بھی یہ سلسلہ ہے
مخدوم الملک کی ذات سے ہے۔ محلہ شمار بھٹکل "میسو اشیٹ" میں بھی اس سلسلہ کی
خانقاہ ہے۔

حضرت مخدوم صاحب کے بعض فقرے اور ہندی فقرے :-

بہار اور اس کے اطراف میں حضرت مخدوم صاحب کے بہت سے دوسے اور ہندی

فقرے زبان زد عوام ہیں۔ جیسے :-

۱۱ اخادہ مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی۔

شرقا جھکانت پھرے اور چت رکھے اور اس : سائیں بے سریریں کہ جیوں بھولیں میں باس
 شرقا گور ڈراؤنی اور نس اندھیری رات : دان نہ کوئی پوچھے کہ کون تو ہماری ذات
 ہم گتا در در پھرے در در در دوسے : ایک در کو تھام لے کئے نہ در در کو لے
 مولانا سید سلیمان ندوی "فقوش سلیمانی" میں لکھتے ہیں : —

حضرت شیخ شرف الدین احمد سیرنگی کے بہت سے ہندی دوست ہیں جن میں بعض سیاریوں کی محرت وائیں
 بتائی گئی ہیں۔ مثلاً۔

لودہ پھٹکری مردا سنگ : ہاں زیر ایک ایک ٹنگ

افیون چٹا بھر، مرچیں چار : ارد بھر تھو تھا اس میں ڈر

پوست کے پانی بوٹلی کرے : نیمنا پیراہل میں ہرے

ہمارے وطن (درن ضلع پٹنہ) کے کتب خانہ اصلاح میں ایک خاتون کے دو صفحے پڑانے کاغذ کے ہیں جن میں
 اسی زبان میں مختلف اعداد کے جوابات بتائے گئے ہیں اور اسکے سرنامہ پاس خاتون کی نسبت حضرت محمد مصطفیٰ
 کی طرف کی گئی ہے، اس میں کل سائیں فقیر ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

۱۱۱۔ جو کسی کی نفی کیا ہوئی سو ہوئی۔

۱۱۲۔ ناپیں کچھ کرو نصیب لاگی بات ہے۔

۱۱۳۔ ابھیں ابھیں ناپیں۔

۱۱۴۔ ابھیں ناپیں، سوت رہو جائے۔

۱۱۵۔ راج پاٹ اپل کے دیا تمکوں۔

۱۱۶۔ ابھیں ناپیں آگہ ہو پگا۔

۱۱۷۔ توروں دن کے اب سکھ سو جانا ہیں۔

اشکاریہ

(انڈکس)

مُسْتَقْبَل

شاہ محمد شبیر عطاء ندوی

۱۔ افادہ مولوی مراد اللہ صاحب سیرنگی ندوی۔

۲۔ "فقوش سلیمانی" از مولانا سید سلیمان ندوی مشہور۔

اعلام

(الف)

۲۲۶	ابن لیمین	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۲۱۰	حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام
۲۳	(خواجہ) ابوالاحمد ہشتی		۲۰۴، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۵۱	
۲۴، ۲۳	(خواجہ) ابوالسحاق ہشتی		۱۸۹	(حضرت سید) آدم بنوری
۱۵۰	(خواجہ) ابوبکر		۲۳۸	(مولانا) آدم حافظ
۲۳۸	(مولانا) ابوالحسن (خلیفہ مخدوم الملک)		۲۹	(مولانا) آزاد
۱۸	(مولانا) ابوالحسن علی ندوی		۱۴۷	حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
۳۱	(مولانا) ابو حفص اوشی		۲۴۲، ۲۵۱	
۲۴۱	ابو حیان توحیدی		۱۴۱، ۱۶۵	(سلطان) ابراہیم شرقی
۱۴۰، ۱۱۱، ۴	(خواجہ) ابوسعید ابوالخیر			ابراہیم توام (مصنف شرق نامہ)
۲۴۲، ۲۴۰	ابوالفضل		۲۳۰، ۲۳۶	(مولانا) ابراہیم
۲۳۸	(مولانا) ابوالقاسم		۲۴۲، ۲۴۱	ابن جوزی
۳۱	(فقیہ) ابواللیث سمرقندی		۱۸۹	ابن حجر مکی
۲۳	(خواجہ) ابومحمد ہشتی		۲۴۱	ابن خلدون
۲۳	(خواجہ ناصر الدین) ابویوسف		۲۴۱	ابن شداد
۲۳۹، ۲۲۸، ۲۲۶	(مولانا) احمد آمون		۲۴۱	ابن عربی (شیخ محی الدین)
۴۸	(حضرت مخدوم) احمد عبدالحق رددلوی		۲۴۱	ابن عمید
۵۲	احمد بن علی (پدر حضرت محبوب النبی)		۲۴۱	ابن قیم
۱۴۱، ۱۵۱	شیخ احمد تھانی سری			
۲۳۸	(خواجہ) احمد (مرید مخدوم الملک)			

۲۳۹	احمد سفید بات (مرید مخدوم الملک)
۱۵۳	(سید) احمد اکلیلم حسینی
۱۸۹	(حضرت سید) احمد شہید
۱۸۹	(مولانا خواجہ) احمد نصیر آبادی
۱۲۹	(مخدوم) احمد سراج الدین عثمان اودھی
۱۴۱، ۱۵۲، ۱۵۰	
۱۶۴	ارنڈ
۲۵	(راجہ) ارونا
	اسعد لاہوری (والد حضرت شیخ علاء الحق پٹنوی)
۱۵۲	
۱۶۵، ۱۵۲	(حضرت سید) اشرف جہانگیر سمنانی
۲۳۷، ۲۳۶، ۱۱۴۲	
۴۹	(حکیم الامت مولانا) اشرف علی تھانوی
۱۲۱	خواجہ اقبال
۹۹، ۹۵	اقبال خادم
۲۸۱، ۱۶۶	اقبال
۱۸	(مولوی) اقبال احمد اعظمی
۳۲، ۳۱	(سلطان شمس الدین) التمش
۱۸۹، ۱۸۰، ۵۳، ۳۴، ۳۳	
۴۹	(حضرت مولانا محمد) الیاس کابڑھلوی
۱۱۵، ۹۲، ۸۹	امام اعظم
۲۳۷	(مولانا) امام الدین
۳۱۱	امان اللہ صدیقی
۶۵۳، ۴۹	(حضرت حاجی) امداد اللہ مہاجر کی
۲۴۷	امین خاں (مکتوب لہ حضرت مخدوم الملک)
۲۵	انندیال
۲۳۹	(مولانا) اوجہ الدین
	(خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی)
۲۰۶	(خواجہ) ادیس قرنی رضی اللہ عنہ
۲۶	ایشوری پرشاد
	(ب)
۲۳۷	بارک (مخدوم الملک کی پوتی)
۳۰، ۲۱، ۱۴۶	(خواجہ) بایزید بسطامی
۱۹۸	ڈاکٹر یحییٰ بھٹن
۴۶، ۴۴، ۴۰	مولانا بدر الدین اسحاق
۱۲۳، ۷۴، ۶۳، ۶۱	
۴۳	شیخ بدر الدین غزنوی
۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰	(خواجہ) بدر الدین سمرقندی
۲۳۹	(قاضی) بدر الدین ظفر آباد
۵۶	(مولانا) برہان الدین باقی
۱۶۳، ۱۶۲، ۱۵۲	(شیخ) برہان الدین غریب
۲۶	برہما
۷۵	بغراخان
۸۲، ۷۵، ۵۵، ۴۱، ۴۰	(غیاث الدین) بلبن
۲۳۸، ۱۸۰، ۱۶۹	
۲۶۰	لمعم باغور

۱۸۴	(شیخ) بوعلی قلندر
۱۵۰	(مولانا) بہار الدین اڈھی
۱۸۸	(مولانا) بہار الدین
	(ت)
۱۹۵	امیر کبیر تاتار خاں
۲۳۸	(امام) تاج الدین (مرید مخدوم الملک)
۱۵۰	(خواجہ) تلج الدین داری
۱۴۸، ۱۷۷	(مولانا محمد) تلج فقیہ
۲۳۸، ۲۳۸	(مولانا) تقی الدین اودھی
	(ج)
۲۳	(مولانا) جاتی
۱۷۸	(شیخ شہاب الدین) جگ جوت
۵۴، ۵۲	(شیخ) جلال الدین تبریزی
	(شیخ) جلال الدین حسین بخاری معروف بہ مخدوم
۱۵۱	جہانیاں جہاں گشت
۱۵۰، ۱۱۳۸، ۹۲	(مولانا) جلال الدین
۲۳۸	(خواجہ حافظ) جلال الدین
	(سید) جلال الدین (خواہر زادہ شیخ نجیب الدین)
۲۳۹	
۸۴، ۸۲	(سلطان) جلال الدین غلمی
۳۱۱	(مخدوم) جلال منیری
۱۷۹	(شیخ) جلیل الدین (برادر مخدوم الملک)
۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۶، ۱۸۵، ۱۸۴	
۴۶، ۳۸	(شیخ) جمال الدین خطیب بانسوی
۱۵۶، ۶۷	
۱۸۸	(شیخ جمال الدین) سکی
۱۷۲	(مولانا) جمال اولیا چشتی
۲۰۸، ۲۸۸، ۱۳۶، ۹۱	حضرت جنید
۱۰۵	جھجو
۱۷۲	ملاحیون
۲۲	جی، بی، اسٹریٹ
۲۵	جے چند
	(ج)
۱۲	(حضرت خواجہ نصیر الدین محمود) چراغ دہلی
۱۰۹، ۱۰۵، ۹۸، ۸۸، ۷۷، ۷۵، ۷۴	
۱۶۲، ۱۶۱، ۱۵۹، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۴۸	
۲۰۰، ۱۷۱	
۱۷۸	(شیخ احمد) چرم پوش
۱۲۶	(مولانا رکن الدین) چنر
۱۵۹، ۱۵۸	چنگیز خاں
	(ح)
۱۲۱	(امیر حاجی) (فرزند امیر خسرو)
۱۷۹	(شیخ) حبیب الدین (برادر مخدوم الملک)
۲۴۱	حریری
	(حضرت شیخ) حسام الدین حسام الحق مانکپوری
۱۵۳، ۱۵۲	

۲۳۹	شیخ شعیب	خواجہ سیف الدین باخوزی ۱۹۰، ۱۸۸، ۱۸۰
۵۳	مولوی محمد شفیع صاحب	(من)
۴۷	شیخ شمس الدین ترک پانی پتی	شادی گلابی
۵۵	مولانا شمس الدین خوارزمی (متوفی الممالک)	امام شافعی
۱۲۶/۵۶		شاہ بیکہ
۲۰۱/۱۷۱/۱۵۹/۱۴۹/۸۱	مولانا شمس الدین بکھی	شاہ پیر محمد سلونی
۱۰۰/۲۹۹	مولانا شمس الدین	شاہ پیر محمد لکھنوی
۱۵۰	خواجہ شمس الدین	شاہ خبیر عطا
۲۲۵/۲۳۵/۲۲۷/۲۲۶	قاضی شمس الدین	شاہ عالم گجراتی
۲۴۷	شمس الدین شراب دار	(حضرت) شبلی
۷۲	شمس الدین خوارزمی	مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد بن بکھی منیری
۲۳۸	شمس الدین	۱۹۶/۱۹۴/۱۷۸/۱۷۵/۱۸۱/۱۷۱/۱۶۶
۳۰۴/۳۰۰		۲۲۵/۲۳۲/۲۳۹/۲۲۵/۲۲۲
۱۷۱	ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی	۲۹۸/۲۹۵/۲۸۵/۲۸۳/۲۶۸/۲۴۷
۴۵	شیخ شہاب الدین (فرزند حضرت گنج شکر)	۳۱۲/۳۰۸/۳۰۳/۲۹۹
۹۱	مولانا شہاب الدین لمٹانی	۱۸۱/۱۸۰
۱۵۰	مولانا شہاب الدین (خلیفہ مخدوم الملک)	خواجہ شرف الدین ابوقوامہ
۲۳۲/۲۳۱/۲۲۶	مولانا شہاب الدین	۱۱۰/۱۰۹
۲۳۸	مولانا شہاب الدین ناگوری	قاضی شرف الدین
۲۳۳	امیر شہاب الدین	قاضی شرف الدین (مرید مخدوم الملک)
۲۳۷	شہاب الدین علوی طوسی	حاجی شریف زبیدی
	سید شہاب الدین (مرید مخدوم الملک)	بالی شریفی
۲۳۹		مخدوم شاہ شعیب فردوسی ۳۱۱/۱۸۱
۱۸۰	شیر شاہ	قاضی شعیب ۳۷

۲۲۱	خواجہ مابد ظفر آبادی	(ص)
۴۷/۴۶	شیخ عارف	ابو اسحاق الصابی
۱۹۵	مولانا عالم	الصاحب ابن عباد
۲۳۴/۲۳۳	قاضی عالم احمد	سید صباح الدین عبد الرحمن الیمانی
۲۴۲	عالم گیر	قاضی صدر الدین
۱۲۷/۱۳۸	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	مولانا صدر الدین
۲۴۱	عبدالحق کاتب	علامہ صفائی
۱۸۹/۱۷۱/۱۵	مولانا حکیم سید عبدالحق صاحب	(ض)
۴۹	حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری	مولوی سید ضمیر الدین صاحب
۹۶	خواجہ عبد الرحیم	ضیاء ربی ۱۱۱/۱۳۹/۹۲/۸۵/۸۴/۲۱
۱۵۳	شیخ عبد الصمد عرف معنی الدین معنی پوری	۱۵۸/۱۵۰
۱۸۱	شیخ عبد العزیز	مولانا ضیاء الدین
۱۳۵	حضرت شیخ عبد القادر جیلانی	(ط)
۴۹/۱۱	حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری	طباطبائی
۱۵۳/۴۹	حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی	ملک طغی
۱۵۳	حضرت شیخ عبد الکریم مانک پوری	طہرا
۲۵۳	عبد اللہ ابن ابی	شیخ طیب بناری
۱۷۱/۱۵۱	شیخ عبد المقصود رکنی	(ظ)
۲۳	حضرت خواجہ عثمانی ہارونی	ظہوری
۵۲	خواجہ عرب	مفتی سید ظہیر الدین
۳۲	ملک عزیز الدین	سید ظہیر الدین
۱۰۷	خواجہ عطار اللہ	(ع)
۲۷۹/۲۶۷/۱۱۹/۱۸۸	خواجہ فرید الدین عطار	حضرت عاکشہ

عقیق	۲۳۵، ۲۳۱، ۲۲۸، ۲۲۶	شیخ عماد الدین دہلوی	۱۹
سلطان علاء الدین خلجی	۸۴، ۸۳، ۷۹، ۲۰	خواجہ عماد الدین قلندر	۱۵۳
	۱۴۶، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵	نور الدین محمد عوفی	۱۵
۱۵۵		عین القضاۃ ہمدانی	۱۹۴
حضرت شیخ علاء الدین صابر	۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	(غ) ۲- امام عزالی	۲۸۹، ۲۸۱
شیخ علاء الدین اجودھنی	۴۶	۱- مولانا برہان الدین (غریب)	۱۵۰
مولانا علاء الدین اصولی	۵۳	غلام حسین	۱۶۵
مولانا علاء الدین نیلی	۱۴۹	سلطان عیث الدین تغلق	۹۳، ۸۹، ۸۸، ۲۰
شیخ علاء الدین علاء الحق پنڈوی	۲۳۷، ۱۶۵، ۱۵۲	(ملک غازی)	۲۰۰، ۱۳۷
شیخ علاء الدین سمنانی	۱۸۹	سلطان عیث الدین شاہ بنگال	۲۲۲
شیخ علاء الدین جیوری	۱۸۹	میر عیث الدین شیرازی	۱۷۱
حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی رلے بریلوی	۱۸۹	(ق) حضرت فاطمہ	۳۰۱
مولانا علم الدین	۹۱	بی بی فاطمہ	۲۵
قاضی علیم اللہ	۱۷۲	فتوح باورچی	۲۱۲
شیخ علیم الدین	۲۳۷	مولانا فخر الدین زرداری	۹۲، ۹۰
مولانا علی اصغر قنوجی	۱۷۲	مولانا فخر الدین مروزی	۱۵۰
خواجہ علی	۵۳، ۵۲	مولانا فخر الدین میرٹھی	۱۵۰
امیر سید علی ہمدانی	۱۸۹	مولانا فخر الدین دہلوی	۱۵۱
شیخ علی	۳۵	(شیخ زادہ حسام الدین) فرجام	۹۱، ۹۰، ۸۹
امیر المؤمنین سیدنا عمر	۲۶۰، ۲۵۳	حضرت خواجہ فرید الدین (گنج شکر)	۲۰، ۳۶
سیدنا عمر بن عبدالعزیز	۱۳۶	۵۸، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	
شیخ عمر (مرید مخدوم الملک)	۲۲۸		
غلام رحمتی	۲۳۹		

سلطان قطب الدین (مبارک شاہ)	۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱
قطب الدین ایبک	۱۳۲، ۱۱۳، ۱۰۲، ۸۲، ۷۷، ۷۳، ۶۸
قطب عالم عبداللہ اکسینی	۱۷۱، ۱۶۷، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
مولانا قمر الدین	۲۳۸، ۲۳۴
امیر قیصرک	۱۵۰، ۱۰۴
(ک) مولانا کاشانی	۲۳۸، ۲۳۹
ملک کافور	۱۹۵، ۱۶۲، ۱۶۰، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
مولانا کریم الدین	۵۳
خواجہ کریم الدین سمرقندی	۲۳۷، ۲۳۱
حضرت کعب بن مالک	(ق) حضرت مولانا محمد قاسم نالوتوی
شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی	۴۹
علامہ کمال الدین	محمد قاسم (مصنف تاریخ فرشتہ)
شیخ کمال الدین ناگوری	۹۳
شیخ کمال الدین (مالوی)	قاسمی خاں
مولانا کمال الدین سنتوکی	۲۳۹، ۲۳۲
بابا کمال الدین جندی	قاضی الفاضل
راجہ کنش	۲۴۱
جزا کننگھم	قلعہ خاں
میر الدین کیفیاد	۷۴
(گ) علامہ گازرونی	ملک قرابیک
گنج شکر (دیکھئے حضرت خواجہ فرید الدین)	۵۸، ۸۴
	حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
	۳۸-۳۰
	۱۹۲، ۱۹۰، ۱۸۵، ۱۷۷، ۱۷۳، ۱۶۳
	شیخ الاسلام سید قطب الدین احمد مدنی
	۱۸۹
	شیخ قطب الدین دبیر
	۱۶۰، ۱۵۹
	قطب الدین (مرید مخدوم الملک)
	۲۳۸
	شیخ قطب الدین
	۲۴۷

۱۹	گوتم بدھ	۲۲۴	صوفی محمد حسین صاحب
۱۵۱/۱۳۱/۱۲	حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز	۱۶۴/۱۶۲	سلطان محمد شاہ بہمنی
①		۱۲۷	علامہ محمد طاہر فتنی
۱۷۲	مولانا الطیف الترمذی	۵۲/۲۷-۲۴/۱۲۲	شہاب الدین محمد غوری
۲۳۹	مولانا الطیف الدین	۱۷۹/۱۷۷	
③		۱۷۲	سید محمد کالیوی
(شیخ محمد بن احمد) الماریکی مشہور بہ		۱۵۳/۱۰۴	حضرت شاہ محمد مینا
۱۲۶/۵۷	کمال الدین زاہد	۷۲	محمد سیدہ فروش
۱۰۰	اخئی مبارک	۲۴-۲۲	سلطان محمود غزنوی
۱۵۰	شیخ مبارک گوپاموی	۴۹	شیخ الہند مولانا محمود احسن صاحب
۷۱/۷۰/۵۰	نور الدین مبارک	۲۳۴	مولانا محمود صوفی
۱۸۴	شیخ مجدد الدین بغدادی	۱۵۰/۹۲/۹۰	مولانا محی الدین کاشانی
۲۱۵/۲۰۱/۲۰۰/۱۹۹	مجدد الملک	۱۵۶	مخلص الملک
۱۵۳	تلج العارفین شاہ مجیب الشراقدری	۳۱۲/۳۱۱/۷۱۸	مولوی مراد اللہ صاحب
۳۰۰/۲۷۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱۲۶/۵۷	علامہ برہان الدین مرغینانی
۳۰۱	حضرت مریم علیہا السلام	۱۸۹	شیخ شرف الدین المزوقانی
۴۹	حضرت شیخ محمد الشہداء آبادی	۴۵	بی بی مستورہ
۱۳۳/۴۷	خواجہ محمد امام	۱۸	مولوی سید مشرف علی ندوی
۲۱	محمد بن قاسم تقفی	۳۱۱/۲۳۸/۲۲۹/۲۳۲	مولانا مظفر مجنی
۱۰۰/۹۳/۴۶/۴۵	(سلطان) محمد تغلق	۲۳۹/۲۳۲	خواجہ معز الدین
۱۶۲/۱۰۸/۱۰۶		۲۴-۲۲/۱۵	حضرت خواجہ معین الدین چشتی
۱۸۹/۱۳۰	امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی	۴۴/۳۶-۳۴/۳۲/۳۰-۲۷	
۲۸۴/۲۸۳/۲۴۲/۲۰۴		۱۹۲/۱۶۶/۱۲۲/۸۲	

۱۵۳	شاہ معین الدین کرجوی	۲۰۵/۱۷۹/۱۸۷/۱۸۶	خواجہ نجم الدین کبریٰ
۱۵۳	مولانا مغیث الدین	۱۸	مولانا سید نجم الہدیٰ ندوی
۸۵/۸۴	قاضی مغیث الدین بیانونی	۱۸۵/۱۸۲	شیخ نجیب الدین فردوسی
۲۳۱/۲۲۶	خواجہ ملک	۲۳۷/۱۹۷-۱۹۴	
۷۹/۷۸/۶۴/۱۷	مولانا مناظر احسن گیلانی	۶۴/۶۳/۶۰/۵۹	شیخ نجیب الدین متوکل
۱۲۲		۱۰۷	
۶۷	قاضی منتخب	۴۵	شیخ نصر الدین
۲۳۵/۲۳۳	منور	۲۴۷/۲۳۸/۲۲۹	مولانا نصیر الدین جوہوری
۱۵۶/۱۴۹/۹۸/۴۶	شیخ قطب الدین منور	۱۷۱/۱۵۱/۱۲	حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
۲۰۰/۱۵۸/۱۵۷		۴۸۴/۴۵۱/۴۴۱/۴۳۰/۱۳۹/۱۳۶	
۲۵/۱۵	قاضی منہاج الدین جوزجانی	۶۵/۶۴/۶۱/۵۷/۵۳/۵۲/۵۰	
۳۷	مولانا منہاج الدین ترمذی	۱۰۳/۹۸/۹۷/۸۹/۸۲/۷۳/۶۸	
۲۳	خواجہ قطب الدین مودود	۴۳۴/۴۳۱/۳۵۰/۳۱۱/۲۲۲/۱۰۹	
۱۲۳/۴۷	خواجہ محمد موسیٰ	۱۷۰/۱۶۸/۱۶۷/۱۵۸/۱۵۲/۱۴۶	
۲۶۷/۱۰۳	مولانا روم	۲۰۰/۱۹۹/۱۹۴/۱۹۳/۱۸۵/۱۸۴	
۱۵۵/۱۵۰	خواجہ موید الدین کردی	۲۳۹/۲۳۸	
۱۵۰	خواجہ موید الدین انصاری	۴۵	خواجہ نظام الدین
۲۳۰	قاضی مینا	۱۵۰	مولانا نظام الدین شیرازی
⑤		۱۶۹	شیخ نظام الدین اورنگ آبادی
۱۶۹/۵۵/۴۰	سلطان ناصر الدین محمود	۱۷۲	نظام الدین
۵۶	مولانا قطب الدین ناقلہ	۲۳۰	مولانا نظام الدین کوہی
۱۸۸	شیخ نجم الدین رازی	۲۳۳	مولانا نظام الدین
۱۹۲/۳۲	شیخ نجم الدین صغریٰ	۲۳۳	مولانا نظام الدین مفتی

۲۳۳	مولانا نظام الدین مفتی	۱۵۱	شاہ نیاز احمد بریلوی
	مولانا نظام الدین (خال زادہ مخدوم الملک)	۹	
۲۳۹		۱۵۰	شیخ وحید الدین پٹلی
۲۰۱۱۹۹	مولانا نظام مولی بہاری	۱۵۳	شیخ وحید الدین یوسف
۲۳۶	حاجی نظام غریب	۲۳۹۱۲۳۷	سید وحید الدین رضوی
۲۳۲	نعمت خان عالی	۹۰۱۸۹	قاضی جلال الدین الولو ابھی
۲۰۵	حضرت خواجہ نقشبند	۲۳۲	حضرت شاہ ولی اللہ
۲۵۱	حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام	۲۵	وسیل دیو
۳۸	مولانا نور ترک	۵	
۱۵۷	عاجز زادہ نور الدین	۲۳۵، ۲۳۱، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۶	بلال
۲۳۵، ۲۳۰	قاضی نور الدین	۱۹۷	ڈاکٹر ہنٹر
۱۷۲، ۱۶۵، ۱۵۲	حضرت نور قطب عالم	۱۹۸	ہیون سانگ
۱۵۱	خواجہ نور محمد		

کتابیات

۵۵، ۲۱، ۲۰	تاریخ فیروز شاہی (صیاد برنی)	۴۵	آمار الصنادید
۱۳۶، ۱۴۱، ۱۳۹، ۸۵		۳۰	آئین اکبری
۱۶۰، ۱۵۱	تاریخ فیروز شاہی (سراج عقیق)	۲۶	اجمیر گزٹیر
۱۵۶، ۱۵۱، ۱۴۹	تاریخ مشائخ چشت	۲۳۹	اجوبہ
۱۸۷	رسالہ تبصرہ	۲۴	حسن انتقا سیم
۲۴۲	تحفہ اشاعرہ	۲۸۹، ۱۱۴۶	احیاء العلوم
۲۳۹	تحفہ غیبی	۳۶، ۱۴۱، ۱۳۴	اخبار الاخبار
۱۳۶	ترجمہ احیاء العلوم	۲۳۹	ارشاد السالکین
۱۵۴	تذکرۃ الرشید	۲۳۹	ارشاد الطالبین
۶۶، ۴۵	تذکرۃ العاشقین	۲۴۲	ازالۃ الخفا
۸۰	تغلق نامہ	۱۳	افضل الفوائد
۶۲	تمہید ابوشکور سالمی	۵۳	انسانکلو پیڈیا آف اسلام
		۱۵۲	انیس الغربا
۱۲۷	الثقافة الاسلامیہ فی الهند	۲۳۹	بحر المعانی
۲۳	جغرافیہ خلافت مشرقی	۱۴۱، ۱۴۴	بزم صوفیہ
۱۳۱، ۷۳، ۱۲	جوامع الکلم		
۱۴۱، ۱۹۲	حسرت نامہ	۱۳۷، ۱۳۵، ۱۱	تاریخ دعوت و عزیمت
		۱۵۹، ۱۴۹، ۱۳۸، ۱۳۴، ۱۳۲، ۱۲۶	تاریخ فرشتہ
		۱۶۴	

سیر الاقطاب ۱۱۵/۳۱/۳۰/۲۹

سیرة الاولیاء ۳۳/۳۲/۲۹/۲۸/۲۷/۱۷

۵۴/۵۲/۵۰/۴۸/۴۰/۳۹/۳۶/۳۴

۷۰/۶۸/۶۷/۶۶/۶۲/۶۱/۵۸/۵۷

۸۵/۸۴/۸۳/۸۱/۷۸/۷۶/۷۴/۷۲

۹۸/۹۷/۹۵/۹۴/۹۳/۹۲/۸۸

۱۰۹/۱۰۸/۱۰۷/۱۰۵/۱۰۴/۱۰۲/۱۰۱

۱۱۹/۱۱۷/۱۱۶/۱۱۵/۱۱۲/۱۱۱/۱۱۰

۱۲۷/۱۲۶/۱۲۴/۱۲۳/۱۲۱/۱۲۰

۱۴۷/۱۴۶/۱۴۵/۱۴۳/۱۴۱/۱۴۰

۱۶۰/۱۵۸/۱۵۵/۱۵۹/۱۵۸

(ش)

شرح آداب المریدین ۲۳۹

شرح تعرف ۱۴۶

شرح کافیہ ۱۷۱

شرف نامہ ابراہیمی ۱۷۸

شرف نامہ احمد منیری ۱۷۸

(ص)

صید الخاطر ۲۴۲

(ط)

طبقات ناصری ۲۶۰/۲۵/۱۵

(ع)

عقائد اشرفی ۲۳۹

(خ)

خزینة الاصغیاء ۱۹۳/۱۸۶/۶۶/۴۵/۳۱

۱۹۴

خمسہ نظامی

۱۲۷

خوان پر نعمت

۲۳۹/۲۲۴/۱۸۱

خیر المجالس

۱۳۴/۸۹/۴۹

(۵)

دعوت اسلام

۱۶۸

راحتہ القلوب

۲۳۹/۳۷

رسالہ در طلب طالبان

۲۳۹

رسالہ قشیری

۱۴۶

رسالہ مکہ

۲۳۹

رقعات عالمگیری

۲۴۲

رقعات السلاطین

۱۶۵

(ن)

زاد سفر

۲۳۹

(س)

سراج المجالس

۷۷/۵۴/۵۰

سیرت سید احمد شہید

۱۷

سیرة الشرف

۱۹۹/۱۹۸/۱۸۲/۱۷۸/۱۷

۲۲۲/۲۲۱/۲۱۷/۲۱۶/۲۱۵/۲۰۱/۲۰۰

۲۳۹/۲۳۸

سیر العارفین

۱۰۷/۱۰۶/۱۰۵/۵۶/۵۵/۴۴/۴۳

۱۱۰

عوارف المعارف ۱۸۶/۱۴۶/۶۲

(ف)

فناوی تاتارخانی

۱۹۵

فرہنگ ابراہیمی

۱۷۸

فوائد کنی

۲۳۹

فوائد الفواد - ۱۱۷/۱۱۶/۱۱۵/۱۱۴/۱۱۳/۱۱۲/۱۱۱/۱۱۰/۱۰۹/۱۰۸/۱۰۷/۱۰۶/۱۰۵/۱۰۴/۱۰۳/۱۰۲/۱۰۱/۱۰۰/۹۹/۹۸/۹۷/۹۶/۹۵/۹۴/۹۳/۹۲/۹۱/۹۰/۸۹/۸۸/۸۷/۸۶/۸۵/۸۴/۸۳/۸۲/۸۱/۸۰/۷۹/۷۸/۷۷/۷۶/۷۵/۷۴/۷۳/۷۲/۷۱/۷۰/۶۹/۶۸/۶۷/۶۶/۶۵/۶۴/۶۳/۶۲/۶۱/۶۰/۵۹/۵۸/۵۷/۵۶/۵۵/۵۴/۵۳/۵۲/۵۱/۵۰/۴۹/۴۸/۴۷/۴۶/۴۵/۴۴/۴۳/۴۲/۴۱/۴۰/۳۹/۳۸/۳۷/۳۶/۳۵/۳۴/۳۳/۳۲/۳۱/۳۰/۲۹/۲۸/۲۷/۲۶/۲۵/۲۴/۲۳/۲۲/۲۱/۲۰/۱۹/۱۸/۱۷/۱۶/۱۵/۱۴/۱۳/۱۲/۱۱/۱۰/۹/۸/۷/۶/۵/۴/۳/۲/۱/۰

۷۴/۷۳/۷۲/۷۱/۷۰/۶۹/۶۸/۶۷/۶۶/۶۵/۶۴/۶۳/۶۲/۶۱/۶۰/۵۹/۵۸/۵۷/۵۶/۵۵/۵۴/۵۳/۵۲/۵۱/۵۰/۴۹/۴۸/۴۷/۴۶/۴۵/۴۴/۴۳/۴۲/۴۱/۴۰/۳۹/۳۸/۳۷/۳۶/۳۵/۳۴/۳۳/۳۲/۳۱/۳۰/۲۹/۲۸/۲۷/۲۶/۲۵/۲۴/۲۳/۲۲/۲۱/۲۰/۱۹/۱۸/۱۷/۱۶/۱۵/۱۴/۱۳/۱۲/۱۱/۱۰/۹/۸/۷/۶/۵/۴/۳/۲/۱/۰

۱۱۱/۱۱۰/۱۰۹/۱۰۸/۱۰۷/۱۰۶/۱۰۵/۱۰۴/۱۰۳/۱۰۲/۱۰۱/۱۰۰/۹۹/۹۸/۹۷/۹۶/۹۵/۹۴/۹۳/۹۲/۹۱/۹۰/۸۹/۸۸/۸۷/۸۶/۸۵/۸۴/۸۳/۸۲/۸۱/۸۰/۷۹/۷۸/۷۷/۷۶/۷۵/۷۴/۷۳/۷۲/۷۱/۷۰/۶۹/۶۸/۶۷/۶۶/۶۵/۶۴/۶۳/۶۲/۶۱/۶۰/۵۹/۵۸/۵۷/۵۶/۵۵/۵۴/۵۳/۵۲/۵۱/۵۰/۴۹/۴۸/۴۷/۴۶/۴۵/۴۴/۴۳/۴۲/۴۱/۴۰/۳۹/۳۸/۳۷/۳۶/۳۵/۳۴/۳۳/۳۲/۳۱/۳۰/۲۹/۲۸/۲۷/۲۶/۲۵/۲۴/۲۳/۲۲/۲۱/۲۰/۱۹/۱۸/۱۷/۱۶/۱۵/۱۴/۱۳/۱۲/۱۱/۱۰/۹/۸/۷/۶/۵/۴/۳/۲/۱/۰

۱۲۲/۱۲۱/۱۲۰/۱۱۹/۱۱۸/۱۱۷/۱۱۶/۱۱۵/۱۱۴/۱۱۳/۱۱۲/۱۱۱/۱۱۰/۱۰۹/۱۰۸/۱۰۷/۱۰۶/۱۰۵/۱۰۴/۱۰۳/۱۰۲/۱۰۱/۱۰۰/۹۹/۹۸/۹۷/۹۶/۹۵/۹۴/۹۳/۹۲/۹۱/۹۰/۸۹/۸۸/۸۷/۸۶/۸۵/۸۴/۸۳/۸۲/۸۱/۸۰/۷۹/۷۸/۷۷/۷۶/۷۵/۷۴/۷۳/۷۲/۷۱/۷۰/۶۹/۶۸/۶۷/۶۶/۶۵/۶۴/۶۳/۶۲/۶۱/۶۰/۵۹/۵۸/۵۷/۵۶/۵۵/۵۴/۵۳/۵۲/۵۱/۵۰/۴۹/۴۸/۴۷/۴۶/۴۵/۴۴/۴۳/۴۲/۴۱/۴۰/۳۹/۳۸/۳۷/۳۶/۳۵/۳۴/۳۳/۳۲/۳۱/۳۰/۲۹/۲۸/۲۷/۲۶/۲۵/۲۴/۲۳/۲۲/۲۱/۲۰/۱۹/۱۸/۱۷/۱۶/۱۵/۱۴/۱۳/۱۲/۱۱/۱۰/۹/۸/۷/۶/۵/۴/۳/۲/۱/۰

۱۶۸/۱۶۷/۱۶۶/۱۶۵/۱۶۴/۱۶۳/۱۶۲/۱۶۱/۱۶۰/۱۵۹/۱۵۸/۱۵۷/۱۵۶/۱۵۵/۱۵۴/۱۵۳/۱۵۲/۱۵۱/۱۵۰/۱۴۹/۱۴۸/۱۴۷/۱۴۶/۱۴۵/۱۴۴/۱۴۳/۱۴۲/۱۴۱/۱۴۰/۱۳۹/۱۳۸/۱۳۷/۱۳۶/۱۳۵/۱۳۴/۱۳۳/۱۳۲/۱۳۱/۱۳۰/۱۲۹/۱۲۸/۱۲۷/۱۲۶/۱۲۵/۱۲۴/۱۲۳/۱۲۲/۱۲۱/۱۲۰/۱۱۹/۱۱۸/۱۱۷/۱۱۶/۱۱۵/۱۱۴/۱۱۳/۱۱۲/۱۱۱/۱۱۰/۱۰۹/۱۰۸/۱۰۷/۱۰۶/۱۰۵/۱۰۴/۱۰۳/۱۰۲/۱۰۱/۱۰۰/۹۹/۹۸/۹۷/۹۶/۹۵/۹۴/۹۳/۹۲/۹۱/۹۰/۸۹/۸۸/۸۷/۸۶/۸۵/۸۴/۸۳/۸۲/۸۱/۸۰/۷۹/۷۸/۷۷/۷۶/۷۵/۷۴/۷۳/۷۲/۷۱/۷۰/۶۹/۶۸/۶۷/۶۶/۶۵/۶۴/۶۳/۶۲/۶۱/۶۰/۵۹/۵۸/۵۷/۵۶/۵۵/۵۴/۵۳/۵۲/۵۱/۵۰/۴۹/۴۸/۴۷/۴۶/۴۵/۴۴/۴۳/۴۲/۴۱/۴۰/۳۹/۳۸/۳۷/۳۶/۳۵/۳۴/۳۳/۳۲/۳۱/۳۰/۲۹/۲۸/۲۷/۲۶/۲۵/۲۴/۲۳/۲۲/۲۱/۲۰/۱۹/۱۸/۱۷/۱۶/۱۵/۱۴/۱۳/۱۲/۱۱/۱۰/۹/۸/۷/۶/۵/۴/۳/۲/۱/۰

فوائد مریدین

۲۳۹

(ق)

قوت القلوب

۱۴۶

(ک)

کشاف

۱۲۶

کشف المحجوب

۱۴۶

کنز المعانی

۲۳۹

(گ)

گل رعنا

۱۵

گل فردوس

۱۹۳

گیج لایخی

۲۳۹/۲۱۵

(ل)

لباب اللباب

۱۵

لطائف اشرفی

۲۳۷/۲۳۶

لطائف المعانی

۲۳۹

لوائح حضرت قاضی حمید الدین ناگوری

۱۴۶

(م)

آثار الکرام

۲۹/۲۷

مغیر الواصلین

۶۶/۴۵

المدش

۲۴۲

مرصاد العباد

۱۴۶

مشارق الانوار

۱۲۷/۵۷

مشکوٰۃ

۱۴۷

مصباح الہدایت

۱۱۷

معجم البلدان

۳۱

معدن المعانی

۲۲۹/۲۰۳/۱۷۹

مفتاح اللغات

۱۷۹

مفصل

۱۲۶

مقامات حریری

۵۷

مکتوبات سہ صدی

۲۴۵

مکتوبات صدی

۲۴۵

مکتوبات شیخ شرف الدین بک منیری

۲۴۵

مکتوبات عین القضاة

۱۴۶

مکتوبات کلیمی

۱۶۹

ملفوظات

۲۳۹

مناقب الاصغیاء

۱۸۷/۱۸۵-۱۸۳/۸۱

۲۳	نفحات الانس	۲۰۵۱۲۰۱۴۲۰۰۴۱۹۴-۱۹۰۱۸۸
۳۱۲	نقوش سلیمانی	۳۱۱۴۲۱۵۴۲۱۴۲۱۱۲۱۰۴۲۰۶
	(۹)	۲۶۱۲۰ منتخب التواریخ
		۱۱۲ المنقذ من الضلال
۲۳۶، ۲۲۴	وفات نامہ	۲۳۹ مونس المریدین
	(۸)	۱۵۲ مونس الفقراء
		۲۱۵ مونس القلوب
۵۷	ہدایہ	(۷) ۲۷۰ النافع
	ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت	۲۷۰
۸۸، ۸۷، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۶۹، ۶۵		۵۳، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
۱۲۲		۱۲۲

مقامات و عمارات

۳۱	اوش	(الف)	اجیر
۱۷۳، ۱۵۲، ۱۴۴، ۱۴۰	ایران	۱۶۷، ۱۴۴-۳۲، ۱۳۰، ۱۲۷-۲۵	اجودھن
	(ب)	۶۵، ۶۰، ۵۵، ۴۵، ۴۰، ۳۹	
۷۵	باغ حیرت	۸۳، ۷۴، ۷۰-۶۸، ۶۶	
۱۴۷، ۱۸۸	بام ہزار ستون	۱۶۹، ۱۵۲	دھرا باد
۵۲، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	بخارا	۲۴	افغانستان
۷۱، ۶۹، ۶۰، ۵۵، ۵۳، ۵۲	بدایوں	۲۴۷	انگلی
۱۵۲	برہان پور	۴۰	اوچ
۷۵	بشالہ	۱۵۳، ۱۵۲، ۱۴۸	اورچ

۲۶	(د)	۵۲، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	بغداد
۱۴۳، ۱۵۸، ۱۶۰	ترانہ	۱۵۷، ۱۵۶	بنی
۲۶	ترکستان	۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	بہار شریف
۸۴	تلونڈی	۲۳۷	بہار
۲۶	تلنگانہ	۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	بہار
۲۶	تھانیس	۳۱۱، ۳۱۰	بہار
۱۶۲	(د)	۱۹۷	بہار
۱۶۲	ٹہٹہ	۲۵۵، ۱۷۷	بہار
۱۶۲	ٹیلہ والی مسجد		بہار
۸۶	(ج)	۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	پاک پٹن
۱۵۳	جامع میری	۳۹	پاکستان
۱۷۸	جون پور	۱۸۴	پانی پت
	جھٹلی	۲۴۵، ۱۷۸	پٹنہ
۲۴۵	(ج)	۷۴	پٹنہ
۷۱	چوسہ	۲۶	پٹنہ
	چھپر والی مسجد	۱۶۷	پٹنہ
۲۶۵	(ح)	۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱	پٹنہ
۱۰۵	حصار اندریت	۱۸	پٹنہ
۷۵	حوضی رانی	۱۶۴	پٹنہ
۱۷۸، ۱۷۷	(خ)	۱۵۳	پٹنہ
۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶	انخلیل	۰، ۴۷	پٹنہ
	خراسان		پٹنہ

۹۱	روم	۱۸۸۱/۱۸۶/۱۹	خوارزم
۵۲	روہیل کھنڈ		دکن
۱۹	رے	۱۶۲/۱۵۳	دمشق
	سرا	۱۰۳/۶۹	دہلی
۲۴	زاہدان	۳۷/۳۴/۳۳/۳۱/۳۰/۲۵/۲۱	دہلی
۲۴	زرچ	۵۹/۵۵/۵۳/۴۷/۴۳/۴۱/۳۸	
۱۹	زنجان	۹۰/۸۹/۸۲/۷۹/۷۶/۷۳/۶۷	
۱۵۲	زین آباد	۱۴۱/۱۳۹/۱۳۲/۱۲۱/۱۱۱/۱۰۳/۹۴/۹۳	
	سجڑ	۱۶۸/۱۵۸/۱۵۷/۱۵۲/۱۵۱/۱۴۷	
۲۴	سجستان	۲۱۵/۲۰۰/۱۹۲/۱۸۹/۱۸۵/۱۸۰	
۲۴	سجستان	۲۳۷	
۱۷۲/۱۵۲	سلون	۳۱۲	دیس
۱۹	سمرقند	۴۸	دیگری
۲۲/۱۸۳-۱۸۰	سارگاؤں	۱۶۳/۱۵۸/۱۵۲/۹۴/۹۳	دیوگیر
۲۱	سندھ		ڈھاکہ
۳۱۱	سندیہ	۱۸۰	
۲۳	سومناٹ		راج شاہی
۴۷	سوتان	۱۶۵	راج گیر
۲۴	ستان	۲۰۰-۱۹۷	راج گربھا
	شام	۱۹۸	رائے بریلی
۹۱	شام	۱۷	رائے پور
۲۴۵	شاہ آباد	۴۹	رکاب دارکی سراے
۳۱۱	شیخ پورہ	۷۱	

۲۷	کابل	۲۱	شیراز
۱۷۸	کاشغر	۱۵۲	صفی پور
۱۹۸	کیوٹیکا		طوسینا
۱۸۹	کرا	۲۶۵	
۱۸۹	کشمیر		عدن
۲۵۵	کچہ مکرمہ	۳۱۱	عراق
۷۴	کمال دروازہ	۲۰	غزنین
۳۸/۳۷	کمنوال		غزنین دروازہ
۷۵/۳۲	کیلوکھڑی	۲۴	غیاث پور
	گل برگہ	۳۷	
۱۷۲/۱۶۹/۱۶۴/۱۵۲/۱۵۱		۱۴۴/۱۰۵/۸۶/۷۶/۷۵/۷۰	
	لاہور	۱۶۸	
۵۲/۳۷/۱۲	لکھنؤ	۳۱۱	قزوین
۱۵۲/۱۲۹	لکھنؤ	۳۱	قزلبہ
۱۸	لکھنؤ		قزلبہ
۱۵۲	مالوہ	۲۱	قزلبہ
۲۶	مان سرور	۱۹	قزلبہ
۱۵۲	مانڈو	۳۷	قزلبہ
۱۷۲/۱۵۲	مانک پور	۳۶	قزلبہ
۱۹۸	مخدوم کنڈ	۲۵	قنوج
۱۹	مرو	۷۱	قیصر

مدرسے، خانقاہیں اور کتب خانے

۷۶	درگاہ شیخ ضیاء الدین روی	۱۷۸	انڈیا آفس
۳۱۲	کتب خانہ اصلاح	۳۱۱	خانقاہ بہار
۴۷	مدرسہ معزینہ	۱۵۳	خانقاہ مجیدی
۱۸	مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ	۱۵۳	خانقاہ رشیدی
۴۹	مظاہر العلوم	۴۹	دارالعلوم دیوبند

سلسلے

۱۹۱	سلسلہ شطاریہ	۱۸۹	سلسلہ جفیدیہ
۱۵۳	سلسلہ صابریہ	۱۷۲، ۱۶۶، ۱۵۱، ۱۱۳، ۱۸۱	سلسلہ چشتیہ
۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۶	سلسلہ فردوسیہ	۲۳۷، ۱۹۰	سلسلہ چشتیہ نظامیہ
۳۱۱	سلسلہ کبرویہ	۱۵۴، ۱۵۲، ۱۱۲۹	سلسلہ سہروردیہ
۱۸۹	سلسلہ ہمدانیہ	۱۸۶، ۱۷۸	

مطابع

۲۳۶	مطبع مفید عام آگرہ	۱۸۱	مطبع احمدی
۱۸۳	مطبع نورالآفاق	۱۷۹	مطبع شرف الاخبار

۸۵، ۱۸۴	درنگل	۱۶۴	مریٹ واڈہ
		۲۶۰	مسجد نبوی
		۱۹۸	گدھ
۱۵۸، ۱۵۶، ۱۷۲، ۱۶۷، ۱۴۶، ۱۲۸	پانی	۵۴، ۴۴، ۴۳، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۲۱	مقتان
۲۴	پہند	۳۹	منشگری
۷۵	ہمالیوں کا مقبرہ	۷۱	مندھ پل
۱۹	ہمدان	۷۱	مندھ دروازہ
۱۳۱-۲۵، ۲۳-۲۰، ۱۶	ہندوستان	۳۱۱، ۲۳۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۸۳-۱۷۷	مینر
۰۷۲، ۱۶۸، ۱۴۸، ۱۴۶، ۱۳۷، ۱۳۵، ۱۳۴		۳۱۱	مونگیر
۱۲۸، ۱۱۸، ۱۱۲، ۱۱۰، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۷۹		۷۱	میان بازار
۱۶۵، ۱۶۰، ۱۵۲-۱۵۱، ۱۴۷، ۱۴۱		۱۷	میدان پور
۱۷۸، ۱۷۷، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۶		۱۶۸	میوات
۱۱۹۱، ۱۱۹۰، ۱۱۸۴، ۱۱۸۱-۱۷۹			نیشاپور
۲۹۸، ۲۴۲، ۱۹۴		۱۹	نیمروز

ساز

سکے اور بانٹ

۱۵

چنگ

۱۵۸

۱۶

دت

۷۲

۱۷

رہا

۱۵۸

۱۸

شاپ

نک
جینل
دات**APPROVED**

By WWW.ATTABLIG.COM at 11:19 am, Oct 26, 2010